اے لوگو!

اے لوگو!



مصنف: شیخ الحدیث والتفسیر، ابوصالح مفتی محمد قاسم قادری عطاری مدظلہ العالی

"اے لوگو!"

کے خطاب کے ساتھ قرآنِ پاک میں دیئے گئے اَحکامِ الٰہی کا حسین مجموعہ

اے لوگو!

مصنف

شیخ الحدیث والتفسیر، ابو صالح مفتی محمد قاسم قادری عطاری مدظلہ العالی

www.dawateislami.net

نام کتاب: اے لوگو!

مصنف: شیخ الحدیث والتفسیر، ابو صالح مفتی محمد قاسم قادری عطاری مدظلہ العالی

کل صفحات: 324

پہلی بار: ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ، مئی 2024ء تعداد: 5000 (پانچ ہزار)

جملہ حقوق بحق مکتبۃ المدینہ محفوظ ہیں

مکتبۃ المدینہ

MAKTABA TUL MADINAH

دینی کتابوں کی اشاعت کا بین الاقوامی ادارہ

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی

Faizan-E-Madina,Mohalla Sodagaran,Old Sabzi Mandi,Karachi

UAN: +92211111252692, :92-313-1139278

www.dawateislami.net www.maktabatulmadina.com

ilmia@dawateislami.net feedback@maktabatulmadina.com

پاکستان کے چند مکتبۃ المدینہ

اسلام آباد: شبیر شریف روڈ G-11 مرکز اسلام آباد 051-5553765	لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ 04237311679
ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ 0614511192	فیصل آباد: امین پور بازار 0412632625
پشاور: مکتبۃ المدینہ نئی ٹاور شاپ #الف 15،16 کابلی روڈ پشاور سٹی 0092 341 1458486	حیدر آباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن 0222620122
سکھر: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ سکھر 0092 312 2611826	میر پور آزاد کشمیر: چوک شہیداں 05827437212

دنیا بھر کے چند مکتبۃ المدینہ

سعودی عرب: 00971-525641947	متحدہ عرب امارات: 00971-4514691	انگلینڈ: 0044 7872 119618	جرمنی: 0049 1521 6972748
ملائیشیا: 0060 16-934 1591	آسٹریلیا: 0061 430 539 226	اٹلی: 0039-3392358897	امریکہ: 001 (847) 800-3865
جاپان: 0081-8097526831	ترکی: 0090-5318980786	بھارت: 0091 93703 84948	ساؤتھ افریقہ: 0027 79 271 9161
ساؤتھ کوریا: 0082 105517-2612	بنگلہ دیش: 00880 1934-457874	کویت: 00965-99972721	

المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

دعوتِ اسلامی DAWAT-E-ISLAMI

مکتبۃ المدینہ MAKTABA TUL MADINAH

www.dawateislami.net

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	مقدمہ	21
2	”اِتباعِ قرآن“ ایمان کا بنیادی تقاضا	21
3	مقاصدِ نزولِ قرآن	22
4	قرآنی اِعجاز و حُسنِ بیان	23
5	قرآن کے اَسالیبِ خطاب	24
6	”اے لوگو“ کے خطاب والی آیات	26
7	”اے لوگو“ والی آیات میں موضوعات کی ترتیب کے اِعتبار سے اَحکام یہ ہیں:	26
8	”اے لوگو“ کتاب کا تعارف و خصوصیات	27
9	(آیت نمبر:1) اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم اور اُس کے مستحقِ عبادت ہونے پر دَلائل	29
10	اجمالی تفسیر	29
11	آیت پر تفصیلی کلام	29
12	”عبادت“ کی اَہمیت و تاکید	29
13	عبادت کا اجمالی معنی	30
14	عبادت کا تفصیلی شرعی معنی	30
15	عبادت اور تعظیم میں فرق	30
16	تنبیہ	31
17	عبادت و تعظیم میں فرق کی مثالیں	31
18	کفار و منافقین کے حق میں عبادت کا معنی	32
19	مفہومِ عبادت کی مختلف تعبیرات	32
20	زندگی کا مقصد عبادت ہے	33
21	ہر کام عبادت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟	33
22	مفہومِ عبادت کی وُسعت پر دَلائل	34

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
23	گھریلو مُعاملات و تعلقات بھی عبادت میں داخل	34
24	بیوی بچوں کو کھلانا پلانا بلکہ خود کھانا بھی عبادت	35
25	سونا بھی عبادت	35
26	حاصلِ کلام	35
27	عبادتِ الٰہی اور اِنسانی زندگی کی کیفیات	36
28	صحابہ کرام اور سلف صالحین کی سیرت میں ذوقِ عبادت کی روشن مثالیں	37
29	قرآن اور ذوقِ عبادت	38
30	سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہُ عنہ کی خشوع و خضوع والی نماز	39
31	سیدنا عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کی نماز و تلاوت کا ایمان افروز ذوق	39
32	سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہُ عنہ کی عبادت کے لیے شب بیداری	39
33	سیدنا مولا علی کرَّمَ اللہُ وَجہَہُ الکریم کی کیفیاتِ عبادت	40
34	دکان پر 400 رَکعت نفل کی اَدائیگی	40
35	30 سال کی عبادت	40
36	عبادت و ریاضت کی منفرد مثال	40
37	روشن راتیں	41
38	اِستحقاقِ عبادت	41
39	اللہ تعالیٰ کے مستحقِ عبادت ہونے کے چند دَلائل	42
40	اِستحقاقِ عبادت کی پہلی دَلیل	42
41	اِستحقاقِ عبادت کی دوسری دَلیل	43
42	اِستحقاقِ عبادت کی تیسری دَلیل	43
43	اِستحقاقِ عبادت کی چوتھی دَلیل	44
44	نماز چوری سے روک دے گی	45
45	تلاوتِ قرآن سے حصولِ تقویٰ	46

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
46	عبادت سے تقویٰ کے حصول پر ایک حدیث	46
47	عبادت کا فائدہ عابِد کو ہی ہے	47
48	عبادت کے فوائد	47
49	عبادت کے دُنیاوی فوائد	48
50	عبادت کے اُخروی فوائد	48
51	خلاصہ کلام	49
52	محاسبہ	51
53	(آیت نمبر:2) پاک اور حلال کھانے کا حکم اور شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے ممانعت	52
54	شانِ نزول	52
55	اجمالی تفسیر	52
56	آیت پر تفصیلی کلام	53
57	آیت کا سیاق وسباق	53
58	کفار کی حرام کردہ چیزوں کی مختلف مثالیں	54
59	پہلی مثال	54
60	دوسری مثال	54
61	تیسری مثال	55
62	چوتھی مثال	55
63	حلال وطیب رِزق سے کیا مُراد ہے؟	56
64	حرام آمدنی کی مذمت	56
65	حلال کمائی کی فضیلت	57
66	حلال کمانے اور اہلِ خانہ یا دِیگر لوگوں پر خرچ کرنے کی برکت	58
67	قربِ الٰہی اور تقوی کے لیے لقمۂ حلال کی اَہمیت	58
68	لقمۂ حرام سے بچنا کیوں ضروری ہے؟	59

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
69	لقمہِ حرام سے بچنے کے ساتھ اس سے آگے کا ایک بلند مرتبہ	60
70	ائمہ مسلمین، سلف صالحین کے مشتبہ چیزوں سے بچنے کے زریں واقعات	62
71	اِتباعِ شیطان	63
72	شیطان کی اِنسانوں سے عداوت	63
73	شیطان کی دُشمنی کے مختلف اَنداز	64
74	سات چیزیں جو شیطان نے عداوت میں اپنے اوپر لازم کرلی ہیں	65
75	”سوء“ اور ”فَحشاء“ سے مُراد	66
76	شیطان کا بُرائی اور بے حیائی کا حکم دینا	66
77	بُرائی کی طرف بلانے میں شیطان کا دو گروہوں کو اِستعمال کرنا	66
78	اِنسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں	67
79	جنوں اور اِنسانوں کے شیاطین سے پناہ مانگیں	68
80	ہر بُری چیز سے بچانے والی تین سورتیں	68
81	اللہ تعالیٰ کی طرف اَولاد کی نسبت کرنے والوں کا رَد	69
82	عذابِ جہنم سے متعلق یہودیوں کا من گھڑت عقیدہ	69
83	یہود و نصاریٰ کی جنت کے متعلق خوش فہمیاں	70
84	دَہریوں کا اِفتراء علَی اللہ	70
85	قادیانیوں کا خدا کی طرف جھوٹ منسوب کرنا	70
86	گمراہ فرقوں کا اِفترا علَی اللہ	71
87	خلاصہ کلام	71
88	محاسبہ	73
89	(آیت نمبر:3) تخلیقِ اِنسان کی اِبتدا اور تقویٰ وصلہ رحمی کا حکم	75
90	اجمالی تفسیر	75
91	آیت پر تفصیلی کلام	75

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
92	بلاغتِ قرآنی کا ایک خوبصورت نکتہ	75
93	تقویٰ کا لغوی و شرعی معنی	76
94	کافروں اور مسلمانوں کے لئے تقویٰ کے حکم میں فرق	76
95	تقویٰ کی سات اَقسام	77
96	حصولِ تقویٰ کا طریقہ	77
97	حصولِ تقویٰ کا سب سے مؤثّر ذَریعہ نیک صحبت	77
98	صحبتِ نبوی کی عظیم تاثیر کا ایک واقعہ	77
99	صحبتِ نبوی کی عظیم تاثیر کا دوسرا واقعہ	78
100	حصولِ تقویٰ کا دوسرا مؤثّر ذَریعہ، فکرِ آخرت	78
101	قیامت کی منظر کشی سے لوگوں کو ڈرانا	79
102	اِنسانی اَعضا کی گواہی	79
103	نامۂ اَعمال کھلنے پر مجرموں کا واویلا	79
104	حساب سے پہلے خود اپنا حساب کر لو	80
105	تخلیقِ بشر کے بیان میں چار اَہم درس	80
106	پہلا درس	80
107	دوسرا درس	80
108	تیسرا درس	81
109	چوتھا درس	81
110	اِنسانوں کی اِبتدا کس سے ہوئی؟	82
111	رِشتہ داری توڑنے کی مذمت	83
112	رِشتہ داری جوڑنے کی فضیلت	84
113	لوگوں کے جھگڑے ختم کروا کر ان میں صلح صفائی کروانے کی فضیلت	84
114	رِشتہ داریاں ٹوٹنے کے اَسباب اور بچنے کا طریقہ	84

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
115	رِشتہ داریاں ٹوٹنے کا ایک سبب، آپس کے جھگڑے ہیں	85
116	رِشتہ داریاں ٹوٹنے کا دوسرا سبب	86
117	رِشتہ داریاں ٹوٹنے کا تیسرا سبب	86
118	رِشتہ داریاں ٹوٹنے کے مزید اَسباب	87
119	خلاصہ کلام	87
120	محاسبہ	89
121	(آیت نمبر:4)رَسولِ خدا، محمدِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری اور ان پر اِیمان لانے کا حکم	91
122	اجمالی تفسیر	91
123	آیت پر تفصیلی کلام	91
124	زمانہ فترت	92
125	زمانہ فترت کی مدت	92
126	مشرکینِ مکہ کے دعویٰ "اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ" پر کلام	94
127	اِیمان کے عظیم فوائد و ثمرات	95
128	دُنیوی فوائد	95
129	اُخروی فوائد	96
130	رب تعالیٰ کو کسی کا کفر ضرر نہیں پہنچا سکتا	97
131	خلاصہ کلام	99
132	محاسبہ	100
133	(آیت نمبر:5)سیدنا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم خدا کی روشن دلیل ہیں	101
134	اجمالی تفسیر	101
135	آیت پر تفصیلی کلام	101
136	بُرہان سے مُراد	102
137	نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شان کا بیان	102

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
138	رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا علم و عقل اور کردار کے اِعتبار سے بُرہان ہونا	103
139	حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا وجودِ مسعود بھی "برہان"	105
140	حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے گیسوئے عنبریں	105
141	حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اَعضائے مبارکہ	105
142	روشن نور سے مُراد	106
143	نورِ قرآن اور توحیدِ الٰہی	107
144	قرآن کی پیروی کا دُنیاوی و اُخروی فائدہ	107
145	دوسری آیت کا پہلا حصہ	108
146	ایمانِ صادق اور اُس کے تقاضے	108
147	"حبل اللہ" کو تھامنا اور اِنعاماتِ اِلٰہیہ	109
148	فضلِ الٰہی	110
149	سیدھا راستہ ایک اِنعام	110
150	خلاصہ کلام	111
151	محاسبہ	113
152	(آیت نمبر:6) محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عمومِ رسالت کا بیان	114
153	اجمالی تفسیر	114
154	آیت پر تفصیلی کلام	114
155	آیت کا سیاق	115
156	عمومِ رسالت کی دلیل	116
157	پہلے اَنبیائے کرام کی بعثت میں عادتِ اِلٰہیہ	116
158	رسالتِ عامہ کے تقاضے	117
159	سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر پانچ خاص اِنعاماتِ اِلٰہیہ	119
160	مخلوق کے لئے ضرورتِ نبوت پر تین شاندار دلائل	119

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
161	ضرورتِ نبوت پر پہلی دلیل	119
162	ضرورتِ نبوت پر دوسری دلیل	120
163	ضرورتِ نبوت پر تیسری دلیل	120
164	محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سچے رسول ہونے پر دلیل	121
165	اتباعِ رَسُول سے متعلق حکمِ خداوندی	122
166	نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اِتباع کے ثمرات	122
167	خلاصہ کلام	123
168	محاسبہ	124
169	(آیت نمبر:7) مصیبت وراحت اور اِنسانی نفسیات	126
170	اجمالی تفسیر	126
171	آیت پر تفصیلی کلام	126
172	آیت کا سیاق وسباق	127
173	مشرکین کے طرزِ عمل کی منظر کشی	127
174	مشرکوں کی وعدہ خلافیوں کی مماثلت، فرعونیوں کے طرزِ عمل کے ساتھ	128
175	مصیبت میں اللہ کو یاد کرنا اور راحت میں بھول جانا کس کا طریقہ ہے؟	131
176	مصیبت سے نجات کے بعد خدا کے پیارے بندوں کا طرزِ عمل	131
177	مشکل سے نجات کے بعد حضرت یوسف علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا خدا کو یاد کرنا	132
178	مشکل سے نجات کے بعد حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا خدا کو یاد کرنا	132
179	مشکل سے نجات کے بعد حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا خدا کو یاد کرنا	133
180	مشکل سے نجات کے بعد ایک صحابی رضی اللہُ عنہ کا خدا کو یاد کرنا	133
181	دُنیاوی زندگی کے مال ومتاع کی ناپائیداری	134
182	دُنیوی زندگی اُمیدوں کا سبز باغ ہے	135
183	کاش ہم سدھر جائیں	135

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
184	دُنیا کی زندگی کے بعد کیا ہو گا؟	136
185	خلاصہ کلام	138
186	محاسبہ	138
187	(آیت نمبر:8)عظمتِ قرآن کی چار جہتیں	140
188	اجمالی تفسیر	140
189	آیت پر تفصیلی کلام	140
190	قرآن کی چار صفات	140
191	”مَوْعِظَةٌ“(نصیحت)کسے کہتے ہیں؟	140
192	قرآن کے وعظ و نصیحت کے مختلف اَسالیب	141
193	نصیحت کا ایک اُسلوب	141
194	نصیحت کا دوسرا اُسلوب	143
195	نصیحت کا تیسرا اُسلوب	144
196	”شِفا“ سے مُراد	145
197	قرآنِ مجید کا باطن کے لئے شِفا کا ذَریعہ ہونا	145
198	قرآنِ مجید میں جسمانی اَمراض کی بھی شِفا موجود ہے	147
199	قرآن اِنسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے ہدایت	148
200	قرآنِ مجید کی عقائد کے متعلق ہدایت	149
201	عبادات میں ہدایت	149
202	کاروباری و مالی معاملات میں ہدایت	150
203	اخلاقیات میں ہدایت	150
204	معاشرتی تعلقات میں ہدایت	151
205	خاندانی اُمُور میں ہدایت	152
206	قرآن کے رَحمت ہونے کی صورتیں	153

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
207	شریعت، طریقت اور حقیقت کی طرف اِشارہ	153
208	خلاصہ کلام	154
209	محاسبہ	154
210	(آیت نمبر:9) دینِ حق کے اقرار اور باطل سے انکار کا صاف اعلان	156
211	اجمالی تفسیر	156
212	آیت پر تفصیلی کلام	156
213	کفار کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دین میں شک کرنے کا معنٰی	157
214	”مِّنْ دِیْنِیْ“ میں دو اِحتمال ہیں	158
215	نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بتوں کی پوجا سے بیزاری	158
216	نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور خالص عبادتِ الٰہی	163
217	اَعمالِ جوارح کی اَہمیت	164
218	”حَنِیْفًا“ کے معنٰی	165
219	اِظہارِ بندگی اور اعلانِ حق کی اَہمیت	165
220	آیت کا پہلا مفہوم، شرکِ جلی	166
221	آیت کا دوسرا مفہوم، شرکِ خفی	166
222	خلاصہ کلام	167
223	محاسبہ	168
224	(آیت نمبر:10) ہدایت کا فائدہ اور گمراہی کا نقصان	169
225	اجمالی تفسیر	169
226	آیت پر تفصیلی کلام	169
227	حق کا معنٰی	170
228	بندے کی ہدایت اور خدا کی بے نیازی	171

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
229	مبلغ کے لیے چند نصیحتیں	175
230	خلاصہ کلام	175
231	محاسبہ	176
232	(آیت نمبر:11) قیامت کا دِلوں کو دہلا دینے والا منظر	177
233	مختصر تفسیر	177
234	شانِ نزول	177
235	تفصیلی کلام	178
236	قیامت کے زلزلے کی قرآن میں منظر کشی	178
237	زلزلہ قیامت کو عذاب فرمانے کی وجہ	180
238	قیامت کے ناموں کے معانی اور ان کی وجہ تسمیہ	182
239	قیامت کے ذِکر سے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کا حال	183
240	قیامت کی تیاری اور ہماری حالت	185
241	یادِ آخرت کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا معمول	185
242	خلاصہ کلام	186
243	محاسبہ	187
244	(آیت نمبر:12) تخلیقِ اِنسانی کے مَراحل کا بیان اور وقوعِ قیامت پر اِستدلال	189
245	اجمالی تفسیر	189
246	آیت پر تفصیلی کلام	190
247	اِنتہائی ضعیفی کی عمر میں عقل و حواس ختم ہونے سے محفوظ لوگ	191
248	دہریوں کے شبہات کا جواب	192
249	موت کے بعد دوبارہ زندگی پر پہلی دلیل	193
250	موت کے بعد دوبارہ زندگی پر دوسری دلیل	194
251	جزا یا بدلے کا صحیح معنٰی اُخروی حیات میں ہی ممکن ہے	195

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
252	تخلیقِ انسانی کے مراحل سے قرآن کی حقّانیت کا ثبوت	196
253	انسانی تخلیق کے مراحل	197
254	انسانی تخلیق کے مَراحل کا حدیث میں بیان	200
255	مُردہ زمین کے زندہ ہونے سے اِستدلال	200
256	خلاصہ کلام	202
257	محاسبہ	203
258	(آیت نمبر:13)سیدنا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا منصبِ انذار	205
259	اجمالی تفسیر	205
260	آیت پر تفصیلی کلام	205
261	فریضہِ اِنذار کی اِبتدا	205
262	فریضہِ اِنذار اور جملہ اَنبیا علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام	206
263	تمام اَنبیا کا وصفِ مشترک	206
264	لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لئے اَنبیا علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو بھیجنے کی حکمت	207
265	اَنبیا کی بعثت میں حکمت	208
266	ہر اُمَّت کے لئے فریضہ اِنذار	209
267	نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شانِ تبشیر واِنذار	209
268	اعلانِ نبوت کے اِبتدائی دِنوں میں قریبی رِشتہ داروں کو عذابِ الٰہی کے متعلق متنبہ کرنا	210
269	نجات کی بنیادی شرط	210
270	قرابت داروں کو ڈرانے والی آیت کا نزول اور حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی دعوتِ تبلیغ	210
271	نزولِ قرآن کا بنیادی مقصد	211
272	بشارت واِنذار کا خاص اوصافِ نبوت میں سے ہونے کا بیان	212
273	نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مرتبہِ اِنذار کی اِنفرادی خصوصیت	212

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
274	بشارتِ وعید سے کون فائدہ اٹھا سکتا ہے؟	212
275	”میں صرف ڈر سنانے والا ہوں“ جملے میں حصر کیوں؟	213
276	قیامت کے متعلق کافروں کے بے جا سوالات و مطالبات	214
277	مبلغین کے لئے نصیحت	215
278	اِشکال	215
279	خلاصہ کلام	216
280	محاسبہ	218
281	(آیت نمبر:14) معبودِ برحق اور معبودانِ باطلہ کا فرق	219
282	اجمالی تفسیر	219
283	آیت پر تفصیلی کلام	219
284	قرآن کا مرکزی ترین موضوع توحید و شرک	220
285	توحید و شرک کے تقابل کی پہلی مثال	220
286	توحید و شرک کے تقابل کی دوسری مثال	221
287	توحید و شرک کے تقابل کی تیسری مثال	222
288	خداوندِ کریم کی عظمت و قدرت اور بتوں کی بے وقعتی اور بے بسی	222
289	خدا کی شانِ تخلیق اور بتوں کا تقابل	223
290	بتوں کے ناکارہ و عاجز ہونے کا بیان	223
291	خلاصہ کلام	227
292	محاسبہ	228
293	(آیت نمبر:15) خوفِ خدا اور فکرِ روزِ جزا کا حکم	229
294	اجمالی تفسیر	229
295	آیت پر تفصیلی کلام	229

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
296	یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد	230
297	قیامت میں رِشتے دار، دوست کام نہیں آئیں گے	230
298	قیامت کی ہولناکیوں سے متعلق قرآنی آیات	232
299	رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا نسب اس وقت بھی فائدہ دے گا جب رشتے منقطع ہو جائیں گے	233
300	اہلِ بیت کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شفاعت	233
301	آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کی حیثیت	234
302	دنیاوی زندگی کی ناپائیداری کی مثال	235
303	دُنیوی زندگی اُمیدوں کا سبز باغ ہے	235
304	دنیا کی رنگینیوں سے اِنسان کی جانچ	236
305	دھوکے میں مبتلا لوگوں کا بیان	236
306	دھوکے میں مبتلا لوگوں کے دو گروہ	237
307	عقیدے کی وجہ سے دھوکے کا شکار لوگوں کی اقسام	237
308	دہریوں کا دھوکے میں ہونا	237
309	مشرکوں کا دھوکے میں ہونا	237
310	یہودیوں کا دھوکے میں ہونا	239
311	عیسائیوں کا دھوکے میں ہونا	239
312	نسبتوں کی وجہ سے دھوکے میں ہونا	240
313	عمل کی وجہ سے دھوکے کا شکار لوگوں کی اقسام	240
314	نفلی حج سے افضل و بہتر عمل	243
315	مالدار لوگوں کا بخل	243
316	خلاصہ کلام	244
317	محاسبہ	246

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
318	(آیت نمبر:16)خدا کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم اور اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کا بیان	247
319	اجمالی تفسیر	247
320	آیت پر تفصیلی کلام	247
321	اپنے اوپر اللہ کا اِحسان یاد کرو	247
322	خدا کے اِحسانات کی ایک صورت	248
323	خدا کے اِحسانات کی دوسری صورت	248
324	خدا کے اِحسانات کی تیسری صورت	248
325	خدا کے اِحسانات کی چوتھی صورت	251
326	خدا کے اِحسانات کی پانچویں صورت	251
327	خدا کے اِحسانات کی چھٹی صورت	252
328	خدا کے اِحسانات کی ساتویں صورت	252
329	خلاصہ کلام	256
330	محاسبہ	257
331	(آیت نمبر:17)دنیا اور شیطان کے دھوکے کا بیان	258
332	اجمالی تفسیر	258
333	آیت پر تفصیلی کلام	258
334	دنیا کی زندگی سے دھوکا نہ کھائیں	259
335	انسان کو دھوکے میں ڈالنے والی چار چیزیں	260
336	پہلا سبب:دُنیا	260
337	دوسرا سبب:مخلوق	261
338	تیسرا سبب:شیطان	261
339	چوتھا سبب:نفس	262

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
340	نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا طریقہ	264
341	گناہوں اور اُمید سے متعلق مسلمانوں کا حال	265
342	شیطان کے بندے کو دھوکے میں ڈالنے کی چند صورتیں اور ان کا علاج	266
343	شیطان کی دشمنی کی آیات	271
344	شیطان کی دشمنی کے طریقے	271
345	خلاصہ کلام	272
346	محاسبہ	273
347	(آیت نمبر:18)لوگوں کی محتاجی اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان	274
348	اجمالی تفسیر	274
349	آیت پر تفصیلی کلام	274
350	پیدائش میں بندے کی محتاجی	275
351	رِزق میں محتاجی	275
352	بیماری و مصیبت میں خدا کی طرف محتاجی	276
353	رہائش اور اَسبابِ زندگی میں خدا کی طرف محتاجی	276
354	کھانے پینے میں خدا کی طرف محتاجی	277
355	لباس میں خدا کی بارگاہ میں محتاجی	278
356	اللہ کی شانِ بے نیازی پر آیت	278
357	اللہ کی شانِ بے نیازی پر اَحادیث	279
358	پہلی حدیث	279
359	دوسری حدیث	279
360	ہمارے لئے نہایت اہم درس	281
361	اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے	282

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
362	خلاصہ کلام	284
363	محاسبہ	285
364	(آیت نمبر:19)اِنسان کی قوموں قبیلوں میں تقسیم کی حکمت اور عزت وفضیلت کا حقیقی معیار	287
365	اجمالی تفسیر	287
366	آیت پر تفصیلی کلام	287
367	نسب کے ذریعے فخر و تکبر کرنے کی مذمت	288
368	تکبر ختم کرنے کا ایک علاج	289
369	نسب کی نسبت پر دو اہم باتیں	289
370	نسب کی نسبت پر صاحبِ نسبِ عالی کے لئے اہم بات	289
371	نسب کی نسبت پر دِیگر لوگوں کے لئے اَہم بات	290
372	شرافت و فضیلت کا سبب	292
373	عزت اور فضیلت کا اصل مدار پرہیز گاری ہے	292
374	رنگ و نسل کے فرق میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے رویوں میں فرق	293
375	نسلی تفریق کے خاتمے کی پہلی مثال	294
376	نسلی تفریق کے خاتمے کی دوسری مثال	294
377	نسلی تفریق کے خاتمے کی تیسری مثال	295
378	رنگ و نسل کے فرق کے خاتمے کی چوتھی مثال	295
379	نسب کے معتدل رویے کے متعلق شرعی احکام	295
380	نسب اور تقویٰ کی افادیت میں فرق	296
381	نسب و نسبت کا دنیا میں نفع	297
382	نسب و نسبت کا آخرت میں نفع	298
383	خلاصۂ احکام نسب	299

www.dawateislami.net

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
384	خلاصہ کلام	299
385	محاسبہ	300
386	(آیت نمبر:20)دھوکے میں مبتلا اِنسان کو دھوکے سے نکالنا	301
387	اجمالی تفسیر	301
388	آیت پر تفصیلی کلام	302
389	اُمید وخوف میں صحیح راستہ کیا ہے؟	303
390	اُمید وخوف کے حوالے سے مزید کلام	304
391	روزِ قیامت اَعمال کی پیشی کے مختلف اَنداز	306
392	قیامت کے دن سے ہر ایک کو ڈرنا چاہئے	310
393	خلاصہ کلام	311
394	محاسبہ	312
395	(آیت نمبر:21)قیامت کا منظر اور انسان کو تنبیہ	314
396	اجمالی تفسیر	314
397	آیت پر تفصیلی کلام	315
398	اختلافِ اعمال پر قرآن کا خوبصورت بیان	315
399	قیامت کے دن ایمان والوں کے حساب کی صورتیں	316
400	آسان حساب کی دعا	316
401	بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنے والوں کا حال	317
402	قیامت کے دن حساب اور جزا	319
403	خلاصہ کلام	320
404	محاسبہ	321
405	مصادر و مراجع	322

www.dawateislami.net

مقدمہ

خدا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت "قرآن" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس عزتوں والی کتاب کو "مبارک، اَحسن اور نور" قرار دیا۔ یہ کتاب سچی خیر خواہ اور بہترین رہبر ہے۔ اِس کے اَنوار ہماری دُنیا و آخرت کو روشن کرتے ہیں۔ یہ علوم کا خزانہ، شریعت کا سَرچشمہ، مَعرفتِ الٰہی کا بحرِ بیکراں اور علوم و اسرار کا منبع ہے۔ یہ جامع و کامل اَبدی قانون کسی اِصلاح، ترمیم اور اِضافے کو قبول نہیں کرتا۔ عُلَمائے دِین، قرآن و اسلام کی خدمت کے لیے قرآنِ مجید کی مختلف اَنداز میں تفسیر بیان کرتے آئے ہیں۔ عُلَمائے کرام نے عقائد، فقہ، تصوُّف اور دِیگر دَرجنوں پہلوؤں پر اِجتماعی اور اِنفرادی دونوں اِعتبار سے تفاسیر لکھی ہیں اور اس کے علاوہ بھی خاص اَسالیب میں قرآنِ پاک کے علوم و ہدایات کو اُمَّت تک پہنچایا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب بھی اُن ہی میں سے ایک خاص اُسلوب پر ترتیب دی گئی ہے اور وہ قرآنِ حکیم کی وہ آیات ہیں جن میں "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ" یعنی "اے لوگو!" کے ذَریعے خطاب کیا گیا ہے، اُن تمام آیات کو ایک جگہ جمع کر کے تفسیر کی گئی ہے۔

"اِتباعِ قرآن" اِیمان کا بنیادی تقاضا:

قرآنِ مجید کے بہت سے حقوق ہیں، جن میں سے ایک بنیادی حق "اِتباعِ قرآن" یعنی کتابِ الٰہی کی پیروی کرنا ہے۔ یہ "اِتباع" ہمارے اِیمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اِس اِتباع کی برکت سے دِل کا نور، زندگی کا سکون اور آخرت کی نجات نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۵۵ (پ8، الانعام:155)

ترجمہ: اور یہ برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، تو تم اس کی پیروی کرو اور پرہیز گار بنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اِسی کو زَجر و تنبیہ کے اَنداز میں یوں فرمایا:

وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۵۵ (پ24، الزمر:55)

ترجمہ: اور تمہارے رب کی طرف سے جو بہترین چیز تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اس کی اس وقت سے پہلے پیروی اختیار کر لو کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر (بھی) نہ ہو۔

www.dawateislami.net

مقاصدِ نزولِ قرآن:

"بنی نوعِ انسان" کو مخلوقات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ زمین اور شمس و قمر کا نظام اِنسان ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو عِلم و فہم و شعور و اِختیار کی دولت عطا کر کے "اشرف المخلوقات" بنایا۔ عقل و اِختیار کی نعمت جس قدر عظیم ہے، اِس کے غلط اِستعمال کے نقصانات بھی اتنے ہی زیادہ ہیں اور جب نفس و شیطان کے بہکانے سے اِنسان کے بھٹکنے کے خدشات موجود ہیں تو ضلالت و معصیت سے بچنے اور زندگی اور موت کا نظام بنانے کے مقصد (یعنی اچھے اَعمال کی کوشش) میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے رَسُولوں اور کتابوں کے ذَریعے رہنمائی کا نظام بھی عطا فرمایا اور اسی سلسلہ ہدایت کی آخری کتاب "قرآن" ہے۔

نزولِ قرآن کے مقاصد خود قرآنِ مجید ہی میں وضاحت سے موجود ہیں، چنانچہ ایک جگہ بتایا کہ قرآن اِس لیے نازل ہوا تاکہ ہادیِ کل، سید الرسل، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نورِ قرآن سے لوگوں کو کفر و جہالت کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں داخل کریں، چنانچہ اِرشاد ہوا:

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ(۱) (پ13، ابراہیم:1)

ترجمہ: الٓرٰ، یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے اجالے کی طرف، اس (اللہ) کے راستے کی طرف نکالو جو عزت والا، سب خوبیوں والا ہے۔

نزولِ قرآن کا ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں نے دِین کے متعلق اپنی خواہشات سے جو عقائد خود گھڑ لیے یا غلط سمجھ لیے ہیں، قرآن کے ذَریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ان عقائد میں حق بات لوگوں کے سامنے بیان فرما دیں، چنانچہ فرمایا گیا:

وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ (پ14، النحل:64)

ترجمہ: اور ہم نے تم پر یہ کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کیلئے وہ بات واضح کر دو جس میں انہیں اختلاف ہے۔

نزولِ قرآن کا ایک مقصد یہ ہے کہ قرآن کی روشنی اور رہنمائی میں لوگ غور و فکر کرنا سیکھیں اور اِس تفکر و تدبر کے ذَریعے سب سے بڑی حقیقت وجودِ باری اور رَبوبیتِ خداوندی کو تسلیم کرنے تک پہنچ جائیں۔ اِرشاد ہوا:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ

ترجمہ: اور اے حبیب! ہم نے تمہاری طرف یہ قرآن نازل فرمایا

www.dawateislami.net

مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴿۴۴﴾ (پ14، النحل:44)

تاکہ تم لوگوں سے وہ بیان کر دو جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

نزولِ قرآن کا ایک اَہم مقصد یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اِس میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کریں، چنانچہ فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴿۲۹﴾ (پ23، ص:29)

ترجمہ: (یہ قرآن) ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور عقلمند نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن مقاصد اور اپنی رِضا کے حصول کا شوق نصیب فرمائے، آمین۔

قرآنی اِعجاز و حُسنِ بیان:

اہلِ فکر و نظر کے لیے قرآنِ حکیم کا اِعجاز کئی جہات سے عیاں ہوتا ہے۔ ”نظمِ قرآنی“ فصاحت و بلاغت، صنائع و بدائع اور سلاست میں بے مثل ہے۔ اِسی لیے زبانِ رسالت سے اِعلان کروایا گیا:

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴿۳۸﴾ (پ11، یونس:38)

ترجمہ: تم فرماؤ: تو تم (بھی) اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جو تمہیں مل سکیں سب کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔

خدا نے جن قرآنی اَلفاظ میں کسی مضمون کو بیان کر دیا، اُس سے بہتر، اعلیٰ اور عمدہ اُسلوب میں اُس مضمون و مفہوم کا بیان ہونا ممکن ہی نہیں۔ یہ بھی قرآن کا اِعجاز ہے کہ اس کی فصیح و بلیغ زبان، شوکتِ بیان، ترکیب و محاورات اور قوتِ اِستدلال ایسے شاندار ہیں کہ ان کی برابری کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ اِس مقصد کے لیے دِیگر دَلائل کے ساتھ جس جگہ بطورِ دلیل یہ کتاب حقائقِ کائنات سے پردے اُٹھاتی ہے، وہاں اِس قدر بہترین اَنداز میں اِنکشاف کرتی ہے کہ جدید ترین سائنس بھی انگشت بدنداں رہ جاتی ہے، مثلاً بچے کی وِلادت سے پہلے کے مَراحل کو قرآنِ مجید نے اِس قدر دُرُست ترتیب سے بیان کیا ہے کہ زمانۂ قدیم میں اِس قدر دَقیق تفصیلات کا بیان کرنا بغیر اِس کے ممکن نہیں کہ تسلیم کیا جائے کہ یہ خالقِ کائنات کا کلام ہے۔ یونہی ”قرآن“ کتابِ فلسفہ نہیں، مگر قرآنِ حکیم اِسی فلسفے کے اُلجھے ہوئے مَسائل کو ایسا حل کرتا ہے کہ اب فلاسفہ عناداً قبول نہ کریں تو جُہالت ہے، ورنہ قبولِ حق کے جذبے سے قرآن کا مُطالعہ کریں تو فلسفی سے ”عارِف باللہ“ بن جائیں۔

قرآن، خدا کا کلام ہے۔ اِس کا اَندازِ خطاب جہاں کسی جگہ نہایت پُر شِکوہ اور عظمت سے لبریز ہے، وہیں دوسری

www.dawateislami.net

طرف رَحمت و رافت اور فضل و کرم کی برکھا برساتا نظر آتا ہے۔ کہیں سرکشوں کے لیے شانِ قہّاری عیاں ہوتی ہے، جیسے فرمایا: ﴿فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا﴾ (پ30، الشمس:14) ترجمہ: تو ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب تباہی ڈال کر ان کی بستی کو برابر کر دیا۔

اور کسی مقام پر فرمانبرداروں کے لیے لطف و کرم جھلکتا ہے، جیسے فرمایا:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (پ30، الفجر:27تا30)

ترجمہ: اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس آ کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو، پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اِسی طرح قرآن نے مَعاشی ہدایات کسی لگے بندھے خشک اَنداز میں نہیں دیں، بلکہ اِس قدر مؤثّر اَلفاظ میں اِس موضوع پر کلام کیا کہ سننے والا فوراً سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹنے سے روکنے اور ضروری مواقع پر خرچ نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (پ30، الھمزۃ:1-2)

ترجمہ: اس کے لیے خرابی ہے جو لوگوں کے منہ پر عیب نکالے، پیٹھ پیچھے برائی کرے، جس نے مال جوڑا اور اسے گن گن کر رکھا۔

اس مال کو غریبوں پر خرچ کرنے کو فرمایا کہ اِسے اپنا اِحسان نہ سمجھو، بلکہ اپنے مالوں میں غریبوں کا حق سمجھ کر انہیں دو۔ مال خرچ کرنے کی دونوں سوچوں کے دَرمیان جو فرق ہے، اسے ہر آدمی بآسانی سمجھ سکتا ہے: ﴿وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (پ26، الذاریات:19) ترجمہ: ”اور ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کا حق تھا۔“ دوسرے اَلفاظ میں قرآنِ مجید نے اپنی شانِ اِعجاز سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے گردشِ زَر کا حکم اور ذَخیرہ اندوزی سے ممانعت کا عالمی اور اَبدی اُصول عطا کیا۔

قرآن کے اَسالیبِ خطاب:

قرآنی اَسالیب اِنتہائی نفیس اور عالی شان ہیں۔ اِن میں سے ایک ”اُسلوبِ خطاب“ بھی ہے۔ ماہرینِ علومِ قرآنیہ نے ”وجوہِ مخاطبت“ کے نام سے باقاعدہ اَنواع و فصول قائم کی ہیں۔ محققین نے فقط اُسلوبِ خطاب کے ہی تیس سے زیادہ پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ چند اَسالیبِ خطاب یہ ہیں:

www.dawateislami.net

(1)خطابِ عام یعنی خطاب میں عموم مُراد ہو، مثلاً فرمایا گیا:﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾(پ 21،الروم:40) ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔

(2)خطاب بھی خاص اور مُراد بھی مخصوص، مثلاً اِرشاد ہوا:﴿اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ﴾(پ 4، آلِ عمران:106) ترجمہ: کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے تھے؟

(3)خطاب میں عموم ہو، مگر مُراد مخصوص اَفراد ہوں، مثلاً:﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ﴾(پ 4،النساء:1) ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔“عموم خطاب کے باوجود اِس میں نابالغ بچے اور پاگل شامل نہیں۔

(4)خطاب مخصوص فرد سے ہو، مگر مُراد عموم ہو، مثلاً فرمایا گیا:﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾(پ28، الطلاق:1) ترجمہ: اے نبی! (امت سے فرمادیں کہ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو۔

(5)خطابِ جنس، مثلاً:﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾(پ28، الطلاق:1) ترجمہ: اے نبی!

(6)خطابِ نوع، مثلاً:﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾(پ 1، البقرۃ:47) ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد!

(7)خطابِ عین، مثلاً:﴿وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾(پ1، البقرۃ:35) ترجمہ: اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

(8)خطابِ مدح، مثلاً:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾(پ3، البقرۃ:254) ترجمہ: اے ایمان والو!

(9)خطابِ کرامت، مثلاً:﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ﴾(پ6، المائدۃ:67) ترجمہ: اے رسول!

(10)خطابِ تَہَکُّم، مثلاً:﴿ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝۴۹﴾(پ25، الدخان:49) ترجمہ: چکھ۔ تو تو بڑا عزت والا، کرم والا ہے۔

(11)خطاب میں مُراد جمع مگر ملفوظ ”واحد“ ہو، مثلاً:﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ۝۶﴾(پ30، الانفطار:6) ترجمہ: اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔

(12)خطابِ تعجیز، مثلاً:﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ﴾(پ 11، یونس:38) ترجمہ: تو تم (بھی) اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ۔

(13)خطابِ اِستعطاف، مثلاً:﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾(پ24، الزمر:53) ترجمہ: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی!

www.dawateislami.net

یہ چند مثالیں ہیں جن میں فقط اُسلوبِ خطاب کے مختلف پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مزید تفصیل کے لیے "علوم القرآن" کی کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

"اے لوگو!" کے خطاب والی آیات:

قرآنِ مجید کی وہ اکیس آیات جن کی تفسیر اِس کتاب میں بیان کی گئی ہے، اِن پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کچھ اَحکام صراحت سے دیئے گئے ہیں اور کچھ اَحکام ان آیات سے مفہوم ہوتے ہیں۔ نیز متعدد اَحکام وہ ہیں جو کئی مرتبہ دیئے گئے ہیں۔ کوئی اہلِ علم زیادہ دِقّتِ نظری سے دیکھے گا تو شاید نیچے بیان کی گئی تعداد سے زائد اَحکام بیان کردے لیکن ہم نے جو اپنے اِعتبار سے ایک اجمالی نظر ڈالی ہے، اس کے مطابق دَرج ذیل اَحکام مستفاد ہوتے ہیں۔

"اے لوگو!" والی آیات میں موضوعات کی ترتیب کے اِعتبار سے اَحکام یہ ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ کو تنہا معبود ماننے کا حکم (2) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم (3) اللہ تعالیٰ کی رَبوبیت و وحدانیت کو دِل سے تسلیم کرنے کا حکم (4) اللہ کے اِحسانات و اِنعامات کو یاد کرنے کا حکم (5) اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچنے کا حکم (6) اللہ تعالیٰ کے متعلق بغیر علم کے کلام کرنے سے بچنے کا حکم (7) خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کہنے سے بچنے کا حکم (8) اللہ تعالیٰ پر کامل توکل رکھنے کا حکم (9) مصیبت و خوشحالی ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے کا حکم (10) شرک سے بچنے کا حکم (11) خدا کے تنہا معبود ہونے اور بتوں کی خدائی کے باطل ہونے پر غور و فکر کرنے کا حکم (12) مشرکین سے بَراءت ظاہر کرنے کا حکم (13) نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر ایمان لانے کا حکم (14) رَسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اِطاعت کا حکم (15) حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سراپا نور و ہدایت ذات سے رہنمائی حاصل کرنے کا حکم (16) قرآنِ کریم پر ایمان لانے کا حکم (17) قرآنِ کریم سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کا حکم (18) قیامت کی ہولناکی سے ڈرنے کا حکم (19) آخرت کی تیاری کا حکم (20) شیطان کی پیروی سے اِجتناب کا حکم (21) شیطان کے دھوکوں سے بچنے کا حکم (22) شیطان کو اپنا دُشمن جاننے کا حکم (23) بُرائی اور بے حیائی سے بچنے کا حکم (24) رِشتوں کو توڑنے سے بچنے کا حکم (25) دُنیاوی زندگی سے دھوکا نہ کھانے کا حکم (26) نسب کے سبب فخر کرنے اور دوسروں کی تحقیر سے بچنے کا حکم (27) ایمان پر ثابت قدم رہنے کا حکم (28) قرآن و سنّت، اسلام و شریعت کے راستے پر چلنے کا حکم (29) تقویٰ اِختیار کرنے کا حکم (30) خدا کی بارگاہ میں عزت و فضیلت پانے کیلئے پرہیزگاری اِختیار کرنے کا حکم (31) صرف حلال و پاکیزہ

www.dawateislami.net

چیزیں کھانے کا حکم (32) جنتیوں والے اَعمال کرنے اور جہنمیوں والے اَعمال سے بچنے کا حکم۔

”اے لوگو!“ کتاب کا تعارف و خصوصیات:

کتاب ”اے لوگو!“ اُن آیات کی تفاسیر پر مشتمل ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ”یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ“ کے اَلفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر اکیس (21) آیات ہیں، جن میں انیس (19) مقامات پر اِسی لفظ کے ساتھ خطاب ہے اور دو مقامات پر ”یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ“ کے اَلفاظ ہیں۔ ”سورۃُ النمل، آیت 16“ میں بھی ”یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ“ کے اَلفاظ ہیں، لیکن وہاں خاص حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کا اپنی قوم سے خطاب ہے، جسے قرآنِ مجید میں ذِکر فرمایا گیا ہے، لہٰذا اُس آیت کو کتاب کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ آیات کی تفسیر اور دِیگر متعلقہ موضوعات کو عام فہم، سادہ، سلیس اور آسان زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ فہمِ قرآن میں پیچیدہ اَلفاظ اور مشکل اِصطلاحات رکاوٹ نہ بنیں۔

اِس کتاب کے اُسلوب کے متعلق مزید اُمور یہ ہیں:

- آیاتِ ”یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ“ کو قرآنی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے مطابق نقل کیا گیا ہے۔ مرکزی آیت سے پہلے ایسی ہیڈنگ لگائی گئی ہے، جس سے آئندہ آنے والی آیت کے مرکزی مضمون کی نشاندہی ہو جائے۔
- آیت، ترجمہ کنزالعرفان اور پھر ہر آیت کے فوراً بعد اُس مکمل آیت کی مختصر، جامع اور مطالبِ آیت کو واضح کرنے والی چند سطور پر مشتمل ”اجمالی تفسیر“ بیان کی گئی ہے۔
- اجمالی تفسیر کے بعد بنیادی آیتِ مبارکہ کے مختلف اَجزاء پر تفصیلی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
- آیاتِ مبارکہ، اَحادیثِ طیبہ، تفسیری رِوایات، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ عُلَما کی مکمل مراجعت کے بعد تخریج کی گئی ہے۔
- دورِ جدید میں اُٹھنے والے نِت نئے فتنوں اور عقائدِ اسلامیہ میں خرابیاں پیدا کرنے والوں کا خصوصی رَد کیا گیا ہے۔
- وجودِ الٰہی کے منکرین یعنی ملحدین (Atheist) کا آیتِ مبارکہ کے مضامین کی روشنی میں منطقی، عقلی اور سائنسی بنیادوں پر رَد کیا گیا ہے۔
- مسلمانوں میں پائی جانے والی عام سماجی، مُعاشرتی، تجارتی، اَخلاقی، ذاتی اور خاندانی کوتاہیوں کی اِصلاح کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

www.dawateislami.net

- ”تزکیۂ قلب“ اور ”اِصلاحِ نفس“ کے لیے اہلُ اللہ اور صوفیائے کرام کی عبارات موقع کی مناسبت سے شامل کی گئی ہیں۔
- تفصیلی تفسیر کے بعد ”خلاصہ کلام“ کی ہیڈنگ کے ساتھ جامع نکات کی صورت میں بیان کردہ مکمل تفسیر کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔
- آیت پر تفسیری کلام مکمل کرنے کے بعد اُسی آیت کی مناسبت سے ”محاسبہ“ کی ہیڈنگ کے ساتھ مختلف سوالات قائم کیے گئے ہیں، جو اِصلاحِ نفس اور محاسبۂ ذات (Self-Accountability) کے لیے مفید اور مؤثر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ قرآنِ مجید کی اِس خدمت کو اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے صدقے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اِس کتاب کو جملہ قارئین کے لیے عقائد و اَعمال کی اِصلاح، اِیمان کی مضبوطی، قرآن کے فہم، علم کی دولت اور قربِ خداوندی کا ذَریعہ بنائے اور میری، میرے والدین، بہن بھائیوں اور جملہ اہلِ خانہ کی بے حساب بخشش کا ذَریعہ بنائے، آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم۔

مفتی محمد قاسم عطاری

www.dawateislami.net

آیت نمبر:1 اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم اور اُس کے مستحقِ عبادت ہونے پر دَلائل

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

(پ1، البقرۃ:21-22)

ترجَمۂ کنزالعرفان: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہ امید کرتے ہوئے (عبادت کرو) کہ تمہیں پرہیزگاری مل جائے، جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے کئی پھل پیدا کئے تو تم جان بوجھ کر اللہ کے شریک نہ بناؤ۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! (اِس خطاب میں مومن، کافر اور منافق سب حَسبِ دَرجہ شامل ہیں۔) تم سب اپنے پالنے والے کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے اِنسانِ اوّل سے لے کر اب تک کے تمام اِنسانوں کو پیدا کیا۔ اُس خدا کی عبادت اِس اُمید پر کرو کہ عبادت کی تاثیر سے تم خدا سے ڈرنے، حق و باطل میں فرق کرنے اور راہِ شریعت پر چلنے والے بن جاؤ۔ جس پاک پروردگار کی عبادت کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے، وہ ایسی ہستی ہے جس نے نعمتیں بخشتے ہوئے تمہارے لیے زمین کو عمدہ فرش اور آسمان کو خوبصورت چھت بنایا اور بادلوں سے تم پر پانی برسایا، پھر اِس بارش سے تمہارے لیے بطورِ رِزق پھل پیدا کیے، لہٰذا اِن تخلیقی و آفاقی آثارِ قدرت دیکھنے کے بعد جانتے بوجھتے کسی کو بھی خدا کا شریک اور مقابل نہ بناؤ کیونکہ یہ واضح ہے کہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہی سچا معبود ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔

”عبادت“ کی اَہمیت و تاکید:

اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر حق ہے کہ وہ اُسی کو معبود مانیں اور اسی کی عبادت کریں، چنانچہ فرمایا:

www.dawateislami.net

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (پ1، البقرۃ:21) ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ (پ15، الاسراء:23) ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اور اسی حقِ عبادت کی اَدائیگی کی طرف بلانا، تمام اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصلوٰۃ والسّلام کی دعوت کا اول اور مرکزی نکتہ تھا، چنانچہ "سورۃُ النحل" میں ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (پ14، النحل:36) ترجمہ: اور بیشک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ (اے لوگو!) اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

عبادت کا اجمالی معنٰی:

عبادت کے لغوی معنٰی کے متعلق "تفسیر بیضاوی" میں ہے: عبادت، حد دَرجہ تعظیم و اِنکسار کا نام ہے۔ (یعنی تعظیم کا وہ مقام کہ جس کے آگے کوئی دَرجہ تعظیم نہ ہو۔)[1] اور امام راغب اصفہانی رحمۃُ اللہِ علیہ (وِصال: 502ھ / 1108ء) نے لکھا: اِنتہائے تَذَلُّل کا نام عبادت ہے۔[2]

عبادت کا تفصیلی شرعی معنٰی:

شرعی اِصطلاح میں "عبادت" اُس تعظیم کا نام ہے، جو بندہ اپنی عبدیت یعنی بندہ ہونے اور معبود کی اُلوہیت یعنی معبود ہونے کے اِعتقاد کے ساتھ بجا لائے۔ اِس اِعتقاد کے ساتھ تعظیم کا بڑا چھوٹا ہر دَرجہ عبادت میں داخل ہو جائے گا، خواہ سجدہ ہو یا قیام و قعود۔

عبادت اور تعظیم میں فرق:

عبادت کا مفہوم بہت واضح ہے، سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کسی کو عبادت کے لائق سمجھتے ہوئے اُس کی کسی قسم کی تعظیم کرنا "عبادت" کہلاتا ہے اور اگر عبادت کے لائق نہ سمجھیں تو وہ محض "تعظیم" ہو گی، عبادت نہیں کہلائے گی، جیسے نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا عبادت ہے، لیکن یہی نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ماں باپ، اُستاد یا پیر و مرشد

1 ..... بیضاوی، پ1، الفاتحہ، تحت الآیۃ:5، 1/66۔

2 ..... مفردات الفاظ القرآن، ص542۔

www.dawateislami.net

کے لیے ہو تو محض تعظیم ہے، عبادت نہیں۔

تنبیہ:

عبادت اور تعظیم کی حقیقت سمجھنے میں بعض لوگ سخت ٹھوکر کھاتے ہیں، یعنی جو کام فقط تعظیم کے لیے بجالایا گیا اور کرنے والے کی نیت بھی صرف تعظیم ہے اور نیتِ عبادت یا عبادت کے معنٰی سے اُس فعل کا دُور کا بھی تعلق نہیں، اُسے "عبادتِ غیرِ خداوندی" قرار دے کر معاذاللہ "شرک" کہنا لاعلمی اور اہلِ اسلام پر بدگمانی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کا تصور ہی غلط مُراد لے لیا جائے تو پھر اس سے اَخذ کردہ نتائج بھی دُرُست ثابت نہیں ہوسکتے۔ صحیح فہمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کی تعبیر و تشریح اور اس کا صحیح اِطلاق سلف صالحین اور بزرگانِ دین کے فہم کی روشنی میں سمجھا جائے، ورنہ خارجیوں والا حال ہو گا کہ غلط تصور کی بنیاد پر غلط نتیجہ نکال کر کفر و شرک کے فتوے جاری ہو جائیں گے، جو نہایت خطرناک ہے۔

عبادت و تعظیم میں فرق کی مثالیں:

کسی کو معبود یعنی مستقل اور واجب بالذات مان کر اس کے لیے عاجزی و اِنکساری کا اِظہار کرنا، اس کا اَدب کرنا اور اس کے سامنے آداب بجالانا "عبادت" کہلاتا ہے۔ اگر کسی کے سامنے عاجزی و اِنکساری کا اِظہار تو کیا جائے، لیکن مستقل اور واجب بالذات سمجھ کر نہیں، بلکہ مخلوق اور غیر مستقل سمجھ کر ہو تو یہ اَدب اور عاجزی کا اِظہار "تعظیم" تو کہلائے گا، مگر "عبادت" ہر گز نہیں۔

پہلی مثال: ہم نماز میں اللہ تعالٰی کو معبود، مستقل اور واجب بالذات مان کر حالتِ قیام میں بطورِ تعظیم ہاتھ باندھتے ہیں، یہ "عبادت" ہے، لیکن اپنے والد، اُستاد اور پیر و مُرشِد کے سامنے ہاتھ باندھنے میں انہیں خدا ماننے کی سوچ نہیں ہوتی، لہٰذا یہی ہاتھ باندھنا اِن کے سامنے "تعظیم" کہلائے گا، عبادت نہیں۔

دوسری مثال: رکوع کے بعد قومہ میں ہاتھ کھلے چھوڑ کر معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں اور یہاں ہماری نیت عبادت کی ہوتی ہے، لہٰذا ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا "عبادت" ہوا، لیکن قومی ترانہ سنتے ہوئے بھی ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اور یہاں بھی قیام اور ہاتھ چھوڑنے سے ترانے کا اِحترام ہی مقصود ہوتا ہے، لیکن اِسے قطعاً عبادت نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ خالص اَدب اور اِحترام ہی ہے۔

www.dawateislami.net

تیسری مثال: فرشتے اللہ تعالیٰ کو معبودِ حقیقی اور واجب بالذات مان کر سجدہ کرتے ہیں اور اُن کا سجدہ عبادت ہے، لیکن اِنہی فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السّلام کو بھی سجدہ کیا تھا، مگر معبود سمجھ کر نہیں، بلکہ خدا کی مخلوق اور اُس کا محبوب سمجھ کر، اِس لیے یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السّلام کی عبادت نہیں، بلکہ تعظیم کہلاتا ہے۔ ہماری شریعت میں اگرچہ یہ سجدۂ تعظیمی بھی منع قرار دے دیا گیا ہے۔

اِس کلام سے معلوم ہوا کہ عبادت کا معنیٰ محض عاجزی و اِنکساری، اَدب یا عاجزی کی اِنتہا نہیں ہے، بلکہ وہ عاجزی اور ادب "عبادت" ہے جو کسی کو عبادت کا مستحق سمجھ کر کیا جائے۔

کفار و منافقین کے حق میں عبادت کا معنیٰ:

قرآنِ حکیم میں بہت سارے مقامات پر مطلقاً تمام اِنسانوں کو عبادتِ الٰہی کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہلِ ایمان اور کفار و منافقین کے حق میں اُس حکمِ الٰہی کا معنیٰ مختلف ہے، چنانچہ اہلِ ایمان کے حق میں حکمِ عبادت سے مُراد شرعی طریقے کے مطابق اَحکامِ اِلٰہیہ پر عمل کرنا ہے، جبکہ کفار اور منافقین کے حق میں عبادت سے مُراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو معبود مانیں، اس کی وحدانیت کا اِقرار کریں، کسی دوسرے کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ چنانچہ اسی تفسیر کے متعلق ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ کے تحت "حاشیۃ العلوی علیٰ تفسیر البیضاوی" میں فرمایا گیا: اَمَّا لِلْمُؤْمِنِیْنَ فَلِاَدَائِهِمُ الْعِبَادَةَ الْمَامُوْرَ بِهَا، وَاَمَّا لِلْكَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ فَلْیَتَفَكَّرُوْا وَیَرْغَبُوْا فِیْهَا ترجمہ: اہلِ ایمان کے حق میں یہ خطاب اِس معنیٰ میں ہے کہ وہ اُن عبادات کو بجالائیں جن کا اُنہیں حکم دیا گیا ہے اور کفار و منافقین کے حق میں اِس حکم کی مُراد یہ ہے کہ وہ اِن آیات میں غور و فکر کریں اور اِن میں رَغبت رکھتے ہوئے اِنہیں سمجھیں اور ایمان لائیں۔[1]

مفہومِ عبادت کی مختلف تعبیرات:

کتبِ تفسیر و لغت میں مفہومِ عبادت کو مختلف اَنداز میں بیان کیا گیا ہے اور وہ سب معانی اپنی اپنی جہت سے دُرست ہیں، مثلاً: (1) خضوع و عاجزی کے آخری دَرجہ کو اللہ کے لیے اِختیار کرنا (2) رَب کی تعظیم کے لیے اپنے نفس کے خلاف کام کرنا (3) ایسا فعل کرنا جس سے صرف اللہ کی تعظیم ہوتی ہو (4) ہر اُس اَمر کو بجالانا، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

---

1 ..... حاشیہ علوی، 1/120۔

www.dawateislami.net

زندگی کا مقصد عبادت ہے:

قرآنِ مجید میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّوں اور اِنسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا، چنانچہ فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (پ27، الذاریات:56)

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں۔

دوسری جگہ اِرشاد فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ (پ15، الکھف:7)

ترجمہ: بیشک ہم نے زمین پر موجود چیزوں کو زمین کیلئے زینت بنایا تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔

اور تیسری جگہ یوں فرمایا:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (پ29، الملک:2)

ترجمہ: وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔

اِن آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ اِنسان کی زندگی کا اصلی مقصد عبادت ہے اور دوسری یہ کہ اِنسان کی زندگی کا مقصد اچھا عمل ہے۔ گویا نفسِ عبادت اور اَحسن عمل (اچھا عمل) دونوں ہی تخلیقِ اِنسانی کا مقصد ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں، کیونکہ ہر عبادت اچھا عمل ہے اور ہر اچھا عمل، عبادت ہے۔

ہر کام عبادت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زندگی کا مقصد عبادت اور اچھے عمل ہی ہیں تو اِنسان کو زندگی میں ہزاروں قسم کے اَعمال کرنے ہوتے ہیں، مثلاً کھانا، پینا، سونا، مُعاشرے میں رہنا اور نکاح کرنا وغیرہ تو یہ سب چیزیں چھوڑ کر ہر وقت عبادت کیسے کی جاسکتی ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ایک مسلمان کا ہر کام عبادت میں داخل ہو سکتا ہے، جبکہ وہ اپنا ہر عمل شریعت کے مطابق کرے اور اس میں اچھی نیت رکھے۔ تفصیل یہ ہے کہ بندہ مومن کا ہر عمل عبادت بن سکتا ہے جبکہ یا تو وہ عمل ہی حکمِ شریعت ہو، جیسے نماز، روزہ یا زندگی کا عام سا کام ہو، لیکن اچھی نیت سے اور شریعت کے مطابق کیا جائے۔ جب زندگی کے عام جائز کاموں کو بھی اچھی نیت سے کر کے عبادت میں داخل کر لیں گے تو بآسانی اِس آیت پر عمل ہو جائے گا کہ اِنسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے آگے مذکور خوبصورت آیت پر بھی عمل ہو جائے گا جس

www.dawateislami.net

میں بندوں کو بتایا گیا کہ وہ اپنا جینا مرنا سب کچھ خدا کے لیے ہی کریں، فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ (پ8، الانعام:162)

ترجمہ: تم فرماؤ، بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

جینے اور مرنے کے مفہوم میں بہت وُسعت ہے اور حقیقت میں اِس سے مُراد یہ ہے کہ اِنسان اپنی پوری زندگی اور اُس میں ہونے والے جملہ اُمور و مُعاملات کو خدا کی رضا اور اَحکام کے تابع کر کے اپنے ہر عمل کو دائرۂ عبادت میں داخل کرے، یعنی جب وہ اَحکامِ شریعت کی اِتباع کرے اور عام اُمورِ حیات مثلاً کھانے، پینے اور سونے میں بھی عبادت پر قوت کی نیت شامل کرے، تو اُس کا ہر نوالہ، ہر گھونٹ اور نیند کا ہر لمحہ بھی عبادت شمار ہو گا۔

مفہومِ عبادت کی وُسعت پر دَلائل:

عبادت محض ان افعال کو نہیں کہا جاتا جن میں نماز و ذِکر کا مفہوم پایا جائے، بلکہ زندگی کا ہر عمل عبادت میں داخل ہو سکتا ہے، اِس پر قرآن و حدیث میں بے شمار دَلائل ہیں، چند ایک ملاحظہ کریں۔

گھریلو مُعاملات و تعلقات بھی عبادت میں داخل:

حضرت ابو ذَر غِفاری رضی اللہ عنہ سے رِوایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے کچھ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! زیادہ مال رکھنے والے اَجر و ثواب لے گئے، وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے ضرورت سے زائد مالوں سے صَدقہ کرتے ہیں، (جو ہم نہیں کر سکتے۔) آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ نے تمہارے لیے ایسی چیزیں نہیں بنائیں کہ تم ان کا صَدقہ کرو؟ بے شک ہر "سبحان اللہ" کہنا صَدقہ ہے، ہر "اللہ اکبر" کہنا صَدقہ ہے، ہر "الحمد للہ" کہنا صَدقہ ہے اور ہر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ" کہنا صَدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صَدقہ ہے، بُرائی سے منع کرنا صَدقہ ہے، اور تم میں سے کسی کا اپنی بیوی سے صحبت کرنا صَدقہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رَسُول! ہم میں سے ایک شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے، کیا اس میں بھی اسے اَجر ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: بھلا بتلاؤ! اگر وہ اسے حرام جگہ سے پوری کرے تو اسے گناہ ہو گا؟ اسی طرح جب وہ اسے حلال طریقے سے پوری کرے گا تو اسے اَجر ملے گا۔[1]

1 ..... مسلم، ص390، حدیث:2329۔

www.dawateislami.net

بیوی بچوں کو کھلانا پلانا بلکہ خود کھانا بھی عبادت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: تم جو کچھ بھی اللہ عزوجل کی رضا چاہتے ہوئے خرچ کرو گے، تمہیں اس کا ثواب دیا جائے گا، یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے، اس کا بھی ثواب دیا جائے گا۔[1]

اِسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: جو تم نے خود کو کھلایا، وہ تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو اپنے بچے کو کھلایا، وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو اپنی بیوی کو کھلایا، وہ تمہارے حق میں صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلایا، وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔[2]

سونا بھی عبادت:

"صحیح البخاری" میں ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہُ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہُ عنہ سے پوچھا: آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں تو تھوڑا تھوڑا پڑھتا رہتا ہوں، پھر انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہُ عنہ سے پوچھا کہ آپ قرآنِ مجید کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہُ عنہ نے جواب دیا کہ میں رات کے شروع میں سوتا ہوں پھر اپنی نیند کا ایک حصہ پورا کر کے اُٹھ جاتا ہوں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مقدر کر رکھا ہے، اس میں قرآنِ مجید پڑھتا ہوں۔ اس طرح بیداری میں جس ثواب کی اُمید اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہوں، سونے کی حالت کے ثواب کا بھی اس سے اسی طرح اُمیدوار رہتا ہوں۔ (کہ یہ سونا عبادت کے اِنتظار اور عبادت پر قوت حاصل کرنے کے لیے ہے۔)[3]

حاصلِ کلام:

اِس تمام کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ رضائے اِلٰہی کے لیے کیا جانے والا ہر قول، عمل اور حالت خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، عبادت کے معنیٰ میں داخل ہے اور اُس کے پیچھے اِطاعتِ خداوندی کا جذبہ اور حصولِ ثواب کی نیت اُس قول، عمل یا حالت کو بندے کے حق میں باعثِ ثواب بناتی ہے، لہٰذا اگر ہم چاہیں تو زندگی کا ہر لمحہ عبادت بنا سکتے ہیں، لیکن افسوس کہ لوگوں

1 ..... بخاری، 1/438، حدیث: 1295۔
2 ..... الادب المفرد، ص31، حدیث: 82۔
3 ..... بخاری، 3/120، حدیث: 4341-4342۔

www.dawateislami.net

نے نیت جیسا معمولی سی توجہ والا کام چھوڑ کر اپنی ساری زندگی عبادت سے خالی کر رکھی ہے۔ ہم روز طرح طرح کے کھانے کھاتے اور مشروبات پیتے ہیں، مگر ایسی نیت و عمل کم کرتے ہیں جس سے ہمارا کھانا پینا عبادت میں بدل جائے، حالانکہ یہ ممکن اور اِنتہائی آسان ہے۔ اگر ہم اُسی حلال کھانے سے قبل صرف اِتنی نیت کر لیں کہ یہ کھانا اِس لیے کھاتا ہوں کہ اللہ کی عبادت و اِطاعت اور دِین کی خدمت کے لیے میرے جسم کو قوت ملے، تو اتنی نیت کرنے میں ہمارا کچھ بھی خرچ نہیں ہو گا، مگر جو کچھ کھائیں پئیں گے، اس کا ایک ایک لقمہ اور گھونٹ عبادت بن جائے گا۔ صرف اِتنی نیت نے ہمارے کھانے کو عبادت بنا دیا۔ اِسی طرح جب سنّت کے مطابق کھائیں گے تو بھی ثواب ملے گا۔

اِسی طرح ایسی نیت ہماری نیند کو بھی عبادت بنا دیتی ہے، چنانچہ نیکیوں کے حریص جب سوتے ہیں تو اِس نیت سے سوتے ہیں کہ جسم کو آرام ملے تاکہ صبح تازہ دَم ہو کر پھر خدا اور اُس کے رَسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اَحکام پر عمل کر سکیں، دِین کی خدمت کریں اور قوت و ہمت سے عبادتِ اِلٰہی بجا لا سکیں۔ اِس نیت سے سونے سے لے کر بیدار ہونے تک عمل عبادت بن جاتا ہے۔ گویا نیت کی برکت ایسی ہے کہ سونے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کو بھی عبادت بنا دیتی ہے۔ یہی حال زندگی کے دِیگر کاموں کا ہے، لہٰذا معمولی سی کوشش اور ذرا سی توجہ سے اپنی عادات کو عبادات میں بدلنے کا سلیقہ اور ہنر سیکھنا چاہیے، تاکہ ہماری زندگی کا کوئی لمحہ بھی نیکیوں اور عبادت سے خالی نہ ہو۔

عبادتِ الٰہی اور اِنسانی زندگی کی کیفیات:

اِنسان کی زندگی اَقوال و اَفعال اور مختلف اَحوال و کیفیات سے مُرکب ہوتی ہے اور اِن مختلف صورتوں میں عبادتِ الٰہی کے مختلف اَنداز ہیں، مثلاً اَفعال و اَقوال کے اِعتبار سے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوتِ قرآن، ذِکرِ الٰہی، دُعا، مُناجات اور دُرُود و سلام اعلیٰ دَرجے کی عبادات ہیں اور اِن اُمور کی اَدائیگی سے اِنسان کی زندگی کا بڑا حصہ عبادت میں گزرتا ہے اور یہ جملہ اُمور زندگی کا بہترین اَثاثہ بنتے ہیں۔ اِسی کے ساتھ اِنسان کی کچھ قلبی کیفیات و اَحوال ہیں، جو بلند دَرجہ عبادت ہیں، جیسے اللہ عزوجل اور اس کے رَسُول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبت، رَحمتِ خداوندی کی اُمید، عذابِ اِلٰہی کا خوف، خشیت، اِنابت، اِخلاص، صبر و شکر، توکل اور تسلیم و رضا وغیرہا۔ اِسی طرح زندگی کے دِیگر دِینی، مالی اور مُعاشرتی مُعاملات کے اِعتبار سے اِطاعتِ والدین، اَمر بالمعروف، نَہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، سچ بولنا، وعدے کی پابندی، امانت داری، پڑوسیوں، مسکینوں اور ماتحتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ "عبادت" میں داخل ہے۔

www.dawateislami.net

یونہی خالص اُمورِ دُنیا مثلاً کھانا، پینا اور دِیگر اُمورِ زندگی میں حکمِ شریعت پر عمل کرنا، سُنَّت کے مُطابق کرنا اور رضائے اِلٰہی کے کاموں میں قوت و مدد پانے کی نیت کرنا بھی عبادت اور حصولِ ثواب کا ذَریعہ ہے۔

صحابہ کرام اور سلف صالحین کی سیرت میں ذوقِ عبادت کی روشن مثالیں:

صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم شب بیداری کے شائِق، کثرتِ عبادت کے عادی، تلاوتِ قرآن کا ذوق رکھنے والے اور خوفِ الٰہی سے ہر دَم لرزاں رہنے والے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی صفاتِ عالیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (پ26، الفتح:29)

ترجمہ: تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے۔

دوسری جگہ اِرشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (پ15، الکھف:28)

ترجمہ: اور اپنی جان کو ان لوگوں کے ساتھ مانوس رکھ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔

آسمانِ ہدایت کے اِن ستاروں میں سے افضل البشر بعد الانبیاء، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ کی شب بیداری، کثرتِ عبادت، ذوقِ تلاوت اور خوفِ الٰہی سے لَرْزَہ بَرْ اَندام رہنے کی یہ حالت تھی کہ آپ دِن میں اکثر روزہ رکھتے اور پوری رات نفل پڑھنے میں گزارتے، چنانچہ نمازوں میں خشوع و خضوع کی کیفیت یوں تھی کہ بحالتِ نماز بے حس و حرکت لکڑی کی طرح نظر آتے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی۔

اِسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ اپنا اکثر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے، خوفِ خدا کی وجہ سے کثرت سے اَشک بار ہوتے، قبر کی وَحشت و ظلمت اور میدانِ محشر کی ہولناکیاں یاد کر کے لَرْزَہ بَرْ اَندام رہتے اور پوری شب عبادت میں مشغول رہتے۔ عام طور پر اُن ہی آیات کی تلاوت فرماتے جن میں خوفِ خدا، خشیتِ الٰہی، عظمت و جلالِ خداوندی اور قیامت کا ذِکر ہوتا۔ ان آیات کی تلاوت سے آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور اِس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ آپ اپنے گورنروں اور عُمّال کو خصوصی ہدایت لکھ کر بھیجتے کہ تمہارے سب کاموں سے اَہم میرے نزدیک نماز ہے، جس نے نماز دُرُست طریقے سے اور پابندیِ وقت کے ساتھ پڑھی اس نے اپنا دِین محفوظ رکھا اور جس نے اسے

www.dawateislami.net

ضائع کیا وہ دِیگر (عبادات) کو بدرجہ اَولیٰ ضائع کرے گا۔ جو عشا سے پہلے سو جائے خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں۔[1]

حضرت سیدنا عبد العزیز بن ابو روّاد رحمۃُ اللہِ علیہ رات کی تاریکی چھا جانے کے بعد اپنے بستر کے قریب تشریف لاتے، اس پر اپنا ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: بے شک تو بہت نرم اور عمدہ ہے، لیکن اللہ عزوجل کی قسم! جنت میں تجھ سے بھی زیادہ نرم و ملائم بچھونے ہیں۔ (یہ فرمانے کے بعد) پھر ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔[2]

قرآن اور ذوقِ عبادت:

اہلُ اللہ، اَصحابِ باطن اور خاص بندگانِ خدا کے شوقِ عبادت اور شب بیداریوں کی حالت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ (پ21، السجدۃ:16)

ترجمہ: ان کی کروٹیں ان کی خوابگاہوں سے جدا رہتی ہیں اور وہ ڈرتے اور امید کرتے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خیرات کرتے ہیں۔

اِسی طرح اُن کے شوقِ سحر گاہی اور اشکِ نیم شبی کو یوں بیان فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ (پ26، الذاریات:17-18)

ترجمہ: وہ رات میں کم سویا کرتے تھے اور رات کے آخری پہروں میں بخشش مانگتے تھے۔

اِن محبوبانِ خدا کی شان یہ ہے کہ یہ سب میں ہو کر بھی رب کے رہتے ہیں، اِن کی جلوت اِن کے سوزِ خلوت کو متاثر نہیں کرتی، لہٰذا یہ بظاہر اُمورِ دُنیا میں مشغول ہونے کے باوجود بھی خدا کے ذِکر سے غافل نہیں ہوتے، قرآن میں فرمایا:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۪ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ (پ18، النور:37)

ترجمہ: وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گے۔

خدا کے اِن نیک بندوں کے دِل ہر دَم یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اوقاتِ زندگی کا کوئی لمحہ خدا کی یاد سے غافل ہو کر نہیں گزرتا، چنانچہ فرمایا گیا:

---

1 ..... مؤطا امام مالک، 1/35، حدیث 6 ملتقطاً۔

2 ..... المتجر الرابح، ص185۔

www.dawateislami.net

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ (پ4، آلِ عمران:191)

ترجمہ: جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہُ عنہ کی خشوع و خضوع والی نماز:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ کا ذوقِ عبادت بیان کرتے ہوئے حضرت سیدنا مجاہد رحمۃُ اللہِ علیہ رِوایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ جب نماز میں قیام فرماتے، تو خشوع و خضوع کی وجہ سے ایک سیدھی لکڑی کی مانند ہوتے۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کی نماز و تلاوت کا ایمان افروز ذوق:

حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کے شوقِ عبادت کے متعلق حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن شداد رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے، فرمایا: ایک بار ہمیں امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہُ عنہ نے نمازِ فجر پڑھائی اور قراءت میں سورۂ یوسف کی تلاوت شروع کی، قراءت فرماتے رہے یہاں تک کہ جب اِس آیتِ مبارکہ پر پہنچے: ﴿وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ﴾ (پ13، یوسف:84) ترجمہ: ”اور یعقوب کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں تو وہ (اپنا) غم برداشت کرتے رہے۔“ تو زار و قطار رونے لگے، جب آپ کا رونا منقطع ہوا تو رکوع کیا۔[2]

سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہُ عنہ کی عبادت کے لیے شب بیداری:

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہُ عنہ کی پاکیزہ سیرت کا ایک روشن پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ساری رات رَبِّ کائنات کی بارگاہ میں سجدہ و قیام کی حالت میں گزار دیا کرتے، قبر و آخرت کی فکر میں ڈوبے رہتے اور اپنے رَبِّ کریم سے رَحمت کی آس لگائے رکھتے تھے، چنانچہ آپ کے شوقِ عبادت کے متعلق حضرت سیِّدُنا زبیر بن عبد اللہ رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہُ عنہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور اِبتدائی رات میں کچھ آرام کر کے پھر ساری رات عبادت میں بسر کرتے۔[3]

---

1 ..... سنن الکبریٰ للبیہقی، 2/398، حدیث:3522۔

2 ..... تہذیب الآثار للطبری، 1/353، حدیث:602۔

3 ..... مصنف ابنِ ابی شیبہ، 4/439، حدیث:6673۔

www.dawateislami.net

سیدنا مولا علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجہَہُ الکریم کی کیفیاتِ عبادت:

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کئی مرتبہ دیکھا گیا کہ جب رات کا اندھیرا چھا رہا ہوتا، ستارے ٹمٹما رہے ہوتے، تو آپ اپنے محراب میں لرزاں و ترساں اپنی داڑھی مبارک تھامے ہوئے ایسے بے چین بیٹھے ہوتے کہ گویا زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ آپ غم کے ماروں کی طرح روتے اور بے اِختیار ہو کر "اے میرے رَب! اے میرے رَب!" پکارتے، پھر دُنیا سے مخاطب ہو کر فرماتے: تُو مجھے دھوکے میں ڈالنے کے لیے آئی ہے؟ میرے لیے بن سنور کر آئی ہے؟ دُور ہو جا! کسی اور کو دھوکا دینا، میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں، تیری عمر کم ہے اور تیری محفل حقیر، جبکہ تیری مصیبتیں جھیلنا آسان ہیں۔ آہ صد آہ! زادِ راہ کی کمی ہے اور سفر طویل ہے جبکہ راستہ وحشت سے بھرپور ہے۔[1]

دکان پر 400 رَکعت نفل کی اَدائیگی:

حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃُ اللہِ علیہ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃُ اللہِ علیہ ہر روز اپنی دکان میں داخل ہوتے اور پردہ لٹکا کر 400 نوافل ادا کرتے اور پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔[2]

30 سال کی عبادت:

حضرت جنید بغدادی رحمۃُ اللہِ علیہ ہی کی بارگاہ میں عرض کی گئی: حضور! آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ آپ رحمۃُ اللہِ علیہ نے اپنے گھر میں ایک سیڑھی کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: اس سیڑھی کے نیچے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں 30 سال تک بیٹھ کر یہ علم حاصل کیا۔ (یعنی اس جگہ 30 سال عبادت کی جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر علوم و اسرار منکشف فرمائے)۔[3]

عبادت و ریاضت کی منفرد مثال:

حضرت سیِّدُنا حبیب نجّار رحمۃُ اللہِ علیہ رات بھر عبادت کرتے اور دن بھر روزہ رکھتے اور اِفطار کے لیے جو کھانا حاضر کیا جاتا، وہ بھی دوسروں میں تقسیم فرما دیتے اور خود ساری رات بھوکے ہی قیام میں گزار دیتے۔ جب صبح قریب ہونے لگتی تو

1 ..... حلیۃ الاولیاء، 1/126، رقم: 261۔
2 ..... رسالہ قشیریہ، ص 51۔
3 ..... رسالہ قشیریہ، ص 51۔

www.dawateislami.net

عاجزی و اِنکساری کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں عرض (دُعا) کرتے: میں غفلت کے سمندروں میں ڈُوبا رہا اور گناہ کے میدانوں میں چلتا رہا۔ یاالٰہی! یہ تیرا ذَلیل، گنہگار اور بیمار بندہ تیرے بابِ کرم پر حاضر ہے اور تجھ سے پناہ کا طلب گار ہے۔[1]

روشن راتیں:

مشہور وَلیّہ حضرت حَفصہ بنتِ سیرین رحمۃُ اللہِ علیہا جو خوابوں کی تعبیر کا علم رکھنے والے عظیم امام، حضرت محمد بن سیرین رحمۃُ اللہِ علیہ کی بہن ہیں، یہ شہرِ بصرہ کی بہت عبادت گزار خاتون تھیں، آپ ساری رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دیتیں اور نماز میں آدھا قرآنِ پاک تلاوت فرماتیں۔ بسا اوقات اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر اتنی دیر نماز میں کھڑی رہتیں کہ آپ کا چراغ بجھ جاتا، لیکن آپ کے لیے صُبح تک (چراغ کی روشنی کے بغیر) گھر روشن رہتا۔[2]

دوسری آیت کا پہلا حصہ: ﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً﴾ ترجمہ: جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔

اِستحقاقِ عبادت:

پچھلی آیت کے اَلفاظ میں اِنسانوں کی تخلیق کا ذِکر تھا اور اِس آیت میں ان چیزوں کا ذِکر ہے جو اِنسانوں کی حیات و بقا کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور اِنسانوں کی ان اَسبابِ حیات تک رَسائی آسان بنائی۔ اِس سارے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ وہ خالقِ کائنات ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تنہا معبود ماننا، بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اِس حقِ خداوندی کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (پ26، محمد:19) ترجمہ: ”تو جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ اِسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بہت واضح اَلفاظ میں حضرت معاذ رضی اللہُ عنہ کو سمجھایا، چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے پوچھا: اے معاذ! کیا تم خدا کے بندوں پر حق اور بندوں کے خدا پر حق کو جانتے ہو؟ میں (معاذ) نے عرض کی: اللہ اور اُس کا رَسُول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔[3]

---

1 ..... الروض الفائق، ص246۔

2 ..... تفسیر روح البیان، پ19، الفرقان، تحت الآیۃ:64، 6/242۔

3 ..... بخاری، 2/269، حدیث:2856۔

www.dawateislami.net

دوسری آیت کا دوسرا حصہ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ تو تم اللہ کا شریک نہ بناؤ۔

معبودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، چنانچہ اپنے کمالِ قدرت و علم اور مخلوق سے بے نیازی کے باعث صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سِوا کوئی اور مستحقِ عبادت نہیں، اِسی کو بیان کرنے کے لئے اَنبیاءِ کرام علیہمُ السّلام کی بِعثت ہوئی اور کتابوں اور صحیفوں کو نازل کیا گیا۔ آیت کا بڑا عام فہم سا مفہوم یہ ہے کہ اے لوگو! مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر، اس کے مشابہ اور اس کی مِثل مت قرار دو کہ تم مخلوق میں کسی کی عبادت کرو جیسے اللہ کی عبادت کرتے ہو، حالانکہ جھوٹے معبود تمہاری طرح مخلوق ہیں، عدم سے وجود میں آتے اور فنا ہوتے ہیں، نیز وہ آسمانوں اور زمین میں ذَرّہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، وہ نہ تو تمہیں کوئی نفع پہنچاسکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نقصان دے سکتے ہیں۔

دوسری آیت کا تیسرا حصہ: ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ جان بوجھ کر۔

بیشک اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ ہی کوئی مِثل۔ نہ پیدا کرنے میں، نہ رِزق دینے میں، نہ کاموں کی تدبیر فرمانے میں اور نہ ہی عبادت میں۔ تو تم اِن سب چیزوں کو جاننے کے باوجود کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، دوسرے خدا کی عبادت کرتے ہو؟ یہ تو عجیب ترین اور اَحمقانہ کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مستحقِ عبادت ہونے کے چند دَلائل:

اِستحقاقِ عبادت کی پہلی دَلیل:

عبادت کا مستحق وہی ہے جو عدم سے وجود میں لانے والا ہے:

مستحقِ عبادت صرف وہی ذات ہے، جو ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے، وہ مخلوق نہیں، جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿۱۷﴾ (پ14، النحل:17)

ترجمہ: تو کیا جو پیدا کرنے والا ہے وہ اس جیسا ہے جو کچھ بھی نہیں بنا سکتا؟ تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے؟

دوسری جگہ فرمایا گیا:

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْــٴًـا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ﴿۱۹۱﴾ (پ9، الاعراف:191)

ترجمہ: کیا وہ اسے (اللہ کا) شریک بناتے ہیں جو کوئی چیز نہیں بنا سکتا اور خود انہیں بنایا جاتا ہے۔

www.dawateislami.net

اِس آیتِ مبارکہ میں واضح فرمایا گیا کہ کیا مشرکین ایسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، جو کچھ بھی پیدا کرنے کی اَصلاً قدرت نہیں رکھتی، بلکہ وہ خود بھی اپنے بنائے جانے میں کسی کی محتاج ہے، حالانکہ مستحقِ عبادت تو صرف وہ ہے، جو سب کا خالق ہے اور جس نے اس عبادت گزار کو پیدا کیا ہے۔

اِستحقاقِ عبادت کی دوسری دَلیل:

عبادت کا مستحق وہی ہے جو حقیقی مالک و ہر شے کا مختار و کارساز ہے:

وہ ذات جو ہر ایک کے نفع نقصان کی مالِک اور جاننے والی ہے، نیز ہر ایک کی مدد کرنے یا جسے چاہے ہلاکت سے دوچار کرنے پر قادِر ہے، یہ عظیم شانیں اِسی بات کی متقاضی ہیں کہ وہی ہستی عبادت کے لائق ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کے مستحقِ عبادت ہونے کو اِشارۃً یوں بیان کیا گیا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ (پ3، آلِ عمران:26)

ترجمہ: یوں عرض کرو، اے اللہ! مُلک کے مالک! تو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بیشک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اِستحقاقِ عبادت کی تیسری دَلیل:

عبادت کا مستحق وہی ہے جو تمام مخلوق کو رِزق دینے والا ہے:

حقیقی رازِق اور ہر جگہ اپنی مخلوق کو رِزق مہیا کرنے پر قدرت رکھنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ جمیع حیوانات، حشرات اور نباتات کو وہی خدا رِزق عطا فرماتا ہے، لہٰذا بارشوں کا برسانا اور جمیع مخلوقات کو رِزق دینا، اللہ تعالیٰ کے مستحقِ عبادت ہونے کی عظیم نشانی ہے، اللہ تعالیٰ کے رازقِ حقیقی ہونے کے متعلق قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا:

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ (پ28، الجمعۃ:11)

ترجمہ: اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی نماز پر ڈٹے رہو۔ ہم تجھ سے کوئی رِزق نہیں مانگتے (بلکہ) ہم تجھے روزی دیں

www.dawateislami.net

(پ16، طٰہٰ:132) گے اور اچھا انجام پرہیز گاری کے لیے ہے۔

مزید ایک جگہ رِزق کی وُسعتوں اور تنگیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗۚ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ(۳۹) (پ22، سبا:39)

ترجمہ: تم فرماؤ: بیشک میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے رزق وسیع فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ اس کے بدلے میں اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اور فرمایا:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ(۳۱) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ(۳۲) (پ11، یونس:31-32)

ترجمہ: تم فرماؤ: آسمان اور زمین سے تمہیں کون روزی دیتا ہے؟ یا کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے کون نکالتا ہے؟ اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو اب کہیں گے: ”اللہ“۔ تو تم فرماؤ تو تم ڈرتے کیوں نہیں؟ تو یہ اللہ ہے جو تمہارا سچا رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو؟

اِستحقاقِ عبادت کی چوتھی دَلیل:

عبادت کا مستحق وہی ہے جو تمام کائنات کے ذَرّے ذَرّے پر کامل قدرت رکھنے والا ہے:

کسی بھی وقت اور جگہ میں ہر فردِ مخلوق میں تصرفِ مطلق کی قدرت صرف اور صرف معبودِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو ہے، اُس کے اِذن کے سِوا کوئی کسی بھی تصرف پر قادِر نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ(۲۲) (پ22، سبا:22)

ترجمہ: تم فرماؤ: انہیں پکارو جنہیں اللہ کے سوا تم (معبود) سمجھتے ہو، وہ آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

www.dawateislami.net

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱﴾ تاکہ تمہیں پرہیز گاری مل جائے۔

آیت کے اَلفاظ (تاکہ تمہیں پرہیز گاری مل جائے) سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عبادت میں مشغولیت، حصولِ تقویٰ کا موثر ذَریعہ ہے کہ عبادت کی عادت سے دِل متاثر ہوتا ہے، گناہوں اور غفلت کا زنگ اُترتا اور اِیمان کا نور بڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ میں اِضافہ اور بارگاہِ خداوندی سے نظرِ رَحمت ہوتی ہے۔ اِسی لیے مختلف عبادات کی تاثیر میں، گناہوں کا ترک اور نیکیوں کا شوق پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے، مثلاً نماز کے متعلق اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ (پ 21، العنکبوت:45) ترجمہ: ”بیشک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے۔“ لہٰذا جو شخص نماز کا پابند ہے اور اسے اچھی طرح ادا کرتا ہے تو نماز کی برکت سے ایک نہ ایک دِن وہ بُرائیوں کو چھوڑ دیتا ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جوان سرکارِ دوعالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا اور بہت سے گناہوں کا اِرتکاب بھی کرتا تھا، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے اس کی شکایت کی گئی تو آپ نے اِرشاد فرمایا: اس کی نماز کسی دن اسے اِن باتوں سے روک دے گی۔ چنانچہ کچھ ہی عرصے میں اس نے توبہ کرلی اور اس کا حال بہتر ہوگیا۔[1]

نماز چوری سے روک دے گی:

ایک دوسری حدیثِ پاک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: فلاں آدمی رات میں نماز پڑھتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو چوری کرتا ہے۔ اِرشاد فرمایا: عنقریب نماز اسے اس چیز سے روک دے گی، جو تُو کہہ رہا ہے۔[2]

عبادت سے تقویٰ نصیب ہونے پر دوسری واضح دَلیل روزے کے متعلق آیتِ قرآنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ (پ2، البقرۃ:183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

1 ..... تفسیر ابو سعود، پ21، العنکبوت، تحت الآیۃ:45، 4/261۔

2 ..... مسند امام احمد، 3/457، حدیث:9785۔

www.dawateislami.net

فرمایا گیا کہ تم پر روزے اِس لیے فرض کیے گئے ہیں تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ کیونکہ روزے رکھنے سے نفس کا زور ٹوٹ جاتا، کھانے پینے کی خواہش میں کمی آتی اور دِیگر خواہشات بھی قابو میں رہتی ہیں اور نفس کی خواہش کو قابو میں رکھنے کا نام ہی تقویٰ ہے۔

تلاوتِ قرآن سے حصولِ تقویٰ:

تلاوتِ قرآن "عظیم عبادت" ہے اور اِس عبادت سے تقویٰ حاصل ہونے، دِل کے نرم پڑنے اور یادِ خدا کی طرف مائل ہونے پر یہ آیت بہت خوبصورت دَلیل ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِؕ (پ23، الزمر:23)

ترجمہ: "اس (قرآن) سے ان لوگوں کے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کی یاد کی طرف نرم پڑ جاتے ہیں۔"

اِس آیت میں فرمایا گیا کہ قرآنِ پاک کی تاثیر یہ ہے کہ اِس کی تلاوت سے خوفِ خدا رکھنے والے لوگوں کے بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں اور ان کے دِل اللہ کی یاد کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اَولیاء اللہ کی صفت ہے کہ ذِکرِ الٰہی سے اُن کے بال کھڑے ہوتے، جسم لرزتے اور دِل چین پاتے ہیں۔[1] اِسی طرح تلاوتِ قرآن سننے سے دِلوں کے متاثر ہونے اور بارگاہِ قدس میں دَستِ دُعا دَراز کرنے کے متعلق قرآنِ کریم میں ایک جگہ فرمایا:

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ(۸۳)

(پ7، المائدۃ:83)

ترجمہ: اور جب یہ سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ابل پڑتی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے پس تو ہمیں (حق کے) گواہوں کے ساتھ لکھ دے۔

عبادت سے تقویٰ کے حصول پر ایک حدیث:

عبادت سے تقویٰ نصیب ہونے پر اَحادیثِ مبارکہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

1 ..... تفسیر خازن، پ23، الزمر، تحت الآیۃ:23، 4/53-54 ملخصًا۔

www.dawateislami.net

رِوایت ہے کہ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ دِل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جیسا کہ لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! اِس زنگ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: موت کی کثرت سے یاد اور تلاوتِ قرآن۔[1]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: جیسے لوہا نرم ہو کر اَوزار اور سونا نرم ہو کر زیور اور مٹی نرم ہو کر کھیت یا باغ، آٹا نرم ہو کر روٹی وغیرہ بنتے ہیں، ایسے ہی اِنسان دِل کا نرم ہو کر ولی، صوفی، عارف وغیرہ بنتا ہے۔ دِل کی نرمی اللہ کی بڑی نعمت ہے، یہ نرمیِ دل بزرگوں کی صحبت اور اُن کے پاک کلمات سے نصیب ہوتی ہے۔[2] خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اِنسانوں کو عبادت کا حکم دیا اور عبادت کا مقصد و فائدہ یہ بیان فرمایا کہ لوگوں کو تقویٰ کی دولت مل جائے۔

عبادت کا فائدہ عابِد کو ہی ہے:

آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ترجمہ: تاکہ تمہیں پرہیزگاری مل جائے۔ اِس سے واضح ہوا کہ عبادت کا فائدہ عابد ہی کو ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اِس سے پاک ہے کہ اس کو عبادت یا کسی اور چیز سے نفع حاصل ہو۔ اِس مفہوم پر ایک بہت پُر عظمت حدیثِ قدسی ہے: حضرت اَبُوذَر غفاری رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے رِوایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے کے لوگ اور تمہارے آخر کے لوگ اور تمہارے اِنسان اور تمہارے جنّات تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کے دِل جیسے ہو جائیں، تو یہ میری سلطنت میں کچھ اِضافہ نہ کرے گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے کے لوگ اور تمہارے آخر کے لوگ اور تمہارے اِنسان اور تمہارے جنّات، تم میں سب سے زیادہ فاجر شخص کے دِل جیسے ہو جائیں، تو یہ میری سلطنت میں کچھ کمی نہ کرے گا۔[3]

عبادت کے فوائد:

عبادت کے کثیر فوائد ہیں: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ کے والدِ محترم، رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان

1 ..... شعب الایمان، 2/352، حدیث: 2014۔
2 ..... مراٰۃ المناجیح، 7/2۔
3 ..... مسلم، ص1068، حدیث: 6572۔

www.dawateislami.net

رحمۃُ اللہِ علیہ نے عبادت کے دُنیاوی اور اُخروی فوائد کو تفصیلاً بیان کیا۔ ہم یہاں ان میں سے گیارہ دُنیاوی اور گیارہ اُخروی فوائد بیان کرتے ہیں۔

عبادت کے دُنیاوی فوائد:

(1)جو شخص عبادت کرتا ہے، خدا کے ممدوحین (تعریف کیے ہوئے لوگوں) میں داخل ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ عابدوں کی مدح وثنا کرتا ہے۔

(2)خدا اُس کی تعظیم وتوقیر کرتا ہے۔

(3)اُس سے محبت رکھتا ہے۔

(4)اُس کے سب کام دُرُست کرتا ہے۔

(5)اُس کے رِزق کا کفیل ہوتا ہے۔

(6)اُس کی مدد کرتا ہے اور دُشمنوں کے شر اور فساد سے محفوظ رکھتا ہے۔

(7)اُس کا مُونِس ہو جاتا ہے اور وَحشت اس کے دِل سے دور کرتا ہے۔

(8)اُس کو ایسی عزت بخشتا ہے کہ مُلوک وسلاطین اور جبارانِ زمین اُس کی خدمت اور فرمانبرداری کو فخر سمجھتے ہیں۔

(9)اُس کو ہمت بلند عنایت فرماتا ہے کہ لوث، حرص وطمع کا اُس کے قریب نہیں آتا۔

(10)اُس کے دِل کو تونگر (غنی) کرتا ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت اُس کی نگاہ میں حقیر اور بے قدر ہو جاتی ہے۔

(11)اُس کے دِل میں ایک نور پیدا کرتا ہے، جس کی روشنی میں ملکوت آسمان وزمین کے اَحوال اُس پر منکشف ہوتے ہیں۔

عبادت کے اُخروی فوائد:

(1)موت کی سختی سے محفوظ رہتا ہے۔

(2)پروردگارِ عالَم اُس کو اُس وقت اِیمان ومعرفت پر ثابت رکھتا ہے اور شیطان کے وَسوسے اور اِغوا سے بچاتا ہے۔

(3)اُس وقت فرشتے اُس کو خدا کی رضا اور اَمان کی بشارت دیتے ہیں اور ہر اُس اَمر سے کہ آخرت میں پیش آنے والا ہے اور اُن چیزوں کی فکر سے جن کو دُنیا میں چھوڑ چلا ہے، مطمئن کرتے ہیں۔

(4)محبوبِ حقیقی اپنے جوارِ رَحمت میں اُس کو جگہ دیتا ہے اور یہ ایسی نعمت ہے، جس کا بیان کسی سے نہیں ہو سکتا۔

www.dawateislami.net

(5)اُس کی روح کو ملائکہ سموات پر جلوہ دیتے ہیں، یعنی اُن کو اُس کی زیارت کراتے ہیں۔

(6)اُسے قبر کے فتنہ سے اَمن میں رکھتے ہیں اور نکیرین کے سوال کا جواب سکھاتے ہیں۔

(7)اُس کی قبر کو روشن اور فراخ کرتے ہیں۔

(8)اُس کی قبر میں بہشت کی طرف کھڑکی کھول دیتے ہیں۔

(9)اُس کی روح سبز طائروں (پرندوں) کے پیٹ میں رہتی ہے اور بہشت اور متبرک مکانوں کی سیر کرتی ہے۔

(10)حشر کے دِن اُس کو خلعت اور تاج پہنایا جائے گا اور میدانِ قیامت میں بُراق پر سوار ہو کر آئے گا۔

(11)قیامت کے اَہوال سے محفوظ رہے گا۔[1]

خلاصہ کلام:

(1)اِس عنوان کی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم اور اُس کے مستحقِ عبادت ہونے پر دَلائل دیئے گئے ہیں۔

(2)عبادت، اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر حق ہے اور اسی حقِ عبادت کی اَدائیگی کی دعوت سب نبیوں نے دی۔

(3)عبادت، حد درجہ تعظیم و اِنکسار کا نام ہے (یعنی تعظیم کا وہ مقام کہ جس کے آگے کوئی دَرجہِ تعظیم نہ ہو۔) اور یہ حقیقت میں اُس تعظیم کا نام ہے، جو بندہ اپنی عبدیت یعنی بندہ ہونے اور معبود کی اُلوہیت یعنی معبود ہونے کے اِعتقاد کے ساتھ بجالائے۔

(4)عبادت اور تعظیم میں فرق ہے۔ کسی کو عبادت کے لائق سمجھتے ہوئے اُس کی کسی قسم کی تعظیم کرنا "عبادت" کہلاتا ہے اور اگر عبادت کے لائق نہ سمجھیں تو وہ محض "تعظیم" ہوگی عبادت نہیں کہلائے گی۔

(5)اہلِ ایمان کو عبادت کا حکم دینے سے مُراد شرعی طریقے کے مُطابق اَحکامِ اِلٰہیہ بجالانا ہے، جبکہ کفار اور منافقین کے حق میں عبادت سے مُراد یہ ہے کہ وہ شرک چھوڑیں، اللہ تعالیٰ کو معبود مانیں، اس کی وحدانیت کا اِقرار کریں، پھر عبادت کے اَفعال ادا کریں۔

(6)ہر کام عبادت میں داخل ہو سکتا ہے جبکہ آدمی شریعت کے مطابق عمل کرے اور اس میں اچھی نیت رکھے۔ اسی لئے اگر کوئی اَحکامِ شریعت کی اِتباع کرے اور عام اُمورِ حیات مثلاً کھانے، پینے اور سونے میں بھی عبادت پر قوت کی

1 ..... الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح، ص328۔

www.dawateislami.net

نیت شامل کرے، تو اُس کا ہر نوالہ، گھونٹ اور نیند بھی عبادت شمار ہوں گے۔

(7) اللہ تعالیٰ نے جنوں اور اِنسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا اور عبادت اور اَحسن عمل (اچھا عمل) دونوں ایک ہی شے کی دو تعبیریں ہیں۔

(8) بیوی بچوں کو کھلانا بلکہ حکمِ الٰہی پر عمل کی نیت سے خود حلال کھانا بھی صدقہ ہے۔

(9) عبادت کا تعلق اَقوال و اَفعال اور اَحوال سب سے ہے۔ اَقوال و اَفعال کے اِعتبار سے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، دُعا، ذِکرِ الٰہی، مناجات، دُرُود و سلام اور تلاوتِ قرآن سب عبادت ہیں اور قلبی کیفیات میں محبتِ خدا و رَسُول، رَحمتِ خداوندی کی اُمید، عذابِ اِلٰہی کا خوف، خشیت، اِنابت، اِخلاص، صبر و شکر، توکل اور تسلیم و رضا وغیرہا شامل ہیں۔ دِینی، مالی اور مُعاشرتی مُعاملات کے اِعتبار سے راست گوئی، امانت داری، اِطاعتِ والدین، اِیفائے عہد، اَمر بالمعروف، نَہْی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، پڑوسیوں، مسکینوں اور ماتحتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سب عبادت میں داخل ہیں۔

(10) سلف صالحین، شب بیداری کے شائق، کثرتِ عبادت کے عادی، تلاوتِ قرآن کا ذوق رکھنے والے اور خوفِ الٰہی سے ہر دَم لرزاں رہنے والے تھے۔

(11) زمین و آسمان میں جاری خدا کی نعمتوں اور قدرتوں کے بیان سے بنیادی مقصد اِس عقیدے پر دَلیل قائم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔

(12) اللہ تعالیٰ کے مستحقِ عبادت ہونے کے بے شمار دَلائل ہیں، جن میں سے چار یہ ہیں: (۱) پہلی دَلیل یہ ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے جو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (۲) دوسری دَلیل یہ ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے جو حقیقی مالک اور ہر شے کا مختار و کارساز ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (۳) تیسری دَلیل یہ ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے جو تمام مخلوق کو رِزق دینے والا ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (۴) چوتھی دَلیل یہ ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے جو تمام کائنات کے ذَرّے ذَرّے پر کامل قدرت رکھنے والا ہے اور وہ ذات صرف خدا کی ہے۔

(13) عبادت تقویٰ کا ذَریعہ ہے کہ عبادت کی عادت سے دِل متأثر ہوتا ہے، اِیمان کا نور بڑھتا، غفلت کا زنگ اُترتا اور گناہوں کا ترک آسان ہو جاتا ہے جیسے نماز، بُرائی اور بے حیائی سے روکتی ہے، روزے سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے، زکوٰۃ سے مال کی محبت کم ہوتی ہے، تلاوت سے دِل نرم ہوتے ہیں، ذِکرِ الٰہی سے عبادت کی رَغبت بڑھتی ہے۔

www.dawateislami.net

(14)عبادت کا فائدہ عابِد کو ہی ہے، خدا بندے کی عبادت سے بے نیاز ہے۔

(15)عبادت کے دُنیا و آخرت میں بے شمار فوائد ہیں جو قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہیں اور کثیر فوائد ہر تجربہ کرنے والے کو حاصل ہو جاتے ہیں۔

محاسبہ:

آیتِ مبارکہ میں ہمیں اپنے خالق و مالک کی عبادت کا حکم دیا گیا، نیز عبادت گزاری پر تقویٰ اور دِل کی پاکیزگی کی بشارت سنائی گئی۔ اب مسلمان ہونے کی حیثیت سے خود سے یہ سوال ضرور بنتا ہے کہ

(1) ہماری زندگی میں دُنیا کی مصروفیت، غفلت اور عبادت کا تناسب کیا ہے؟ صرف دُنیا نے ہی زندگی کو گھیر رکھا ہے یا ذِکر و عبادت بھی زندگی کا حصہ ہے؟

(2)جب ہر مباح کام اچھی نیت سے دائرۂ عبادت میں داخل ہو سکتا ہے، تو ہم نے کس قدر نیتوں کو ملحوظ رکھا؟

(3) کیا ہمارا کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا اور اُٹھنا بیٹھنا اچھی نیتوں کے ذَریعے عبادت میں شامل ہے یا محض عام زندگی کی عادتوں کا حصہ ہے؟

(4)عبادت کے بے شمار دِینی و دُنیاوی فوائد ہیں، ہم نے اُن فوائد کے حصول کے لیے کتنی کوشش کی؟

(5) قلبی کیفیات، زندگی کے مُعاملات اور جملہ عبادات میں ہماری حالت کیا ہے؟

(6)ہم اسلاف اور بزرگانِ دِین کے حالاتِ زندگی اور اُن کی عبادتوں کا کتنا مُطالعہ کرتے ہیں کہ ہم میں بھی شوقِ عبادت بیدار ہو؟

(7)جب ہماری پیدائش کا بنیادی مقصد ہی عبادت ہے، تو ہم نے اِس مقصد کو کتنا اہم سمجھا اور حاصل کرنے کی کوشش کی؟

(8)اَحادیثِ مبارکہ میں بیوی بچوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ اور باعثِ اَجر و ثواب قرار دیا گیا، تو ہم نے اُن پر کس نیت سے کتنا خرچ کیا؟

یہ تمام وہ سوالات ہیں جو اِن چیزوں کے متقاضی ہیں کہ ہم اپنی زندگیوں میں اِن سب چیزوں کا محاسبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حُسنِ نیت اور عبادت گزار بندوں میں شمولیت عطا فرمائے، آمین۔

آیت نمبر:2 پاک اور حلال کھانے کا حکم اور شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے ممانعت

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۱۶۸) اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ(۱۶۹) (پ2، البقرۃ:168-169)

ترجَمۂ کنزالعرفان: اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دے گا اور یہ (حکم دے گا) کہ تم اللہ کے بارے میں وہ کچھ کہو جو خود تمہیں معلوم نہیں۔

شانِ نزول:

مشرکین نے اپنی طرف سے بہت سے جانوروں (بحیرہ، سائبہ اور حام وغیرہ) اور چیزوں (مختلف قسم کی کھیتی وغیرہ) کو حرام قرار دیا ہوا تھا، اِس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ زمین کی پیداوار اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے اور لوگوں کے نفع کے لیے ہی اسے پیدا کیا ہے، لہٰذا صرف اُن چیزوں سے بچو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود منع فرما دیا اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، وہ سب حلال ہیں۔[1]

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! اپنے آباء و اَجداد کے غلط طریقوں اور خیالات کے پیچھے لگ کر کسی چیز کو اپنے اوپر از خود حلال یا حرام نہ ٹھہراؤ، بلکہ خدا کی زمین میں پیدا ہونے والی سب چیزیں کھاؤ، بشرطیکہ وہ حلال، پاکیزہ، ہر شبہ سے پاک اور کسی غیر کے حق سے متعلق نہ ہوں، نیز اَشیاء کو حلال و حرام قرار دینے، فضول خرچی اور ناشکری کرنے میں شیطان کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ یقیناً تمہارا کھلا دُشمن ہے اور دُشمنی کی وجہ ہی سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتاتا اور تمہیں اُن باتوں کے وَسوسے ڈالتا ہے جو بُرائی اور بے حیائی والی ہوں حالانکہ یہ چیزیں دُنیا میں حقیر اور آخرت میں رُسوا کر دیں گی، نیز تمہارا دُشمن شیطان تمہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں کہو کہ جن کا تمہیں صحیح علم نہیں اور نہ ہی اُن باتوں کو کہنے پر کوئی صحیح دَلیل ہے۔

1 ..... تفسیر خازن، پ2، البقرہ، تحت الآیۃ: 168، 1/110 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا سیاق وسباق:

مشرکین بہت سی چیزوں کو اپنی مَرضی سے حلال یا حرام قرار دے دیا کرتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دینا اس کی رَزّاقِیَّت سے بغاوت ہے، یونہی حلال کو حرام کہنا یا حرام کو حلال قرار دینا، خدا کی حاکمیت سے مقابلہ ہے۔ اِس لئے قرآنِ مجید میں اِس عمل کو اللہ تعالیٰ پر اِفترا یعنی جھوٹ گھڑنا قرار دیا ہے اور اس پر دَردناک عذاب کی وعید سنائی ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾ (پ14، النحل:116-117)

ترجمہ: اور تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اس لئے نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ (ہاں دنیا کی یہ موج اور آرام تو) تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے اور (پھر آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ایک دوسرے مقام پر حلال و حرام کی خود ساختہ تقسیم کی شناعت یوں بیان فرمائی:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ (پ11، یونس:59)

ترجمہ: تم فرماؤ: بھلا بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا ہے تو تم نے اس میں سے خود ہی حرام اور حلال بنالیا، تم فرماؤ: کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟

ایک اور جگہ پر پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے کو خدا کی حدوں کو پار کرنے میں داخل کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ (پ7، المائدۃ:87)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ قرار دو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے حلال فرمایا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حلال و حرام میں کفار کی دَخل اندازی کی تاریخ اور اس کے پیچھے شیطان کی کارستانی کو بہت کھول کر بیان فرمایا ہے، چنانچہ مسلم شریف کی حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو مال میں اپنے بندوں کو عطا

www.dawateislami.net

فرماتا ہوں، وہ اُن کے لیے حلال ہے۔ اور میں نے اپنے بندوں کو باطل سے بے تعلق پیدا کیا، پھر اُن کے پاس شیاطین آئے اور انہوں نے لوگوں کو دِین سے بہکایا اور جو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا، اُس کو حرام ٹھہرایا۔[1]

کفار کی حرام کردہ چیزوں کی مختلف مثالیں:

مشرکین نے چونکہ اپنی طرف سے بہت سی چیزوں اور جانوروں کو حرام قرار دیا ہوا تھا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ چیزیں کیا تھیں، ان کی متعدد مثالیں خود قرآنِ مجید ہی میں موجود ہیں:

پہلی مثال:

زمانہ جاہلیت میں کفار کا یہ دَستور تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جَنتی اور آخری مرتبہ اس کے نر ہوتا، تو اُس کا کان چیر دیتے، اس کے بعد نہ اس اونٹنی پر سواری کرتے اور نہ اسے ذَبح کرتے اور نہ اسے پانی اور چارے پر سے ہٹاتے، اس کو "بَحِیرَہ" کہتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ جب مشرکوں کو کوئی سفر دَرپیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ اگر میں سفر سے بخیریت واپس آؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی "سائِبَہ" ہے اور اُس اونٹنی سے بھی نفع اُٹھانا "بَحِیرَہ" کی طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔ ایسے ہی اپنی طرف سے مزید بھی چند قسم کی حرمتیں قرار دی ہوئی تھیں۔ اِن خود ساختہ حرمتوں کا رَد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍۙ-وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَؕ-وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ(۱۰۳) (پ7، المائدۃ:103)

ترجمہ: اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو مقرر نہیں کیا لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں اور ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

دوسری مثال:

کفارِ عرب کا عقیدہ تھا کہ بحیرہ یا سائبہ اونٹنی کا بچہ اگر زندہ پیدا ہو تو صرف مرد کھا سکتے ہیں اور عورتیں نہیں کھا سکتیں اور اگر مُردہ پیدا ہو تو مرد و عورت سب کھا سکتے ہیں۔ اِس خلافِ عقل و شرع تقسیم کا رَد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

ترجمہ: اور (مشرک) کہتے ہیں: ان مویشیوں کے پیٹ میں جو ہے وہ

1 ..... مسلم، ص1173، حدیث: 7207۔

www.dawateislami.net

وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۳۹﴾ (پ8، الانعام:139)

خالص ہمارے مَردوں کیلئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو پھر سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب اللہ انہیں اِن کی باتوں کا بدلہ دے گا، بیشک وہ حکمت والا، علم والا ہے۔

تیسری مثال:

کفار نے اپنے کھیتوں کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عجیب و غریب تقسیم کی ہوئی تھی جو اللہ تعالیٰ اور بتوں کے دَرمیان شمار کرتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اپنی کھیتیوں اور دَرختوں کے پھلوں اور چوپایوں اور تمام مالوں میں سے ایک حِصّہ تو اللہ عزوجل کا مقرر کرتے تھے اور ایک حصہ بتوں کا، تو جو حصہ اللہ عزوجل کے لئے مقرر کرتے اسے مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کر دیتے تھے اور جو بتوں کے لئے مقرر کرتے تھے وہ خاص بتوں اور ان کے خادموں پر صرف کرتے، پھر جو حصّہ اللہ عزوجل کے لئے مقرر کرتے اس میں سے اگر کچھ بتوں والے حصہ میں مل جاتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر بتوں والے حصہ میں سے کچھ اللہ عزوجل کے لئے مقرر کردہ حصے میں ملتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں ہی کے حصہ میں شامل کر دیتے۔ اِس منگھڑت اور فضول تقسیم کی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت اور بد عقلی کا ذِکر فرما کر تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآىٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىٕهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىٕهِمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (پ8، الانعام:136)

ترجمہ: اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں یہ مشرک ان میں سے ایک حصہ اللہ کے لئے قرار دیتے ہیں پھر اپنے گمان سے کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کے لئے اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے تو جو ان کے شریکوں کے لئے ہے وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لئے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کتنا بُرا یہ فیصلہ کرتے ہیں۔

چوتھی مثال:

مشرک لوگ، مویشیوں اور زمین کی پیداوار میں حلال و حرام کے متعلق ایک اور بھی عجیب و غریب تقسیم کرتے تھے اور وہ یہ کہ وہ اپنے بعض مویشیوں اور کھیتیوں کو اپنے باطل معبودوں کے نام کر کے یہ کہتے کہ اِن مویشیوں اور کھیتیوں سے فائدہ اُٹھانا ممنوع ہے، اسے وہی کھائے گا جسے ہم چاہیں گے چنانچہ وہ بتوں کے نام پر چھوڑی ہوئی پیداوار اور

www.dawateislami.net

اپنے باطل معبودوں کے نام کئے ہوئے جانوروں میں سے بت خانوں کے پجاریوں اور بتوں کے خادموں کو دیتے تھے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖۗ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ(۱۳۸)

(پ8، الانعام:138)

ترجمہ: اور مشرک اپنے خیال سے کہتے ہیں: یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے، اسے وہی کھائے جسے ہم چاہیں اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پیٹھوں (پر سواری) کو حرام کر دیا گیا اور کچھ مویشی وہ ہیں جن کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے، (یہ سب) اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے (کہتے ہیں) عنقریب وہ انہیں ان کے بہتانوں کا بدلے دے گا۔

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ۔

حلال وطیب رِزق سے کیا مُراد ہے؟

حلال وطیب سے مُراد وہ چیز ہے جو بذاتِ خود بھی حلال ہے، جیسے بکرے، گائے، مُرغی کا گوشت، سبزی اور دال وغیرہ اور اس کے ساتھ ہمیں حاصل بھی جائز ذَریعے سے ہو، یعنی چوری، رِشوت اور ڈکیتی وغیرہ کے ذَریعے نہ ہو۔ علامہ نسفی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: فَالْحَلَالُ: مَا اَحَلَّهُ اللّٰهُ، وَالطَّیِّبُ: مَا یُسْتَطَابُ، وَهُوَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: اَلْمُسْتَلَذُّ طَبْعًا، وَالْمُبَاحُ شَرْعًا، وَالطَّاهِرُ وَضْعًا۔ ترجمہ: حلال وہ ہے کہ جسے خدا تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور طیب سے مُراد وہ چیز کہ جسے پسند کیا جاتا ہو اور وہ تین طرح کی ہے: (1) طبعی اِعتبار سے حصولِ لذت کے قابل ہو (2) شرعاً مباح ہو (3) فی نفسہ پاک ہو۔[1]

حرام آمدنی کی مذمت:

دِینِ اسلام میں نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ حرام کمائی کی شدید مذمت اور سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں اور حرام کی معروف اور غیر معروف بہت سی اَقسام کو نہایت مفصل طریقے سے زور دار اَنداز میں بیان کیا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے حرام کی کثیر صورتیں بآسانی معلوم ہو جاتی ہیں۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں اور مثالوں کے ساتھ اس بات پر بھی توجہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر تاکید وشدت کے ساتھ ظلم اور حرام کمائی سے منع کیا ہے۔

1 ..... التیسیر فی التفسیر، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 168، 3/48۔

www.dawateislami.net

ایک مثال: یتیم کا مال کھانا ہے۔ قرآنِ مجید نے یتیم کے مال کے متعلق فرمایا کہ یتیموں کا مال ناحق کھانا ایسے ہے جیسے کوئی اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہو۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ (پ4، النساء:10)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

دوسری مثال: یتیموں کے مال کے علاوہ عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا ہے۔ اِس حرام خوری کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاۙ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاؕ (پ30، الفجر:19-20)

ترجمہ: اور (تم) میراث کا سارا مال جمع کر کے کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

اِسی طرح آیتِ میراث کے بعد فرمایا:

وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۠ (پ4، النساء:14)

ترجمہ: اور جو (حق دار کو میراث دینے کے حکم میں) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی (تمام) حدوں سے گزر جائے تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں (وہ) ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

حلال کمائی کی فضیلت:

مالِ حرام کی حرمت بیان کرنے کے ساتھ دینِ اسلام نے حلال کمانے کی ترغیب دی اور اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجابُ الدَّعوات کر دے، (یعنی میری ہر دعا قبول ہو۔) حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اے سعد! اپنی خوراک پاک کرو، مستجابُ الدعوات ہو جاؤ گے۔ اُس ذات پاک کی قسم جس کے دَستِ قدرت میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی جان ہے، آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے، تو چالیس دِن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا اور جس بندے کا گوشت سود اور حرام خوری سے اُگا، اُس کے لیے آگ

www.dawateislami.net

زیادہ بہتر ہے۔[1]

حلال کمانے اور اہلِ خانہ یا دِیگر لوگوں پر خرچ کرنے کی برکت:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے، رَسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جس شخص نے حلال مال کمایا پھر اسے خود کھایا یا اس کمائی سے لباس پہنا اور اپنے علاوہ اللہ تعالیٰ کی دِیگر مخلوق (جیسے اپنے اہل و عیال اور دِیگر لوگوں) کو کھلایا اور پہنایا تو اس کا یہ عمل اس کے لیے برکت و پاکیزگی ہے۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما سے رِوایت ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: دُنیا میٹھی اور سرسبز ہے، جس نے اس میں حلال طریقے سے مال کمایا اور اسے وہاں خرچ کیا جہاں خرچ کرنے کا حق تھا، تو اللہ تعالیٰ اُسے (آخرت میں) ثواب عطا فرمائے گا اور اسے اپنی جنت میں داخل فرمائے گا اور جس نے دُنیا میں حرام طریقے سے مال کمایا اور اسے ناحق جگہ خرچ کیا، تو اللہ تعالیٰ اسے ذِلّت و حقارت کے گھر (یعنی جہنم) میں داخل کر دے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رَسُول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مال میں خیانت کرنے والے کئی لوگوں کے لیے قیامت کے دِن جہنم ہو گی۔ اللہ عزوجل اِرشاد فرماتا ہے: ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا﴾ (پ 15، بنی اسرائیل: 97) ترجمہ: جب کبھی بجھنے لگے گی تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔[3]

قربِ الٰہی اور تقوی کے لیے لقمۂ حلال کی اَہمیت:

حلال کھانا اور حرام سے بچنا، اِنتہائی ضروری ہے اور اِس کا تعلق پیٹ سے ہے، لہٰذا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ پیٹ کی حفاظت بہت ضروری اور شرعی طور پر مطلوب ہے۔ اِس کی حفاظت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بندے کو دُنیا میں عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور "غذا" عمل کے لیے بیج اور پانی کے قائم مقام ہے، لہٰذا تخم یعنی بیج اور پانی کے تناسب کے مطابق ہی پودا اُگے گا اور جب تخم خراب ہو، تو اس سے کھیتی بھی کبھی اچھی نہیں ہو گی، بلکہ ایسے بیج سے یہ خطرہ ہے کہ شاید وہ عمل کی زمین ہی ہمیشہ کے لیے خراب کر دے اور آئندہ وہ زراعت کے قابل نہ رہے۔ اِس سلسلے میں

1 ..... معجم اوسط، 5/34، حدیث: 6495۔
2 ..... صحیح ابن حبان، 6/218، حدیث: 4222۔
3 ..... شعب الایمان، 4/396، حدیث: 5527۔

www.dawateislami.net

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ کا کلام ملاحظہ کیجیے!

اے عبادتِ اِلٰہی کے طلب گار! تم پر پیٹ کی حفاظت اور اس کی اِصلاح بھی لازم ہے، کیونکہ مجاہدہ کرنے والے کے لیے اس کی اِصلاح کرنا سب سے مشکل اور سب سے زیادہ محنت و مشقت کا کام ہے۔ پیٹ کا اثر اور نقصان بھی بہت زیادہ ہے، کیونکہ یہ منبع و معدن ہے اور تمام اَعضا میں طاقت، کمزوری اور عفت و شہوت اِسی سے اُبھرتی ہے، لہٰذا اگر تم اللہ عزوجل کی عبادت کا پختہ ذہن رکھتے ہو تو ضروری ہے کہ سب سے پہلے تم پیٹ کو حرام اور شبہ والی غذا سے بچاؤ، پھر ضرورت سے زائد حلال سے بھی اس کی حفاظت کرو۔

لقمہ حرام سے بچنا کیوں ضروری ہے؟

پیٹ کو حرام اور شبہ والی غذا سے بچانا تین باتوں کی وجہ سے ضروری ہے:

(1) جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے پیٹ کو حرام اور مشکوک چیزوں سے بچانا ضروری ہے، چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ﴿۱۰﴾ (پ4، النساء:10)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اِنَّهٗ لَا یَرْبُوْ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ اِلَّا كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ ترجمہ: بیشک حرام سے نشو و نما پانے والے گوشت کے لیے آگ ہی زیادہ بہتر ہے۔[1]

(2) حرام اور مشتبہ غذا کھانے والا بارگاہِ الٰہی سے دُھتکار دیا جاتا ہے اور اسے عبادت کی توفیق نہیں ملتی، کیونکہ اللہ عزوجل کی عبادت کرنے کے لائق وہی ہوتا ہے جو ظاہر و باطن میں پاک صاف ہو۔ میں (امام غزالی) کہتا ہوں: غور کرو! کیا اللہ عزوجل نے جنبی شخص کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں فرمایا؟ اور کیا بے وضو کو قرآنِ پاک چھونے سے نہیں روکا؟ (جیسا کہ مسجد جانے اور نماز پڑھنے کے متعلق) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ﴾ (پ5، النساء:43) ترجمہ: ”نہ ناپاکی کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) حتی کہ تم غسل کرلو سوائے اس کے کہ تم حالتِ سفر میں ہو۔“ اور (قرآن چھونے کے متعلق) فرمایا: ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾﴾ (پ27، الواقعۃ:79) ترجمہ: ”اسے پاک لوگ ہی

[1] ترمذی، 2/117، حدیث: 614۔

www.dawateislami.net

چھوتے ہیں۔" حالانکہ جنابت اور بے وُضو ہونا ایک مباح کام ہے، جب اس پر اتنا سخت حکم ہے، تو پھر جو حرام اور مشتبہ چیز کی غلاظت اور گندگی میں ڈوبا ہو گا، اس کا کیا حال ہو گا؟ اسے کب اللہ عزوجل کی محبوب عبادت اور مبارک ذِکر کی طرف بلایا جائے گا؟ ہر گز نہیں، اُسے یہ توفیق نہیں دی جائے گی۔

حضرت سیدنا یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: عبادت اللہ عزوجل کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اس کی چابی دُعا اور چابی کے دندانے حلال روزی ہے، تو جب چابی کے دندانے ہی نہیں ہوں گے تو دروازہ کیسے کھلے گا اور جب دروازہ ہی نہیں کھلے گا تو بندہ اس میں پائے جانے والے عبادت کے خزانے تک کیسے پہنچے گا؟[1]

(3) حرام اور مشتبہ غذا کھانے والا نیک عمل سے محروم رہتا ہے اور اِتفاق سے اگر کوئی نیک کام کر بھی لے تو وہ قبول نہیں کیا جاتا، بلکہ رَد کر دیا جاتا ہے اور وہ اس نیک کام میں سِوائے تھکاوٹ، پریشانی اور وقت خرچ کرنے کے کچھ حاصل نہیں کرتا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: رات کو عبادت کرنے والے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جنہیں بیداری کے سِوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور بہت سے روزہ داروں کو اپنے روزے سے سِوائے بھوک پیاس کے کچھ نہیں ملتا۔[2]

حضرت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہُ عنہما نے فرمایا: "جس شخص کے پیٹ میں حرام ہو، اللہ عزوجل اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔" ان باتوں پر خوب غور کرو۔[3]

لقمہ حرام سے بچنے کے ساتھ اس سے آگے کا ایک بلند مرتبہ:

حرام سے بچنا تو ضروری ہی ہے لیکن دینِ اسلام کی پاکیزگی اور روحانیت ایسی بلند ہے کہ اِس میں شبہ والی چیزوں سے بھی بچنے کا حکم ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے حلال یا حرام ہونے میں دَلائل مختلف ہوتے ہیں اور دَلائل کے تعارض کی وجہ سے کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہوتا، بلکہ یہ اِشتباہ رہتا ہے کہ آیا یہ چیزیں حرام ہیں یا حلال؟ یا کسی شے کے بارے میں یہی شبہ ہے کہ ہماری ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہماری ہو تو حلال ہے اور ہماری مِلک نہ ہو اور اِستعمال کی اِجازت بھی نہ ہو تو اِستعمال کرنا حرام ہے، ایسی صورت میں شریعت کی عام تعلیم یہی ہے کہ ایسی مشتبہ چیزوں سے اِنسان اپنے آپ کو بچائے اور ان سے اِجتناب کرے۔

1 ..... منہاج العابدین، ص82۔
2 ..... دارمی، 2/390، حدیث: 2720۔
3 ..... منہاج العابدین، ص82۔

www.dawateislami.net

اِس اُصول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یوں بیان فرمایا: اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا یَعْلَمُهَا كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ یَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى یُوْشِكُ اَنْ یُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ ترجمہ: بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور اِن دونوں کے دَرمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جن کے متعلق بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ جو مشتبہ چیزوں سے بچا، اُس نے اپنی عزت اور اپنا دِین بچا لیا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا، وہ حرام میں مبتلا ہوا۔ وہ اس چرواہے کی مانند ہے جو چراگاہ کے قریب اپنا ریوڑ چراتا ہے اور اُس کے چراگاہ میں چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ سن لو! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ عزوجل کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اَشیاء ہیں۔[1]

اِس حدیثِ مبارک کی شرح میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ (وِصال: 1391ھ/1971ء) لکھتے ہیں: یہ حدیث اصلِ اُصولِ دِین ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں: بالکل حلال جن کی حِلَّت منصوص ہے، بالکل حرام جن کی حرمت منصوص ہے، جیسے محرمات و فواحش اور مشتبہات جن میں حِلَّت و حرمت کے دَلائل متعارض ہیں یا حِلَّت و حرمت کی دَلیل نہیں۔ اصل حلال پر عمل کرو، اصل حرام سے ضرور بچو اور مشتبہات سے اِحتیاطاً پرہیز کرو، کہ شاید حرام ہوں۔ جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہ کرے گا، وہ آخر کار محرمات میں بھی پھنس جائے گا، اِس لیے مشتبہات سے بچو۔ شاہی چراگاہ میں جانور چرانا سخت جُرم ہوتا ہے، ہوشیار چرواہے شاہی چراگاہ سے دور ہی رہتے ہیں تاکہ کوئی جانور بے قابو ہو کر اُس چراگاہ میں نہ گھس جائے اور ہم مجرم ہو جائیں، مگر بے اِحتیاط چرواہے وہاں قریب پہنچ جاتے ہیں اور آخر کار اُن کا جانور وہاں گھس جاتا ہے اور یہ مجرم ہو کر پکڑے جاتے ہیں، ایسے ہی مشتبہات میں واقع ہونے والا کبھی حرام میں بھی گرفتار ہو جائے گا، تم چرواہے ہو، نفس بے سمجھ جانور، محرماتِ شرعیہ شاہی چراگاہ ہے، مشتبہات اِس چراگاہ کے متصل زمین۔[2]

اِسی طرح نبیِ رَحمت، ہادیِ اُمَّت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: دَعْ مَا یَرِیْبُكَ اِلٰى مَا لَا یَرِیْبُكَ ترجمہ: اسے چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے، ادھر رجوع کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔[3]

اِس حدیثِ مبارک کے تحت "مِراٰۃُ المناجیح" میں ہے: جو کام یا کلام تمہارے دِل میں کھٹکے کہ نہ معلوم حرام ہے یا

1 ..... بخاری، 1/33، حدیث: 52۔
2 ..... مراٰۃ المناجیح، 04/229۔
3 ..... ترمذی، 4/232، حدیث: 2526۔

www.dawateislami.net

حلال، اُسے چھوڑ دو اور جس پر دِل گواہی دے کہ یہ ٹھیک ہے، اُسے اِختیار کرو، مگر یہ اُن حضرات کے لیے ہے، جو حضرت حسن رضی اللہُ عنہ جیسی قوتِ قدسیہ و علم لدنی والے ہوں، جن کا فیصلہِ قلب کتاب و سنّت کے مطابق ہو، عام لوگ یا جو نفسانی و شیطانی وہمیات میں پھنسے ہوں، اُن کے لیے یہ قاعدہ نہیں۔ بعض لاپرواہ لوگ قطعی حراموں میں کوئی تردد نہیں کرتے اور بعض وہم پرست جائز چیزوں کو بلاوجہ حرام و مشکوک سمجھ لیتے ہیں، ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے۔[1]

ائمہ مسلمین، سلف صالحین کے مشتبہ چیزوں سے بچنے کے زریں واقعات:

بزرگانِ دِین رِزق کے حلال ہونے میں کس قدر اِحتیاط کرتے تھے، کتبِ سیرت اِس سے لبریز ہیں:

پہلا واقعہ: امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ کا ایک غلام آپ کی خدمت میں دودھ لایا۔ آپ رضی اللہُ عنہ نے اسے پی لیا۔ غلام نے عرض کی: میں پہلے جب بھی کوئی چیز پیش کرتا، تو آپ اُس کے بارے میں دریافت فرماتے تھے، لیکن اِس دودھ کے بارے میں کچھ دریافت نہیں فرمایا۔ یہ سن کر آپ رضی اللہُ عنہ نے پوچھا، یہ دودھ کیسا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بیمار پر منتر پھونکا تھا، جس کے معاوضے میں آج اُس نے یہ دودھ دیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہُ عنہ نے یہ سن کر اپنے حلق میں اُنگلی ڈالی اور وہ دودھ اُگل دیا۔ اِس کے بعد نہایت عاجزی سے دَربارِ الٰہی میں عرض کیا: یااللہ عزوجل! جس پر میں قادِر تھا، وہ میں نے کر دیا، اِس دودھ کا تھوڑا بہت حصہ جو رَگوں میں رہ گیا ہے، وہ مُعاف فرمادے۔[2]

دوسرا واقعہ: امامِ اعظم اَبُو حنیفہ رحمۃُ اللہِ علیہ نے حلال رِزق حاصِل کرنے کی غرض سے تجارت کا پیشہ اپنایا تھا، آپ رحمۃُ اللہِ علیہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے، مگر اِس کے باوُجُود آپ کی تجارت اِحسان، خیر خواہی اور اِسلام کے پاکیزہ اُصُولوں پر مشتمل تھی۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا حَفْص بن عبد الرحمٰن رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃُ اللہِ علیہ میرے ساتھ تجارت کرتے تھے اور مجھے مالِ تجارت بھیجتے ہوئے فرمایا کرتے: اے حَفْص! فُلاں کپڑے میں کچھ عیب ہے۔ جب تم اسے فروخت کرو تو عیب بیان کر دینا۔ حضرت سیِّدُنا حَفْص رحمۃُ اللہِ علیہ نے ایک مرتبہ مالِ تجارت فروخت کیا اور بیچتے ہوئے عیب بتانا بھول گئے۔ جب حضرت سَیِّدُنا امامِ اعظم رحمۃُ اللہِ علیہ کو علم ہوا تو آپ نے

1 ..... مرآۃ المناجیح، 4/234۔

2 ..... منہاج العابدین، ص88۔

www.dawateislami.net

تمام کپڑوں کی قیمت صدقہ کر دی۔[1]

تیسرا واقعہ: امامِ اعظم رحمۃُ اللہِ علیہ کا ہی واقعہ ہے کہ آپ کا ایک غلام آپ کے لیے تجارت کرتا تھا، آپ نے تجارت کے لیے اسے بہت سامال دیا ہوا تھا، ایک مرتبہ 30 ہزار درہم کا نفع ہوا، چنانچہ غلام نے نفع کو الگ کیا اور اسے لے کر امام صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، آپ نے اس سے ساری تفصیلات پوچھیں کہ تم نے کس کس طرح تجارت کی؟ اس نے تجارت کے مختلف طور طریقے بیان کیے، دَورانِ گفتگو اُس نے ایک ایسی صورت بتائی جو آپ کو ناگوار گزری اور آپ کے دِل میں شُبہ داخل ہو گیا، آپ نے اسے ڈانٹا اور ناراض ہوئے اور اُس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اِس صورت کا نَفْع بھی دِیگر نفعوں کے ساتھ ملا دیا ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا: تم نے سارا نفع خراب کر دیا اور پھر فقرا کو بُلوا کر 30 ہزار کا سارا نفع ان میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے اس میں سے کچھ بھی نہ رکھا۔[2]

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ﴾ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو۔

اِتباعِ شیطان:

مفسرِ قرآن مفتی احمد یار خان رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ﴾ اِتباع پیچھے چلنے کو کہتے ہیں اور تابع پیچھے چلنے والا۔ ''خُطُوَات'' خُطْوَۃ کی جمع ہے۔ چونکہ شیطان کے راستے بہت سے ہیں، اِس لیے ''خُطُوَات'' جمع فرمائی گئی۔ یعنی شیطان کے بتائے ہوئے عقائد و اَعمال یا شیطانوں کے اِختیار کیے ہوئے عمل و عقیدے نہ اِختیار کرو۔[3]

علامہ اِسماعیل حقی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: وہ تمام طریقے شیطان کے ہیں جن پر بے حیائی اور بُری بات ہونے کا اِطلاق ہوتا ہے، جیسے زنا کی تہمت لگانا، گالی دینا، جھوٹ بولنا اور لوگوں کے عیبوں کی چھان بین کرنا وغیرہ۔[4]

پہلی آیت کا تیسرا حصہ: ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۶۸﴾ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کی اِنسانوں سے عداوت:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر شیطان کی عداوت اور دُشمنی کی پہچان کروائی ہے اور اس سے مقصود یہ

1 ..... تاریخ بغداد، 13/356۔
2 ..... مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ للموفق، 1/202۔
3 ..... تفسیر نعیمی، پ2، البقرہ، تحت الآیۃ 168، 2/135۔
4 ..... تفسیر روح البیان، پ18، النور، تحت الآیۃ: 21، 6/131۔

www.dawateislami.net

ہے کہ لوگ شیطان کو دُشمن سمجھ کر اس کے شر سے بچنے کی کوشش کریں، اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۠ (پ15، بنی اسرائیل:53)

ترجمہ: بیشک شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّاؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۠ (پ22، الفاطر:6)

ترجمہ: بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے تاکہ وہ بھی دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔

لہٰذا اِس خبیث اور خطرناک دُشمن کو پہچاننا نہایت ضروری ہے تاکہ اس کے وار سے بچ سکیں۔

شیطان کی دُشمنی کے مختلف اَنداز:

اللہ تعالیٰ ائمہ دِین، عُلمائے اِسلام اور محافظینِ اِیمان پر کروڑوں رَحمتیں نازِل فرمائے جنہوں نے شیطان کی دُشمنی کی تفصیلات ہمارے سامنے کھول کر بیان کر دیں تاکہ ہم اپنی حفاظت کر سکیں۔ علامہ اِسماعیل حقی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: شیطانی وَسوسے کے چھ دَرجے ہیں: پہلا یہ کہ اِیمان سے ہٹا کر کفر میں پھنسائے۔ اگر یہاں اس کا داؤ چل گیا تو پھر اِنسان کے پیچھے نہیں پڑتا۔ دوسرا یہ کہ مسلمان کو گمراہی و بدعات میں مبتلا کر دے کیونکہ عقیدے کا فساد، گناہوں سے بدتر ہے۔ تیسرا یہ کہ صحیح العقیدہ مسلمان کو کبیرہ گناہوں میں پھنسا دے۔ چوتھا یہ کہ پرہیز گار مسلمان سے معمولی گناہ کرا دے کہ کبھی معمولی باتیں بھی گناہِ کبیرہ بن جاتی ہیں اور چھوٹی چنگاری سے بھی گھر جل جاتا ہے۔ پانچواں یہ کہ نہایت متقی پرہیز گار مسلمان کو بے کار باتوں میں لگا دے تاکہ وہ زیادہ ثواب نہ کما سکے، اگر کہیں بھی داؤ نہ چلا تو چھٹا فریب یہ ہے کہ افضل کام سے روکنے کے لیے مفضول کام میں لگا دے، تاکہ آدمی زیادہ ثواب سے محروم رہے۔[1]

مفتی احمد یار خان رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: (شیطان) ہر اِنسان کے پاس نئے لباس میں آتا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے منہ کے کام یعنی کھانے پینے میں سے بعض حلال ہیں، بعض حرام (ہیں) ایسے ہی تمام اَعضا کے کاموں میں سے بعض حلال ہیں (اور) بعض حرام۔ بعض نظریں حلال جیسے اپنی بیوی کو دیکھنا، بعض حرام جیسے غیر عورت کو بد نظری سے دیکھنا۔ زبان سے جھوٹ، غیبت اور چغلی بولنا حرام (جبکہ) جائز باتیں بولنا حلال۔ کان سے گانے باجے سننا حرام ہے (اور) مباح باتیں

1 ..... تفسیر روح البیان، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ:169، 1/272-273 ملتقطاً۔

www.dawateislami.net

سننا حلال۔ پاؤں سے چوری کرنے، سینما میں فلم دیکھنے جانا حرام ہے (لیکن) جائز جگہ جانا حلال۔ ہاتھ سے غیر کا مال چھونا (یعنی اِستعمال کرنا)، غیر عورت کو شہوت سے چھونا حرام (اور) دُرُست جگہ ہاتھ اِستعمال کرنا حلال۔[1]

سات چیزیں جو شیطان نے عداوت میں اپنے اوپر لازم کرلی ہیں:

امام فخر الدین رازی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: شیطان نے عداوت میں سات چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اِن میں سے چار عداوتوں کا بیان اِس آیت میں فرمایا گیا ہے: اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۱۱۹﴾ (پ5، النساء:119)

ترجمہ: اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور انہیں اُمیدیں دِلاؤں گا اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو یہ ضرور جانوروں کے کان چیریں گے اور میں انہیں ضرور حکم دوں گا، تو یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے تو وہ کھلے نقصان میں جا پڑا۔

اور تین عداوتوں کو اِس آیت میں بیان فرمایا گیا:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴿۱۷﴾ (پ8، الاعراف:16-17)

ترجمہ: (شیطان نے کہا:) میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر لوگوں کی تاک میں بیٹھوں گا۔ پھر ضرور میں ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے ان کے پاس آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

جب شیطان نے اِن سات اُمور (سات عداوتوں) کو اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے اور اس کا دُشمن ہونا بالکل ظاہر ہے تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے دُشمن قرار دیا۔[2]

سَرورِ دیں لیجے اپنے ناتوانوں کی خبر — نفس و شیطاں سیّدا کب تک دباتے جائیں گے
تم ہو حفیظ و مُغیث کیا ہے وہ دشمن خبیث — تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود

دوسری آیت کا پہلا حصہ: ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ﴾ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دے گا۔

1 ..... تفسیر نعیمی، پ2، البقرہ، تحت الآیۃ 169، 2/137۔
2 ..... تفسیر کبیر، پ2، البقرہ، تحت الآیۃ: 168، 2/186۔

www.dawateislami.net

”سُوْء“ اور ”فَحْشَآء“ سے مُراد:

”سُوْء“ اور ”فَحْشَآء“ کو مترادِف یعنی ہم معنیٰ بھی قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”سُوْء“ سے مُراد مطلقاً گناہ ہے اور فَحْشَآء سے مُراد کبیرہ گناہ ہیں۔[1] اور ویسے ”فَحْشَآء“ ہر ایسی بُرائی کو کہتے ہیں، جس کا بُرا ہونا بہت زیادہ ظاہر ہو۔

شیطان کا بُرائی اور بے حیائی کا حکم دینا:

شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بُرائی کی طرف بلائے، کفر و شرک کی طرف، اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط عقائد منسوب کرنے کی طرف یا اس کے حلال کردہ کو حرام کہنے اور اس کے حرام کردہ کو حلال کہنے کی طرف، بُرے کاموں مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی، وعدہ خلافی، بہتان، لڑائی، فساد، حسد، بغض و کینہ، تکبر و اَنانیت، نفرت و عداوت، جنگ و جَدل، تذلیل و تحقیر، اِستہزاء و اِلزام تراشی وغیرہ چیزوں کی طرف بلائے۔ یونہی بے حیائی کے کام گانے، باجے، فلمیں، ڈرامے، ناچ، مُجرے، بدنگاہی، فحش گفتگو، گندی باتیں، ناجائز تعلقات، بُری نیت سے دیکھنا، چھونا اور بدکاری وغیرہا گناہوں کی طرف بلانا شیطان کا کام ہے۔

بُرائی کی طرف بلانے میں شیطان کا دو گروہوں کو اِستعمال کرنا:

شیطان اپنے ہم جنس یعنی جناتی شیطانوں کو بھی بُرائی کے لئے اِستعمال کرتا ہے جو دِلوں میں وَسوسے ڈالتے ہیں اور ان کے علاوہ اِنسانی شیطانوں کو بھی اِستعمال کرتا ہے جو اپنی گفتگو اور عمل سے دوسروں کو بُرائی کے راستے کی طرف لے جاتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ (پ8، الانعام:112)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا دشمن بنایا انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو ان میں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لئے بناوٹی باتوں کے وسوسے ڈالتا ہے۔

اِس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جنوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں اور اِنسانوں میں بھی، کیونکہ شیطان ہر سرکش و نافرمان کو کہتے ہیں، چاہے وہ اِنسان ہو یا جن۔[2] خفیہ بات سے مُراد وَسوسے اور فریب کی باتیں ہیں اور یہی بات

1 ..... تفسیر صاوی، البقرۃ، تحت الآیۃ: 169، 1/140۔
2 ..... تفسیر خازن، پ8، الانعام، تحت الآیۃ: 112، 2/48۔

www.dawateislami.net

سورۃُ الناس میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

اِنسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں:

اوپر مذکور آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو اِسلامی عقیدے یا حکمِ شریعت کے خلاف کسی شے کی ترغیب دے، وہ "اِنسانی شیطان" ہے، اگرچہ وہ اپنے عزیزوں میں سے ہو یا عالم کے لباس میں ہو، نیز اِس میں وہ تمام لوگ داخل ہیں، جو آزاد خیالی یا روشن خیالی کے نام پر شرعی کاموں کے خلاف منصوبے اور تنظیمیں بناتے ہیں۔ یہاں ایک نہایت اَہم چیز کے بارے میں عرض ہے کہ ہمارے دور میں یہ وَبا عام ہوتی جارہی ہے کہ بھائی، ہر ایک کی سنو اور تحقیق کرو، خواہ کہنے والا قرآن کے خلاف کہے یا حدیث کے یا اِسلام کے۔ گویا معاذاللہ، تحقیق، مطالعہ کے نام پر ہر گمراہی سننے، پڑھنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور اِس چیز کو باہمی رواداری، ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش، ایک دوسرے کے نکتہ نظر پر مطلع ہونا اور اپنے اپنے خیالات دوسروں سے شیئر کرنا وغیرہ وغیرہ کے دِل کَش نام دیئے جاتے ہیں، لیکن کیا قرآن، حدیث، دِین، اِیمان، اِسلام میں بھی اِس چیز کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اِس کی طرف کوئی نہیں دیکھتا۔ قرآن و حدیث میں گمراہوں کی صحبت میں بیٹھنے اور اِن کی باتیں سننے کو صاف اَلفاظ میں حرام قرار دیا ہے۔[1]

سورۂ ناس میں بھی وَسوسہ ڈالنے والے جنات کے ساتھ اِنسانوں کا ذِکر کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِۙ(۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۠(۶) (پ30، الناس:5-6)

ترجمہ: وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں سے۔

یعنی شیطان زبان و آواز سے نہیں بہکاتا، بلکہ براہِ راست دِل میں اثر ڈالتا ہے، بُری چیز کو اچھی کر دِکھاتا ہے۔ خود دُشمن ہے، مگر دوستی کے لباس میں آتا ہے، پھر جیسا اِنسان ہو ویسا ہی اسے وَسوسہ ڈالتا ہے۔ یونہی آیت نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ شیطان جنوں میں سے بھی ہوتا ہے اور اِنسانوں میں سے بھی، جیسے "شیاطین جن" اِنسانوں کو وَسوسے میں ڈالتے ہیں، ایسے ہی "شیاطین اِنسان" بھی ناصح بن کر آدمی کے دِل میں وَسوسے ڈالتے ہیں، پھر اگر آدمی ان وَسوسوں کو مانتا ہے تو اس کا سلسلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ خوب گمراہ کرتے ہیں اور اگر اس سے متنفر ہوتا ہے، تو ہٹ جاتے ہیں اور دَبک رہتے ہیں۔

---

1 ..... صراط الجنان، پ8، الانعام، تحت الآیۃ:112، 3/178-179۔

www.dawateislami.net

جنوں اور اِنسانوں کے شیاطین سے پناہ مانگیں:

آدمی کو چاہیے کہ جنوں کے شیاطین کے شر سے بھی پناہ مانگے اور اِنسانوں کے شیاطین کے شر سے بھی۔ اِس سلسلے میں یہاں ایک مفید وَظیفہ پیشِ خدمت ہے، چنانچہ حضرت عائشہ صِدیقہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم رات کے وقت جب بستر مبارک پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں دَستِ مبارک جمع فرما کر ان میں دَم کرتے اور سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر اپنے مبارک ہاتھوں کو سرِ مبارک سے لے کر تمام جسمِ اَقدس پر پھیرتے جہاں تک دَستِ مبارک پہنچ سکتے، یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔[1]

ہر بُری چیز سے بچانے والی تین سورتیں:

حضرت عبد اللہ بن خبیب رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: ہم پر ہلکی بارش ہوئی اور اس وقت اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا اِنتظار کر رہے تھے تاکہ وہ آکر ہمیں نماز پڑھائیں، پھر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے اور اِرشاد فرمایا: پڑھو! میں نے عرض کی: کیا پڑھوں؟ اِرشاد فرمایا: صبح شام تین تین بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھو، اِن کی تلاوت کرنا، تمہیں ہر بُری چیز سے بچائے گا۔[2]

دوسری آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹﴾ اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ کچھ کہو جو خود تمہیں معلوم نہیں۔

شیطان جب سے بارگاہِ اِلٰہی سے مَردود و رُسوا ہوا، اُس نے اپنے کہے کے مطابق ہمیشہ لوگوں کو گمراہی کی دعوت دی۔ خدا کے متعلق لوگوں کے دِلوں میں شکوک و شبہات ڈالے، نت نئے اِفتراء باندھنے پر جری کیا، پیغمبروں سے برگشتہ کیا، اُن کی مخالفت پر آمادہ کیا اور لوگوں میں مادیت پرستی کو فروغ دیا۔ اِن تمام شیطانی کاروائیوں کے نتیجے میں لوگوں نے خدا پر بہتان باندھنا شروع کیے اور جو اپنی عقل کو دُرست لگا خدا کی طرف منسوب کر دیا جیسے کئی لوگوں نے خدا کے لیے اَولاد ثابت کرنا شروع کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اَولاد ہے۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے

1 ..... بخاری، 3/407، الحدیث: 5017۔
2 ..... سنن نسائی، ص862، حدیث: 5438۔

www.dawateislami.net

خود فریبی پر مشتمل یہ بشارت جاری کر دی کہ صرف ہم یہود کے لیے ہی جنَّت ہے اور ہم بس تھوڑے عرصے کے لیے دوزخ میں جائیں گے، پھر ہمیشہ جنَّت میں رہیں گے۔ یہی بات عیسائیوں نے کہی کہ جنَّت تو صرف اور صرف عیسائیوں کے لیے ہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِن جھوٹوں کی سب کذب بیانیوں کا یوں رَد فرمایا، جس کی تفصیل نیچے موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف اَولاد کی نسبت کرنے والوں کا رَد:

اللہ تعالیٰ کی طرف اَولاد کی نسبت کرنے والوں کے متعلق خداوند قدوس نے فرمایا:

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ (پ11، یونس:68)

ترجمہ: (کافروں نے) کہا: اللہ نے اپنے لیے اولاد بنا رکھی ہے۔ وہ پاک ہے، وہی بے نیاز ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس کی کوئی بھی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ (پ16، مریم:88-89)

ترجمہ: اور کافروں نے کہا: رحمٰن نے اولاد اختیار کی ہے۔ بیشک تم انتہائی ناپسندیدہ بات لائے ہو۔

ایک مقام پر فرمایا:

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ (پ25، الزخرف:15)

ترجمہ: اور کافروں نے اللہ کے لیے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا (اولاد) قرار دیا۔ بیشک آدمی کھلا ناشکرا ہے۔

عذابِ جہنم سے متعلق یہودیوں کا من گھڑت عقیدہ:

یہودی کہتے تھے کہ وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوں گے، مگر صرف اتنی مدت کے لیے جتنے عرصے ان کے آباءواجداد نے بچھڑے کو پوجا تھا۔ ان کے اِس دعوے کا رَد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ

ترجمہ: اور بولے: ہمیں تو آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔ اے حبیب! تم فرمادو: کیا تم نے خدا سے کوئی وعدہ لیا ہوا

www.dawateislami.net

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۸۰ (پ1، البقرۃ:80)

ہے؟ (اگر ایسا ہے، پھر) تو اللہ ہر گز وعدہ خلافی نہیں کرے گا بلکہ تم اللہ پر وہ بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

یہود و نصاریٰ کی جنت کے متعلق خوش فہمیاں:

یہودی مسلمانوں سے کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور عیسائی کہتے تھے کہ صرف وہی جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی اِس خوش فہمی و من گھڑت آرزو کا رَد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝۱۱۱ (پ1، البقرۃ:111)

ترجمہ: اور اہلِ کتاب نے کہا: ہر گز جنت میں داخل نہ ہو گا مگر وہی جو یہودی ہو یا عیسائی۔ یہ ان کی من گھڑت تمنائیں ہیں۔ تم فرمادو: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

دَہریوں کا اِفتراء علَی اللہ:

دَہریوں کا خیال ہے کہ دُنیا کسی خدا نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور ہمیشہ سے موجود ہے اور مختلف شکلوں میں ہمیشہ موجود رہے گی۔ یہ بھی بے دلیل ہے اور جھوٹ ہے۔ اِس میں خدا کی خالقیت کا اِنکار ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:

وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ۝۲۴ (پ25، الجاثیۃ:24)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا: زندگی تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان دوڑاتے ہیں۔

قادیانیوں کا خدا کی طرف جھوٹ منسوب کرنا:

قادیانیوں کا معاملہ بھی سو فیصد یہی ہے کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا ہے، حالانکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ تو مرزا غلام احمد کا دعوی نبوت جھوٹا ہے اور اگلی آیت کے تحت داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ (پ7، الانعام:93)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے: میری طرف وحی کی گئی حالانکہ اس کی طرف کسی شے کی وحی نہیں بھیجی گئی۔

www.dawateislami.net

گمراہ فرقوں کا اِفتراء علَی اللہ:

یہی حال اُن تمام گمراہ فرقوں کا ہے جو حقیقی اسلامی عقائد سے ہٹ کر عقیدے اِختیار کرتے ہیں مثلاً قدریہ فرقہ مشہور ہے جو تقدیر کے منکر ہیں اور اپنے آپ کو اپنے اَفعال کا خالق جانتے ہیں اور خدا کے خالقِ اَفعال ہونے کا اِنکار کرتے ہیں اور یوں خدا کے متعلق وہ بات کہتے ہیں جو خدا ہی کے فرمان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (پ23، الصافات:96) ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

ایسے ہی جبریہ فرقہ ہے جو اِنسان کو بے اِختیار اور پتھر کی طرح مجبور مانتے ہیں۔ وہ خدا کی طرف یہ غلط بات منسوب کرتے ہیں کہ اس نے بندے کو اِختیار نہیں دیا حالانکہ خدا فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ (پ8، الانعام:146) ترجمہ: ”ہم نے یہ ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں۔“ یعنی لوگوں کو ان کے اپنے اِختیار سے کی گئی سرکشی پر ہی خدا انہیں سزا دے گا۔ اگر بندے مجبورِ محض ہوتے تو سزا کس بات کی؟

ایسے ہی مُرجئہ فرقہ خدا کی طرف جہالت سے یہ منسوب کرتا ہے کہ مسلمان کتنے ہی گناہ کرلے، اسے کوئی سزا نہیں ہوگی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (پ5، النساء:123) ترجمہ: جو کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

الغرض ہر کافر گروہ، مُرتد جماعت اور گمراہ فرقے کی گمراہی میں یہ بنیادی چیز شامل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں اور یہ سب کچھ لوگ شیطان کے وَسوسوں اور وَرغلانے سے کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں بنیادی طور پر حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم اور شیطان کے طریقوں پر چلنے سے ممانعت بیان کی گئی ہے۔

(2) اپنی طرف سے کسی چیز کو اپنے اوپر از خود حلال یا حرامِ شرعی قرار دینا، خود حرام ہے۔

(3) مشرکین بہت سی چیزوں کو اپنی مرضی سے حلال یا حرام قرار دے دیا کرتے تھے۔ حلال کو حرام قرار دینا خدا کی رَزّاقیت سے بغاوت ہے اور حلال کو حرام کہنا یا حرام کو حلال قرار دینا خدا کی حاکمیت سے مقابلہ ہے۔

(4) مشرکین نے بہت سی چیزیں اور جانور خود ساختہ حرام قرار دیئے ہوئے تھے جو حلال تھے، یونہی کچھ چیزوں

www.dawateislami.net

میں عجیب فارمولے لگائے ہوئے تھے کہ مثلاً فلاں فلاں شے صرف مرد کھاسکتے ہیں، عورتوں کے لئے حرام ہے۔ یونہی کھیتیوں اور جانوروں میں اللہ تعالیٰ اور بتوں کے دَرمیان من گھڑت اور فضول تقسیم کی ہوئی تھی کہ اتنا حصہ خدا کے لئے اور اتنا بتوں کے لئے۔

(5) حلال وطیب سے مُراد وہ چیز ہے جو بذاتِ خود بھی حلال ہے، جیسے بکرے، گائے، مرغی کا گوشت، سبزی، دال وغیرہ اور حاصل بھی جائز ذَریعے سے ہو، یعنی چوری، رِشوت اور ڈکیتی وغیرہ کے ذَریعے نہ ہو۔

(6) حرام کمائی اور حرام کھانا عذابِ آخرت کا بہت بڑا سبب ہے، خواہ یتیموں کا مال کھانے کی صورت میں ہو یا عورتوں، بچوں کو وراثت سے محروم کرکے۔

(7) تقویٰ وولایت و قربِ الٰہی کے حصول میں حلال کھانا اور حرام سے بچنا اِنتہائی ضروری ہے۔

(8) جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے پیٹ کو حرام اور مشکوک چیزوں سے بچانا ضروری ہے، حرام اور مشتبہ غذا کھانے والا بارگاہِ الٰہی سے دُھتکار دیا جاتا ہے اور اسے عبادت کی توفیق نہیں دی جاتی اور وہ نیک عمل سے محروم رہتا ہے اور اِتفاق سے اگر کوئی نیک کام کر بھی لے تو وہ قبول نہیں کیا جاتا۔

(9) حلال لقمے کی بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ آدمی کی دُعائیں قبول ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

(10) حرام سے بچنا تو ضروری ہی ہے لیکن دینِ اسلام کی پاکیزگی اور روحانیت ایسی بلند ہے کہ اِس میں شبہ والی چیزوں سے بھی بچنے کا حکم ہے۔

(11) ائمۂ مسلمین، سلف صالحین مشتبہ چیزوں سے بچنے میں بہت کوشش کرتے تھے۔

(12) شیطان کے طریقوں پر چلنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ تمام طریقے شیطان کے ہیں جن پر بے حیائی اور بُری بات ہونے کا اِطلاق ہوتا ہے، جیسے زنا کی تہمت لگانا، گالی دینا، جھوٹ بولنا اور لوگوں کے عیب تلاش کرنا وغیرہ۔

(13) شیطان اِنسانوں کا دُشمن ہے اور اِس کی دُشمنی کے مختلف اَنداز ہیں مثلاً اِیمان سے ہٹا کر کفر میں پھنسانا، یا گمراہی و بدعات میں مبتلا کرنا یا صحیح العقیدہ مسلمان کو کبیرہ گناہوں میں ڈال دینا، یا پرہیز گار مسلمان سے معمولی گناہ کروانا یا نہایت متقی پرہیز گار مسلمان کو بے کار باتوں میں لگا دینا تاکہ وہ زیادہ ثواب نہ کما سکے، یا زیادہ ثواب والے کام سے روک کر کم ثواب والے کام میں مشغول کر دینا۔

(14) شیطان ناپسندیدہ کاموں اور کھلی بُرائیوں کے اِرتکاب کا کہتا ہے جیسے کفر و شرک، اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط عقائد پھیلانا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنا، یونہی جھوٹ، غیبت، چغلی، وعدہ خلافی، بہتان، لڑائی، فساد، حسد، بغض و کینہ، تکبر و اَنانیت، نفرت و عداوت، جنگ و جَدل، تذلیل و تحقیر، اِستہزاء و اِلزام تراشی وغیرہ چیزوں کی طرف بلانا۔ یونہی بے حیائی کے کام گانے، باجے، فلمیں، ڈرامے، ناچ، مُجرے، بد نگاہی، فحش گفتگو، گندی باتیں، ناجائز تعلقات، بُری نیت سے دیکھنا، چھونا اور بدکاری وغیرہا گناہوں کی طرف بلانا شیطان کا کام ہے۔

(15) بُرائی کی طرف بلانے میں شیطان دو گروہوں کو اِستعمال کرتا ہے، ایک اپنے ہم جنس یعنی جناتی شیطانوں کو اور دوسرا اِنسانی شیطانوں کو۔

(16) اِنسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں جیسے وہ لوگ جو کسی کو اسلامی عقیدے یا حکمِ شریعت کے خلاف کسی شے کی ترغیب دیں اور یہ لوگ بد عقیدہ علما بھی ہو سکتے ہیں اور آزاد خیالی یا روشن خیالی کے نام پر دِین اور اس کی تعلیمات کے خلاف منصوبے اور تنظیمیں بنانے والے بھی۔

(17) آدمی کو چاہیے کہ جنوں کے شیاطین کے شر سے بھی پناہ مانگے اور اِنسانوں کے شیاطین کے شر سے بھی۔

(18) سوتے وقت سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر ہاتھوں پر دَم کر کے پورے بدن پر پھیر لینا بہت مفید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنت ہے۔

(19) شیطان لوگوں کو وَرغلاتا ہے کہ لوگ خدا پر بہتان باندھیں جیسے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اَولاد ہے یا جنت صرف یہودیوں، عیسائیوں کے لئے ہے یا یہ کہ دُنیا کسی خدا نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود وجود میں آئی ہے یا ہمیشہ سے موجود ہے اور مختلف شکلوں میں ہمیشہ موجود رہے گی یا کسی ایسے کو نبی مانیں جسے خدا نے نبی نہیں بنایا جیسے قادیانی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

محاسبہ:

قرآن و حدیث نے ہمارے لیے حلال و حرام کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ حلال کی رَغبت اور حرام سے نفرت، شیوۂ مؤمن ہے، مگر فی زمانہ یہ پروا بہت کم ہوتی جا رہی ہے۔ قرآن کے فرمان اور اس کی تفسیر کی روشنی میں خود کا جائزہ لیں۔

(1) کیا ہم واقعی عملی طور پر شیطان کو اپنا دُشمن سمجھتے ہیں اور اس کی ترغیبات کو دُشمن کی چال سمجھتے ہیں؟

www.dawateislami.net

(2) کیا ہم شیطان کے حملوں کے طریقوں کا علم حاصل کرتے اور اس کے مطابق عمل کی کوشش کرتے ہیں؟

(3) ہمیں خدا نے شیطانی ہتھکنڈوں کی تفصیلات بڑی وضاحت سے بیان کر دیں، کیا ہم شیطان کا مقابلہ کرتے ہیں یا اس کے ہاتھوں کھلونا بن جاتے ہیں؟

(4) کیا خدا کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہم حرام سے بچتے اور صرف حلال کماتے اور کھاتے ہیں؟

(5) کیا ہم اپنی اَولاد اور گھر والوں کو حلال ہی کھلاتے ہیں؟

(6) ہمیں ایسے کھانوں اور کاموں سے بھی بچنے کا حکم ہے جن میں ناجائز ہونے کا شبہ ہو اور بزرگانِ دِین ایسے مشکوک اَموال سے بھی بچتے تھے، کیا ہم بھی اِن چیزوں کا خیال کرتے ہیں؟

(7) بغیر علم کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب کرنا، خدا پر جھوٹ باندھنے کی صورت ہے۔ کیا ہم ایسے کذابوں سے خود کو دور رکھتے ہیں؟ اور کیا خود ایسی باتیں منسوب کرنے سے بچتے ہیں؟

(8) کیا ہم غیر اسلامی رُسومات اور غیروں کی مُعاشرت کے اثرات کے سبب خود ساختہ چیزوں کو حرام سمجھنے کے نظریات تو نہیں رکھتے؟

(9) کیا ہم سوشل میڈیا اور دِیگر ذَرائع سے شیطانی کاروائیوں اور چالوں کو پھیلانے کا سبب تو نہیں بنتے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:3 تخلیقِ اِنسان کی اِبتدا اور تقویٰ وصلہ رحمی کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱

(پ4، النساء:1)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتوں (کو توڑنے سے بچو۔) بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! تم اپنے رَب کی فرمانبرداری کر کے اس سے ڈرو، جس نے تمہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک جان یعنی حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پیدا فرمایا اور اُن سے اُن کی زوجہ حضرت حوا کو پیدا کیا، پھر اِن دونوں سے نسل کو جاری کرتے ہوئے، دُنیا میں کثیر تعداد میں مَردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ تمہیں دوبارہ تاکیداً کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈرو جس کے نام سے تم دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو، تو خود بھی اُس کی ذات سے ڈرو اور خصوصی طور پر رِشتے داروں کے حقوق ضائع کرنے اور اُن سے تعلق توڑنے سے بھی ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اَعمال پر مطلع ہے کہ کون رِشتے داروں سے تعلق توڑتا اور کون جوڑتا ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

اِس آیتِ مبارکہ میں تمام بنی آدم کو خطاب کیا گیا ہے اور سب کو تقویٰ کا حکم دیا ہے۔

بلاغتِ قرآنی کا ایک خوبصورت نکتہ:

تقویٰ کا حکم دو مرتبہ ہے، لفظِ "رَب" کے ساتھ اور لفظِ "اللہ" کے ساتھ۔ پہلے میں جمال اور دوسرے میں جلال ہے، یعنی لفظِ "رَب" میں ترغیب ہے کیونکہ یہ لفظ مہربانی پر دَلالت کرتا ہے اور دوسرے لفظ یعنی "اللہ" میں ترہیب ہے کیونکہ وہ عظمت و ہیبت پر دَلالت کرتا ہے اور اِسی معنیٰ و مفہوم کا اِظہار اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے متعلق آیت: ﴿وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ﴾ (پ17، الانبیاء:90) ترجمہ: "اور ہمیں بڑی رغبت سے اور بڑے ڈر سے پکارتے تھے۔" میں

www.dawateislami.net

فرمایا گیا ہے۔ ترغیب وترہیب کا یہی حسین اُسلوب اِس آیت میں ہے، فرمایا:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُۙ(۴۹) وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ(۵۰) (پ14، الحجر:49-50)

ترجمہ: میرے بندوں کو خبر دو کہ بیشک میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور بیشک میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۱۶۷) (پ9، الاعراف:167)

ترجمہ: بیشک تمہارا رب ضرور جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔

تقویٰ کا حکم اِرشاد فرمانے کے بعد آیتِ مبارکہ میں چند چیزیں بیان فرمائی گئیں:

(1)... اللہ تعالیٰ نے تمام اِنسانوں کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پیدا کیا۔

(2)... حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وجود سے ان کا جوڑا یعنی حضرت حوا رضی اللہُ عنہا کو پیدا کیا۔

(3)... انہی دونوں حضرات سے زمین میں نسل دَر نسل کثرت سے مرد وعورت کا سلسلہ جاری ہوا۔

(4)... چونکہ نسلِ اِنسانی کے پھیلنے سے باہم ظلم اور حق تلفی کا سلسلہ بھی شروع ہوا، لہٰذا خوفِ خدا کا حکم دیا گیا تاکہ ظلم سے بچیں اور چونکہ ظلم کی ایک صورت اور بدتر صورت رِشتے داروں سے قطع تَعَلُّقی ہے، لہٰذا اِس سے بچنے کا حکم دیا۔

تقویٰ کا لغوی وشرعی معنیٰ:

لغوی اِعتبار سے نفس کو خوف کی چیز سے بچانا تقویٰ ہے اور شرعی طور پر اپنے نفس کو ہر اُس چیز سے محفوظ رکھنا جو اُسے گناہگار کرے، ”تقویٰ“ ہے، یعنی ممنوعات چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا، تقویٰ ہے۔ اِس سے آگے تقویٰ کا دَرجہ یہ ہے ہر اُس چیز سے اِنسان بچے جو اس کے آخرت کے ثواب ومرتبے میں کمی کا باعث ہو جیسے دُنیا میں منہمک ہونے سے بچنا کہ یہ اگرچہ گناہ نہیں لیکن آخرت میں ثواب کی کمی کا باعث ہے۔

کافروں اور مسلمانوں کے لئے تقویٰ کے حکم میں فرق:

کافروں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ وہ اِیمان لائیں اور اَعمالِ صالحہ کریں اور مسلمانوں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ اِیمان پر

www.dawateislami.net

ثابت قدم رہیں اور اَعمالِ صالحہ بجالائیں۔ ہر ایک کو اُس کے مطابق تقویٰ کا حکم ہو گا۔

تقویٰ کی سات اَقسام:

عُلَمائے کِرام نے تقویٰ کی سات اَقسام بیان کی ہیں: (1) کُفر سے بچنا (2) بدمذہبی یعنی اہلِ سنّت کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنے سے بچنا (3) ہر کبیرہ گناہ سے بچنا (4) صغیرہ گناہوں سے بھی بچنا (5) شبہات سے اِحتراز کرنا (6) شہوات سے بچنا (7) غیرِ خدا کی طرف اِلتفات یعنی توجہ کرنے سے بچنا۔ یہ اَخص الخواص کا منصب ہے اور قرآنِ عظیم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔[1]

حصولِ تقویٰ کا طریقہ:

آیت کا سب سے مَرکزی مضمون تقویٰ کا حکم ہے جسے ایک ہی آیت میں دو مرتبہ بیان کیا گیا۔ اِس لئے حصولِ تقویٰ کے طریقے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ اِس حکم پر عمل کرنا آسان ہو۔

حصولِ تقویٰ کا سب سے مؤثّر ذَریعہ نیک صحبت:

تقویٰ کے طریقوں میں سب سے مؤثّر طریقہ متقی لوگوں کی صحبت ہے کہ صحبت نہایت مؤثّر چیز ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے اعلیٰ دَرجے کے متقی ہونے کا سب سے بڑا ذَریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صحبت ہی تھی اور اس پاکیزہ صحبت کا اثر کس حد تک ہوتا تھا اِس کے لئے دو واقعات ملاحظہ کریں:

صحبتِ نبوی کی عظیم تاثیر کا ایک واقعہ:

حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ مجھ سے ملے اور دَریافت کیا: حنظلہ! تم کیسے ہو؟ میں نے کہا: حنظلہ منافق ہو گیا ہے، (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ نے) کہا: سبحان اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہم رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت اور دوزخ کی یاد دِلاتے ہیں حتی کہ ایسے لگتا ہے گویا ہم (جنت و جہنم کو) اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، (لیکن) پھر جب ہم رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ہاں سے نکلتے ہیں تو بیوی، بچوں اور کھیتی باڑی وغیرہا میں مگن ہو جاتے ہیں اور بہت سی چیزیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ نے (یہ سن کر) فرمایا: اللہ کی قسم! یہی کچھ ہمیں بھی پیش آتا ہے، (حضرت حنظلہ فرماتے ہیں کہ) پھر

1 ..... خزائن العرفان، پ1، البقرۃ، تحت الآیۃ: 2، ص4۔

www.dawateislami.net

میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہُ عنہ چل پڑے اور رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رَسُول! حنظلہ منافق ہو گیا ہے، رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: ایسا کیا مُعاملہ ہے؟ میں نے عرض کی: اللہ کے رَسُول! ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت اور دوزخ کی یاد دِلاتے ہیں، تو حالت یہ ہوتی ہے گویا ہم (جنت اور دوزخ کو) اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب ہم آپ کے ہاں سے باہر نکلتے ہیں تو بیویوں، بچوں اور کام کاج کی دیکھ بھال میں لگ جاتے ہیں۔ ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ اس پر رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے تین بار اِرشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم ہمیشہ اسی کیفیت میں رہو جس طرح میرے پاس ہوتے اور ذِکر میں لگے رہتے ہو تو تمہارے بچھونوں پر اور تمہارے راستوں میں فرشتے (آکر) تمہارے ساتھ مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ! کوئی گھڑی کسی طرح ہوتی ہے اور کوئی گھڑی کسی (اور) طرح۔[1]

صحبتِ نبوی کی عظیم تاثیر کا دوسرا واقعہ:

حضرت حارث بن مالک اَنصاری رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قریب سے گزرے تو رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اے حارث بن مالک! تم نے کس حال میں صبح کی؟ آپ رضی اللہُ عنہ نے عرض کی: میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ آپ نے فرمایا: یقیناً ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے اِیمان کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حارث رضی اللہُ عنہ نے عرض کی: میں نے اِس حال میں صبح کی کہ میرے نفس نے دُنیا سے کنارہ کشی اِختیار کی، پس میں نے راتوں میں خود کو جگایا اور دِن میں خود کو پیاسا رکھا۔ گویا کہ میں اپنے رَب کے عرش کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ حساب لینے کے لیے ظاہر ہو گیا۔ اور گویا کہ میں اہلِ جنَّت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنَّت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں اور گویا کہ میں اہلِ جہنم کی چیخ و پکار کی آواز سن رہا ہوں، راوی کہتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اُن سے اِرشاد فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے کہ اِیمان نے اِس کے دِل میں نور کو بھر دیا ہے۔ اگر تو نے اس کو پہچان لیا تو پھر اس کو لازم پکڑو۔[2]

حصولِ تقویٰ کا دوسرا مؤثّر ذَریعہ، فکرِ آخرت:

نیک صحبت کے بعد تقویٰ کے حصول کا ایک مؤثّر طریقہ "قیامت کی پیشی" اور "حساب" کو یاد کرتے رہنا ہے،

1 ..... مسلم، ص1128، حدیث:6966۔
2 ..... مصنف ابنِ ابی شیبہ، 15/622، حدیث:31064۔

www.dawateislami.net

کیونکہ جب اِنسان قیامت کے ہولناک اور وَحشت ناک مناظر کو یاد کرتا ہے کہ مجھے حساب و کتاب کے لیے محشر کی جانب لے جایا جائے گا اور وہاں میرے ہر ظاہری اور پوشیدہ عمل کو سامنے رکھ دیا جائے گا، پھر ہر قول و فعل کا جواب دینا پڑے گا، تو یہ تصور اِنسان کے دِل میں خشیتِ الٰہی پیدا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں تقویٰ پیدا ہوتا اور اِنسان عبادات کی طرف بڑھتا ہے۔

قیامت کی منظر کشی سے لوگوں کو ڈرانا:

قرآنِ مجید میں بار بار "قیامت کی پیشی" اور "حساب و کتاب" کا بیان کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اس دِن سے ڈریں اور اس کی تیاری کے لئے گناہوں کو چھوڑ کر نیک اَعمال کی طرف آئیں۔ ایک مقام پر قیامت کا منظر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَوْمَىٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ(۴) بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ(۵) یَوْمَىٕذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ(۶) فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ(۷) وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۧ(۸) (پ 30، الزلزال: 4 تا 8)

ترجمہ: اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لیے کہ تمہارے رب نے اسے حکم بھیجا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔ اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔

اِنسانی اَعضا کی گواہی:

پھر ایک جگہ فرمایا کہ اِنسانی اَعضا خود گواہی دیں گے کہ اُنہوں نے دُنیا میں کیا کام کیے، چنانچہ فرمایا:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ(۶۵) (پ 23، یٰس: 65)

ترجمہ: آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

نامۂ اَعمال کھلنے پر مجرموں کا واویلا:

ایک مقام پر نامۂ اَعمال کے کھلنے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ کے سامنے آنے پر مجرموں کے واویلا کرنے کو یوں بیان کیا گیا:

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ

ترجمہ: اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس میں جو (لکھا ہوا) ہو گا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں

www.dawateislami.net

صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۠(۴۹)

(پ 15، الکہف:49)

گے: ہائے ہماری خرابی! اس نامہ اعمال کو کیا ہے کہ اس نے ہر چھوٹے اور بڑے گناہ کو گھیرا ہوا ہے اور لوگ اپنے تمام اعمال کو اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

حساب سے پہلے خود اپنا حساب کرلو:

صحابہ کِرام، سلف صالحین اور بزرگانِ دِین رِضوانُ اللہِ علیہم اجمعین قرآنِ مجید کی یہی تعلیم اپنی زندگی میں بیان فرماتے رہے، جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہُ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اِرشاد فرمایا: اے لوگو! تم حساب لیے جانے سے پہلے اپنے آپ کا محاسبہ کرلو اور (اَعمال کا) وزن کیے جانے سے پہلے اپنے اَعمال کا وزن کرلو اور اس دن کی بڑی پیشی کی تیاری کرلو، جس دن تم سب (اللہ کی بارگاہ میں) اِس حال میں پیش کیے جاؤ گے کہ تم میں سے کسی کی کوئی پوشیدہ حالت چُھپ نہ سکے گی۔[1]

تخلیقِ بشر کے بیان میں چار اَہم درس:

پہلا درس:

نسلِ اِنسانی کی اِیجاد و بقا میں قدرتِ اِلٰہی کا ظہور بھی ہے کہ کیسے ایک جان سے اَربوں اِنسان وجود میں آئے اور اِنسانوں کی پیدائش کا کیسا سبب بنایا کہ معمولی سی شے سے شاندار اِنسان وجود میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝۲ (پ29، الدھر:2)

ترجمہ: بیشک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا تاکہ ہم اس کا امتحان لیں تو ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنادیا۔

دوسرا درس:

اِنسانوں میں دو قدریں مشترک ہیں: ایک یہ کہ سب کا خالق اور پروردگار اللہ ہے، دوسرا یہ کہ دونوں آدم و حوا کی اَولاد ہیں لہٰذا اِن دو مشترک قدروں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تمام اِنسان ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں۔ مخلوقِ خدا کے اِسی باہمی اِشتراک کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِیَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِیَالِهٖ ترجمہ: مخلوق سب کی سب اللہ تعالیٰ کی عیال (زیر کفالت) ہے اور اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب

1 ..... مصنف ابنِ ابی شیبہ، 19/143، حدیث:35600۔

www.dawateislami.net

سے زیادہ پسندیدہ بندہ وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کی عیال (مخلوق) کو نفع پہنچانے والا ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہُ عنہما سے رِوایت ہے، رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ ترجمہ: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان کا مالک تم پر رحم فرمائے گا۔[2]

اور حضرت جابر رضی اللہُ عنہ رِوایت کرتے ہیں کہ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ یَاْلَفُ وَیُؤْلَفُ، وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلَفُ، وَلَا یُؤْلَفُ، وَخَیْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ ترجمہ: مومن دوسروں سے اُلفت کرتا ہے اور دوسرے اس سے اُلفت کرتے ہیں اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ دوسروں سے اُلفت کرے اور نہ دوسرے اُس سے اُلفت کریں اور لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔[3]

تیسرا درس:

نسلِ اِنسانی کے شروع کرنے اور اسے باقی وجاری رکھنے میں مرد وعورت دونوں کا حصہ ہے، لہٰذا ذِمَّہ داریوں کی تقسیم اور اِنتظامی مُعاملات میں مرد کو بڑا ذِمَّہ دار بنایا گیا ہے، لیکن ایسا ہرگز نہ ہو کہ عورت کو حقیر اور کم تر سمجھا جائے بلکہ ضروری ہے کہ اسے پوری پوری عزت دی جائے۔ اللہ پاک کی حکمتِ کاملہ یہ ہے کہ اس نے نسلِ اِنسانی کی بقا کے لئے مرد وعورت دونوں کو حصہ دار بنایا اور ان کی ذِمَّہ داریوں کو تقسیم فرمایا کہ مرد حاکم اور رِزق کی تلاش میں رہے اور عورت گھر کے مُعاملات اور بچوں کی پرورش کرے، اِن سب معاملات سے ہٹ کر عورت کو حقیر تصور کرنا اور اس کے حقوق کو ہلکا جاننا یہ اِسلام کے خلاف ہے۔ اِسلام نے عورت کو اعلیٰ مقام دیا ہے، اِسلام نے عورت کو ہر اِعتبار سے عزت دی ہے: عورت ماں کی صورت میں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے، اگر بیٹی ہے تو رَحمت اور باپ کے لیے جنَّت کا سامان ہے۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنی اَزواجِ مطہرات رضی اللہُ عَنہُنَّ سے حُسنِ سلوک کرکے بیوی کی عظمت کا اِظہار فرمایا۔

چوتھا درس:

عورت کا وجود مرد سے ہے، اِس لئے مرد وعورت کی تکمیل وتسکین ایک دوسرے سے ہوتی ہے، ماں بیٹی اور بہن

---

1 ..... شعب الایمان، 6/43، حدیث: 7446۔
2 ..... سنن کبریٰ للبیہقی، 9/71، حدیث: 17905۔
3 ..... معجم اوسط، 4/222، حدیث: 5787۔

www.dawateislami.net

بھی اِنسان کے ذہنی، مُعاشرتی اور قلبی سکون کا ذَریعہ ہیں کیونکہ ان کی بے لوث محبت، اِنسان کو خوشی دیتی، ہمت بڑھاتی اور زندگی آسان کرتی ہے، جبکہ بیوی کو بطورِ خاص مرد کی تسکین کے لئے پیدا کیا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے سکون حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

(پ 21، الروم: 21)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

اِنسانوں کی اِبتدا کس سے ہوئی؟

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اِنسانوں کی اِبتدا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ہوئی اور اِسی لیے آپ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو اَبُو البشر یعنی اِنسانوں کا باپ کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے اِنسانیت کی اِبتدا ہونا بڑی قوی دلیل سے ثابت ہے، مثلاً دُنیا کی مردم شماری سے پتا چلتا ہے کہ آج سے سو سال پہلے دُنیا میں اِنسانوں کی تعداد آج سے بہت کم تھی اور اس سے سو برس پہلے اور بھی کم تو اس طرح ماضی کی طرف چلتے چلتے اِس کمی کی اِنتہا ایک ذات قرار پائے گی اور وہ ذات حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام ہیں یا یوں کہیے کہ قبیلوں کی کثیر تعداد ایک شخص پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں، مثلاً سیّد دُنیا میں کروڑوں پائے جائیں گے، مگر اُن کی اِنتہا رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ایک ذات پر ہو گی، یونہی بنی اِسرائیل کتنے بھی کثیر ہوں، مگر اِس تمام کثرت کا اِختتام حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ایک ذات پر ہو گا۔ اب اسی طرح اور اوپر کو چلنا شروع کریں تو اِنسان کے تمام کنبوں، قبیلوں کی اِنتہا ایک ذات پر ہو گی اور یہ وہی ذات ہے جس کا نام تمام آسمانی کتابوں میں آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام ہے اور یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک شخص پیدائش کے موجودہ طریقے سے پیدا ہوا ہو، یعنی ماں باپ سے پیدا ہوا ہو، کیونکہ اگر اس کے لیے باپ فرض بھی کیا جائے، تو ماں کہاں سے آئے اور پھر جسے باپ مانا وہ خود کہاں سے آیا؟ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی پیدائش بغیر ماں باپ کے ہو اور جب بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا، تو بالیقین وہ اِس طریقے سے ہٹ کر پیدا ہوا اور وہ طریقہ قرآن نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے پیدا کیا جو اِنسان کی موجودہ رہائش یعنی دُنیا کا بنیادی جز ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ایک اِنسان یوں وجود میں آگیا تو دوسرا ایسا وجود چاہیے جس

www.dawateislami.net

سے نسلِ اِنسانی چل سکے، تو دوسرے کو بھی پیدا کیا گیا، لیکن دوسرے کو پہلے کی طرح مٹی سے بغیر ماں باپ کے پیدا کرنے کی بجائے جو ایک اِنسانی شخص موجود تھا، اُسی کے وجود سے پیدا فرمادیا، کیونکہ ایک شخص کے پیدا ہونے سے نوع موجود ہو چکی تھی، چنانچہ دوسرا وجود پہلے وجود سے کچھ کم تر اور عام اِنسانی وجود سے بلند تر طریقے سے پیدا کیا گیا، یعنی حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی نیند کے دَوران ان کی ایک بائیں پسلی نکالی اور اُس سے اُن کی بیوی حضرت حوا رضی اللہُ عنہا کو پیدا کیا گیا۔ چونکہ حضرت حوا رضی اللہُ عنہا مرد و عورت والے باہمی ملاپ سے پیدا نہیں ہوئیں، اس لیے وہ اَولاد نہیں ہو سکتیں۔ خواب سے بیدار ہو کر حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اپنے پاس حضرت حوا رضی اللہُ عنہا کو دیکھا تو ہم جنس کی محبت دِل میں پیدا ہوئی، پھر آپ علیہ السّلام نے حضرت حوا رضی اللہُ عنہا سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا: عورت۔ فرمایا: کس لیے پیدا کی گئی ہو؟ عرض کی: آپ کی تسکین کی خاطر، چنانچہ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اُن سے مانوس ہو گئے۔[1]

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَؕ﴾ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رِشتوں کا لحاظ رکھو۔

اِرشاد فرمایا کہ اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس کے نام سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو یعنی کہتے ہو کہ اللہ کے واسطے مجھے یہ دو، وہ دو۔ نیز رِشتے داری توڑنے کے مُعاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یہاں اللہ سے ڈرنے اور رِشتے داری توڑنے سے ڈرنے اور بچنے کو ساتھ ساتھ ذِکر کیا گیا۔

رِشتہ داری توڑنے کی مذمت:

قرآنِ مجید اور اَحادیثِ مبارکہ میں رِشتہ داری توڑنے کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِۙ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۝۲۵

ترجمہ: اور وہ جو اللہ کا عہد اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کیلئے لعنت ہی ہے اور اُن کیلئے بُرا گھر ہے۔ (پ 13، الرعد: 25)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے، رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جس قوم میں

1 ..... تفسیر خازن، پ4، النساء، تحت الآیۃ: 1، 1/340۔

www.dawateislami.net

رِشتہ داری توڑنے والا ہوتا ہے اُس پر رَحمت نہیں اُترتی۔[1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جس گناہ کی سزا دُنیا میں بھی جلد دے دی جائے اور آخرت میں بھی (مرتکب کے لئے) عذاب رہے، بغاوت اور قَطعِ رَحمی سے زیادہ کوئی گناہ اِس سزا کے لائق نہیں۔[2]

رِشتہ داری جوڑنے کی فضیلت:

ہمارا دینِ کامل رِشتہ جوڑنے، قطع تعلقی سے بچنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم اِرشاد فرماتا ہے، لہٰذا رِشتہ داروں سے خندہ پیشانی سے ملنا، مالی مشکلات میں ان کی مدد کرنا، دُکھ سُکھ میں شرکت کرکے اُن کی دِلجوئی کا سامان کرنا، یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہے اور رِشتہ جوڑنا اِس قدر مفید ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: رِشتے جوڑنا گھر والوں میں مَحَبَّت، مال میں برکت اور عمر میں دَرازی لاتا ہے۔[3] یونہی "صحیح البخاری" میں فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہے: جو چاہے کہ اُس کے رِزق میں وُسعت دی جائے اور اس کی موت میں دیر کی جائے تو وہ صِلہ رحمی کرے۔[4]

لوگوں کے جھگڑے ختم کروا کر ان میں صلح صفائی کروانے کی فضیلت:

نبیِ رَحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا کہ (اے صحابہ!) کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور صدقہ سے زیادہ فضیلت والا عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! ضرور بتایئے، فرمایا: وہ عمل آپس میں روٹھنے والوں میں صلح کرادینا ہے، کیونکہ ناراض لوگوں میں ہونے والا فساد، بھلائی کو کاٹ دیتا ہے۔[5]

رِشتہ داریاں ٹوٹنے کے اَسباب اور بچنے کا طریقہ:

مُعاشرے میں ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے رِشتے مختلف خوشنما رنگوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ مُعاشرے میں اِنسانیت کا وجود باہمی رِشتوں میں پائے جانے والے پیار، اپنائیت، اُنسیت اور خوشگوار تعلق سے ہی باقی ہے۔ جہاں ایک جانب رِشتوں کا تقدس مُعاشرے کو پُرکشش رکھتا ہے، تو دوسری طرف رِشتوں کی پامالی اور قطع تعلقی کے نتیجے میں

1 ..... شعب الایمان، 6/223، حدیث: 7962۔
2 ..... ترمذی، 4/229، حدیث: 2519۔
3 ..... ترمذی، 3/394، حدیث: 1986۔
4 ..... بخاری، 4/97، حدیث: 5985۔
5 ..... ابوداؤد، 4/365، حدیث: 4919۔

www.dawateislami.net

مُعاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا اور خوبصورت رِشتے بدنما روپ اِختیار کر لیتے ہیں۔

ہمارے مُعاشرے میں رِشتوں کے ٹوٹنے اور آپس میں رَنجشیں پیدا ہونے کے بہت سے اَسباب ہیں:

رِشتہ داریاں ٹوٹنے کا ایک سبب، آپس کے جھگڑے ہیں:

لوگوں کی عام حالت یہ ہے کہ وہ کم علمی، غلط فہمی، عدمِ تربیت یا پھر اپنی اَنا کے سبب بات بات پر رِشتوں کو توڑتے اور جھگڑوں میں پڑتے ہیں، ایسے مُعاشرے میں حل یہ ہے کہ اپنی طرف سے بحث اور جھگڑا بند کر دیں اور اس پر خاموشی اِختیار کریں۔ آدمی غلطی پر ہو اور خاموشی اِختیار کر لے تو یہ بات واضح ہی ہے لیکن اگر آدمی حق پر ہو اور کوئی بڑا مسئلہ یا نقصان نہ ہو تو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے دور ہو جائے اور منہ پھیر لے، تو یہ بہت عظیم عمل اور قرآن و سنت کی اعلیٰ تعلیم کے مطابق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (پ 19، الفرقان: 63)

ترجمہ: اور رَحمٰن کے وہ بندے جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں "بس سلام۔"

اور فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾﴾ (پ 19، الفرقان: 72) ترجمہ: "اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ بات کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنی عزت سنبھالتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔"

یہی تعلیم رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمائی ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے، رَسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور جھوٹ باطل ہی ہے (یعنی جھوٹ چھوڑنے کی چیز ہی ہے) اُس کے لیے جنَّت کے کنارے میں ایک مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑا حالانکہ وہ حق پر ہو یعنی حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہیں کرتا، اُس کے لیے جنت کے وَسط میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے اپنے اَخلاق اچھے کیے، اُس کے لیے جنت کے اعلیٰ دَرجے میں مکان بنایا جائے گا۔[1]

اِسی مفہوم کی ایک بڑی خوبصورت رِوایت ہے جسے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہُ عنہ رِوایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص نے دوسرے شخص کو بُرا بھلا کہا تو جسے بُرا بھلا کہا گیا، اس نے یہ کہنا شروع کر دیا: تم پر سلام ہو۔ اِس پر رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: سنو! تم دونوں کے

1 ..... ترمذی، 3/400، حدیث: 2000۔

www.dawateislami.net

درمیان ایک فرشتہ ہے جو (اے بُرا بھلا کہے گئے شخص!) تمہاری طرف سے دِفاع کرتا ہے۔ جب یہ تمہیں بُرا بھلا کہتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے: نہیں، بلکہ تم ایسے ہو اور تم اس کے زیادہ حق دار ہو، اور جب تم اس سے کہتے ہو "تم پر سلام ہو" تو فرشتہ کہتا ہے: نہیں، بلکہ تمہارے لئے سلامتی ہو اور تم اس کے زیادہ حق دار ہو۔[1]

رِشتہ داریاں ٹوٹنے کا دوسرا سبب:

رِشتوں کے ٹوٹنے کا دوسرا بڑا سبب اَذیت پہنچانے کا رَویہ ہے: جب مختلف اَفراد ایک اِدارے، گھر، دکان، فیکٹری یا درس گاہ وغیرہا میں ہوتے ہیں تو وہاں قول و عمل سے دوسرے کو تکلیف پہنچ جانا بہت ممکن ہوتا ہے۔ گھروں میں ایسے رویے کے مستقل ہو جانے کے سبب رِشتوں کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں پیدا ہوتی اور رَنجشیں جنم لیتی ہیں، اِس صورتِ حال سے بچنے اور رِشتوں کو جوڑے رکھنے کے لیے جو سب سے بڑا حل ہے، وہ یہ کہ زبان، ہاتھ یا کسی بھی طرح دوسروں کو تکلیف دینے سے خود کو بچایا جائے اور دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچے تو "صبر"، "ضبط" اور "برداشت" کا رَویہ اِختیار کیا جائے۔ "بہترین مسلمان" اُسے ہی قرار دیا گیا جو لوگوں کے دَرمیان رہے، لیکن ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر اور برداشت سے کام لے، چنانچہ "سنن الترمذی" میں فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہے: وہ مسلمان جو لوگوں میں رہے اور اُن کی طرف سے ملنے والی اِیذا پر صبر کرے، اُس مسلمان سے بہت بہتر ہے کہ جو نہ لوگوں میں رہے اور نہ ہی ملنے والی اِیذا پر صبر کا موقع پائے۔[2]

رِشتہ داریاں ٹوٹنے کا تیسرا سبب:

ہمارے عائلی زندگیوں میں پیدا ہونے والے اِختلافات اور جھگڑوں کی ایک وجہ مُعاشرتی اُصولوں پر عمل نہ ہونا بھی ہے جیسے ایک اُصول ہے: "تَعَاشَرُوْا كَالْاِخْوَانِ وَتَعَامَلُوْا كَالْاَجَانِبِ آپس کے عام زندگی کے میل ملاپ میں بھائیوں کی طرح رہو اور جب لین دَین اور معاملات پیش آئیں تو اَجنبیوں کی طرح معاملہ کرو۔" یعنی جب بھی آپس میں کوئی مالی، کاروباری معاملہ کرنا ہو تو کسی طرح کا اِبہام و اِجمال باقی نہ رہے، بلکہ بالکل واضح اور صاف اَنداز میں عقد کیا جائے۔ ہمارے ہاں مختلف کاروباری معاملات، تقسیمِ وراثت، مشترکہ کاروبار اور اِس طرح کے دِیگر معاملات میں اَوّلاً

1 ..... مسند امام احمد، 9/191، حدیث: 23806۔
2 ..... ترمذی، 4/227، حدیث: 2515۔

www.dawateislami.net

رِشتہ داری یا مروَّت کی وجہ سے معاملے کی حیثیت واضح نہیں رکھی جاتی اور بعد میں یہی اِجمال رَنجشوں کے پیدا ہونے اور رِشتوں کے ٹوٹنے کا سبب بن جاتا ہے۔اِسی لیے ہمارا دینِ کامل معاملے کی حیثیت، فریقین کے کردار، مستقبل کے ممکنہ خدشات، نفع نقصان کے تناسب وغیرہ کے ذَریعے لین دین کے مُعاملے کو ہر طرح کی پیچیدگی اور اِبہام سے خالی رکھنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ بعد میں فریقین کے نزاع اور جھگڑے کا سبب نہ بنے۔

رِشتہ داریاں ٹوٹنے کے مزید اَسباب:

مذکورہ اَسباب کے علاوہ دوسروں کی زندگی میں بے جا مداخلت، حسد، ضِد اور مقابلے کا غیر ضروری رُجحان بھی رِشتوں کے ٹوٹنے کا سبب بنتا ہے۔یونہی آج کل کے دور میں میاں بیوی کے رِشتوں کے ٹوٹنے میں سوشل میڈیا اور ڈراموں کی پھیلائی ہوئی آوارگی کا بھی بہت عمل دَخل ہے۔اِسی طرح دوسروں سے نامناسب مذاق، وعدہ خلافی اور غلط بیانی بھی رِشتوں کے ٹوٹنے کے اَسباب میں قابلِ ذِکر ہیں۔اِن تمام اُمور کے متعلق دینِ اسلام کی تعلیمات بہت واضح ہیں، مثلاً جس معاملے سے ہمارا تعلق نہیں اس کی ٹوہ میں نہ پڑیں، حسد سے بچیں، دُنیاداری میں مقابلہ نہ کریں، ایسی چیزیں دیکھنے سے بچیں جو اپنے گھر یا بیوی میں موجود نہ ہونے پر بدمزگی کا سبب بنیں، وعدہ خلافی اور جھوٹ سے بچیں، یونہی مذاق اُڑانے سے بچیں۔رَسُولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا نہ کرو، نہ اُس سے ایسا مذاق کرو جس سے اُس کو اَذیت پہنچے اور نہ ایسا وعدہ کرو جسے پورا نہ کر سکو۔[1] اللہ تعالیٰ ہمیں صلہ رحمی کرنے اور قطع تعلقی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾ بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

یہ دو باتوں کی طرف اِشارہ ہے، ایک یہ کہ خدا ہر حال و عمل و مصلحت و حکمت کو جاننے والا ہے، لہٰذا اس کے اَحکام ہی میں تمہاری فلاح ہے۔دوسرا یہ کہ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے تو حساب بھی پورا پورا لے گا لہٰذا اس سے ڈرو۔اسی آیت کو دِل و دماغ میں بٹھا لیا جائے تو خوفِ خدا بآسانی پیدا ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام:

(1)اِس آیت میں تخلیقِ اِنسان کی اِبتدا کو بیان کیا گیا ہے اور تقویٰ وصلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے۔

---

1 ..... ترمذی، 3/400، حدیث: 2002۔

www.dawateislami.net

(2)آیت میں تقویٰ کا حکم دو مرتبہ ہے،لفظِ ”رَب“ کے ساتھ اور لفظِ ”اللہ“ کے ساتھ۔ پہلے میں جمال اور دوسرے میں جلال ہے، یعنی لفظِ ”رَب“ میں ترغیب ہے کیونکہ یہ لفظ مہربانی پر دَلالت کرتا ہے اور دوسرے لفظ یعنی ”اللہ“میں ترہیب ہے کیونکہ وہ عظمت و ہیبت پر دَلالت کرتا ہے۔

(3)لغوی اِعتبار سے نفس کو خوف کی چیز سے بچانا تقوٰی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے اپنے نفس کو ہر اُس چیز سے محفوظ رکھنا کہ جو اُسے گناہگار کرے، ”تقویٰ“ ہے، یعنی ممنوعات چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا، تقویٰ ہے۔

(4)کافروں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ وہ اِیمان لائیں اور اَعمالِ صالحہ کریں اور مسلمانوں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ اِیمان پر ثابت قدم رہیں اور اَعمالِ صالحہ بجالائیں۔

(5)عُلَمائے کِرام نے تقویٰ کی سات اَقسام بیان کی ہیں:(1)کُفر سے بچنا(2)بدمذہبی سے بچنا(3)ہر کبیرہ گناہ سے بچنا(4)صغیرہ گناہوں سے بھی بچنا(5)شبہات سے اِحتراز کرنا(6)شہوات سے بچنا(7)غیر کی طرف اِلتفات یعنی توجہ کرنے سے بچنا۔ یہ اَخص الخواص کا منصب ہے اور قرآنِ عظیم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔[1]

(6)تقویٰ کے طریقوں میں سب سے مؤثّر طریقہ متقی لوگوں کی صحبت ہے کہ صحبت نہایت مؤثّر چیز ہے اور صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے اعلیٰ دَرجے کے متقی ہونے میں سب سے بڑی شے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صحبت ہی تھی۔

(7)نیک صحبت کے بعد تقویٰ کے حصول کا ایک مؤثّر طریقہ ”قیامت کی پیشی“ اور ”حساب“ کو یاد کرتے رہنا ہے۔

(8)اِنسانوں میں دو قدریں مشترک ہیں، ایک یہ کہ سب کا خالق اور پروردگار اللہ ہے، دوسرا یہ کہ دونوں آدم و حوا کی اَولاد ہیں، لہٰذا اِن دو مشترک قدروں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تمام اِنسان ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں۔

(9)نسلِ اِنسانی کی شروع اور بقا میں مرد و عورت دونوں کا حصہ ہے، لہٰذا ذِمّہ داریوں کی تقسیم جدا جدا اور اِنتظامی معاملات میں اِختیارات اور چیز ہے لیکن کسی وجہ سے عورت کو حقیر نہ سمجھا جائے بلکہ عزت دی جائے۔

(10)مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اِنسانوں کی اِبتدا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ہوئی اور اسی لیے آپ کو اَبُوالبشر یعنی اِنسانوں کا باپ کہا جاتا ہے اور حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے اِنسانیت کی اِبتدا ہونا بڑی قوی دَلیل سے ثابت ہے۔

---

1 ..... خزائن العرفان، پ1، البقرۃ، تحت الآیۃ:2، ص4۔

www.dawateislami.net

(11) رِشتہ داروں سے خندہ پیشانی سے ملنا، مالی مشکلات میں ان کی مدد کرنا، دُکھ سُکھ میں شرکت کر کے اُن کی دِلجوئی کا سامان کرنا، یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہے۔

(12) ہمارے مُعاشرے میں رِشتوں کے ٹوٹنے اور آپس میں رَنجشیں پیدا ہونے کا ایک بہت بڑا سبب آپس کے جھگڑے ہیں۔ ایسے معاشرے میں حل یہ ہے کہ اپنی طرف سے بحث اور جھگڑا بند کر دیں اور اس پر خاموشی اِختیار کریں۔

(13) رِشتوں کے ٹوٹنے کا دوسرا بڑا سبب ایک فرد کو دوسرے فرد سے تکلیف پہنچنا ہے، اِس اِیذا کے سبب ہمارے رِشتوں کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں پیدا ہوتی ہیں اور رَنجشیں جنم لیتی ہیں، لہٰذا رِشتوں کو جوڑے رکھنے کے لیے عمدہ حل یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دیں اور اگر کوئی تکلیف دے تو "صبر"، "ضبط" اور "برداشت" کو اِختیار کیا جائے۔

(14) معاشرتی اِعتبار سے آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں لیکن مالی معاملات اور لین دَین میں ہر شے بہت واضح ہونی چاہیے۔

(15) دوسروں کی زندگی میں بے جا مداخلت، حسد، ضِد اور مقابلے کا غیر ضروری رُجحان بھی رِشتوں کے ٹوٹنے کا سبب بنتا ہے۔

محاسبہ:

(1) کیا ہماری زندگی میں حقیقی طور پر تقویٰ داخل ہے؟

(2) کیا تقویٰ کے دَرجات ہمیں معلوم ہیں اور ہم اعلیٰ سے اعلیٰ دَرجے کے لیے کوشش کرتے ہیں؟

(3) کیا تقویٰ پانے کے لئے ہم اچھی صحبت اِختیار کرتے ہیں؟

(4) کیا تقویٰ پانے کے لیے ہم قیامت کی ہولناکیاں یاد کرتے ہیں؟

(5) کیا اپنے اَعمال کا محاسبہ کرنا ہماری زندگی میں شامل ہے؟

(6) کیا ہم رِشتہ داروں سے خندہ پیشانی سے ملتے، مالی مشکلات میں اُن کی مدد کرتے اور دُکھ سُکھ میں شرکت کر کے اُن کی دِل جُوئی کرتے ہیں؟

(7) کیا بِلا عذرِ شرعی، رِشتے داروں سے ہمارے تعلقات خراب تو نہیں؟

(8) خاندان میں جن اَسباب سے رِشتوں اور تعلقات میں توڑ پھوڑ اور تناؤ ہوتا ہے، کیا ہم اُن سے بچنے کی کوشش

www.dawateislami.net

کرتے ہیں؟

(9) کیا ہمارے مزاج میں صبر، ضبط اور برداشت کا عنصر موجود ہے؟

(10) کیا ہم نے کبھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق بجانب ہونے کے باوجود خاموش ہو کر بحث کو ختم کرنے کی کوشش کی؟

(11) کیا ہماری عادتوں، طریقوں اور رَویوں میں ایسی چیزیں تو شامل نہیں کہ جن سے رِشتوں کی دیواریں کمزور اور رَنجشیں پیدا ہوتی ہوں؟

(12) کیا ہم دوسروں کی زندگی میں بے جا مداخلت کرنے اور تجسس جیسے قبیح رُجحانات تو نہیں رکھتے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دِل کا تقویٰ اور رِشتوں کی اَہمیت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:4 رَسُولِ خدا، محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری اور ان پر اِیمان لانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۱۷۰

(پ6، النساء:170)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تشریف لائے تو ایمان لاؤ، تمہارے لئے بہتر ہو گا اور اگر تم کفر کرو گے تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

اجمالی تفسیر:

اے تمام جہان کے لوگو! یہ رَسُول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمہارے رَب کی طرف سے تمہارے پاس سچی باتوں اور سچے دِین کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اِن کی رِسالت کی حقانیت پر آیات و معجزات کی کامل دلالت کے بعد عقل کا تقاضا یہی ہے کہ تم سب ان پر اور جو وہ فرمائیں اُس پر فوراً ایمان لاؤ، یہ تمہارے لیے ہر اِعتبار سے بہتر اور آخرت میں باعثِ نجات ہو گا، لیکن اگر تم نے اِنکار کیا، تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہے کہ خدا تو بے نیاز ہے، کیونکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ اُسی عظیم الشان مالِک و قادِر، رَبِ ذوالجلال کا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے کفر و ایمان، سب کی خبر ہے اور اُس کا کوئی حکم "حکمت" سے خالی نہیں ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تشریف لائے۔

زمانۂ فَتْرت (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی تشریف آوری کے بعد کسی بھی نبی کے نہ آنے کے زمانے) کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری عظیم اِحسانِ الٰہی تھا اور اِس آیت میں تمام بنی نوعِ انسان کو یہ عظیم خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اے لوگو! خدا کے سچے رَسُول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حق کے ساتھ تشریف لا چکے، لہٰذا ان پر ایمان لے آؤ، اِس میں تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے، جبکہ اِیمان نہ لانے میں تمہارا ہی نقصان ہے، خاتَمُ المُرسَلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اِس سے کوئی ضرر نہیں کہ ان کا ثواب ان کے رَب کے ذِمّۂ کرم پر ہے اور نہ ہی خدا کو تمہارے کفر سے کوئی نقصان ہے

www.dawateislami.net

کیونکہ آسمان وزمین کا مالک، پروردگارِ عالَم، سارے جہان سے اور تمہارے اِیمان سے بے نیاز ہے۔

زمانہ فترت:

حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بعد رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانہ تک پانچ سو انہتر (569) برس کی مدت کسی بھی نبی کی تشریف آوری سے خالی رہی، اِس دَرمیانی مدت کا نام "زمانہ فترت" ہے۔ مزید تفصیل تھوڑا سا آگے بیان ہوئی ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا گیا:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ۫ (پ6، المائدۃ: 19)

ترجمہ: اے کتاب والو! بیشک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے، وہ رسولوں کی تشریف آوری بند ہو جانے کے عرصہ بعد تم پر ہمارے احکام ظاہر فرمارہے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا آیا ہی نہیں۔

اِس آیت میں اہلِ کتاب کو رَبّ تعالیٰ کے عظیم ترین اِحسان کی طرف توجہ دِلائی جارہی ہے کہ ایک طویل مدت کے بعد سیدُ المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری تو ایسی نعمت ہے جیسے شدید پیاس میں خوشگوار، جاں بخش ٹھنڈا پانی یا شدید گرمی، تپش اور حَبس میں خوشگوار بارش، تو ایسی اِنتہائی حاجت کے وقت تم پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت بھیجی گئی تو تمہیں اِس کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ اب تو تمہارے پاس یہ کہنے کا موقع بھی نہیں رہا کہ ہمارے پاس کوئی تَنْبِیہ کرنے والے تشریف نہیں لائے تھے۔

زمانہ فترت کی مدت:

اہلِ عرب کے لئے اس زمانے کی مدت حضرت اِسماعیل علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے لے کر رَسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک تھی اور اِن کے علاوہ دِیگر لوگوں کے لئے وہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بعد سے حضور سیّد المرسَلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بِعثَت تک تھا کہ اِس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رَسُول نہیں آیا۔[1] حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بعد دُنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے علاوہ کسی نبی کے تشریف نہ لانے کی صراحت اِس حدیثِ پاک میں بھی موجود ہے، چنانچہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: میں دُنیا اور آخرت میں حضرت عیسیٰ بن مریم

1 ..... صراط الجنان، پ21، السجدۃ، تحت الآیۃ: 3، 7/526۔

www.dawateislami.net

علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے سب سے زیادہ نزدیک ہوں۔ صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم نے عرض کی: یارسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کس طرح؟ اِرشاد فرمایا: میرے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے دَرمیان کوئی نبی نہیں۔ (1)

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿فَاٰمِنُوْا﴾ (یعنی جب تمہارے پاس حق کے ساتھ رسول تشریف لاچکے) تو (تم ان پر) ایمان لاؤ۔

آیتِ مبارکہ میں ﴿فَاٰمِنُوْا﴾ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر اِیمان لانے کا حکم دیا گیا کیونکہ آخرت کی کامیابی کی ایک شرط نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر اِیمان لانا ہے۔ سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ پر اِیمان لائے بغیر کسی کی نجات نہیں، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو حکم دیا تھا کہ اگر ان کی موجودگی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ظاہر ہو جائیں تو وہ سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، چنانچہ فرمایا: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ (پ3، آلِ عمران: 81) ترجمہ: ”تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔“ اِس میثاقِ اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے باعث اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بشارت دی، بالخصوص حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو صاف و واضح ہدایات اِرشاد فرمائی ہیں، جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت 157 میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (پ9، الاعراف: 157)

ترجمہ: وہ جو اس رسول کی اتباع کریں جو غیب کی خبریں دینے والے ہیں، جو کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں، جسے یہ (اہلِ کتاب) اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور اِسی وجہ سے مدینہ منورہ کے یہودی اور عیسائی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں دیا کرتے تھے اور ایمان لانے کا دعویٰ کیا کرتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وَسیلے سے دُعا کیا کرتے تھے، چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (پ1، البقرہ: 89)

ترجمہ: اور اس سے پہلے یہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں کے خلاف فتح مانگتے تھے۔

آیتِ مبارکہ میں: ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا﴾ فرما کر بتایا جارہا ہے کہ جن کی تم خبریں دیا

(1) ..... مسلم، ص989، حدیث: 6132۔

www.dawateislami.net

کرتے تھے اور وَسیلے سے دُعا مانگتے تھے، اب وہ رَسُول تشریف لا چکے ہیں، تو اُن پر ایمان بھی لے آؤ، لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی آمد ہوئی تو یہود و نصاریٰ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالت سے منکر ہو گئے اور خدا کی لعنت کے مستحق ہوئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۠ (پ1، البقرۃ:89)

ترجمہ: تو جب ان کے پاس وہ جانا پہچانا نبی تشریف لے آیا تو اس کے منکر ہو گئے تو اللہ کی لعنت ہو انکار کرنے والوں پر۔

مشرکین مکہ کے دعویٰ "اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ" پر کلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بِعثَت سے پہلے قریشِ مکہ، یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق کہتے تھے کہ اِن لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آئے اور انہوں نے انہیں جھٹلایا اور نہ مانا۔ خدا کی قسم! اگر ہمارے (یعنی اہلِ مکہ کے) پاس کوئی رسول آئے تو ہم اُن سے زیادہ راہِ راست پر ہوں گے اور اس رسول کو ماننے میں سبقت لے جائیں گے۔ ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ (پ22، الفاطر:42) ترجمہ: "اور انہوں نے اپنی قسموں میں حد بھر کی کوشش کر کے اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور تمام امتوں میں سے (ہر) ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔" اہلِ مکہ کے اِس دعوے پر اُن سے فرمایا گیا کہ ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا﴾ کہ تم ﴿اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ﴾ (تمام امتوں سے بڑھ کر ہدایت والے) ہونے کا دعوی کیا کرتے تھے اب وہ رسول تشریف لا چکے ہیں تو ان پر ایمان لا کر سب سے بڑھ کر ہدایت والے ہو جاؤ، لیکن ان کافروں پر افسوس کہ جب ان کے پاس حضور سیّد المرسَلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رونق افروزی ہوئی تو حق و ہدایت سے ان کی دوری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَاۙ(۴۲)﴾ (پ22، الفاطر:42) ترجمہ: (لیکن) پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو اس نے ان کی نفرت میں ہی اضافہ کیا۔[1]

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿خَیْرًا لَّكُمْ﴾ (ایمان لانا) تمہارے لئے بہتر ہو گا۔

آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ "(رسولِ برحق، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر) ایمان لاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہو گا" کیونکہ

1 ..... تفسیر خازن، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ:42، 3/538 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمہارا تزکیہ فرمائیں گے، تمہاری اَخلاقی خامیوں کو دور کر کے تم سے کفر کی غلاظت، گمراہی کی نجاست اور گناہوں کی مَیل ختم کریں گے، تمہارے نفس کو تزکیہ، قلب کو تصفیہ، روح کو تجلیہ کی دولت نصیب ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اِیمان کے دُنیا و آخرت میں بے شمار فوائد ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اِیمان ہی کی وجہ سے اِنسان جہنم کے ہمیشہ کے عذاب سے بچے گا اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ (پ4، اٰلِ عمران:185) ترجمہ: تو جسے آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا۔

جو اِنسان صِدقِ دِل سے اللہ رَبُّ العزت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر اِیمان لائے، تمام زندگی اللہ عزوجل کے فرمان اور سنّتِ نبوی کے مطابق گزارے نیز شریعت کی حدود سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، اُس کے لئے قرآنِ عظیم میں بے شمار بشارتیں بھی ہیں، جیسے اِیمان والوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا، ان کے لئے پھل، میوے اور سونے کے محلات ہوں گے، جنت میں اِیمان والوں کی ہر دُعا قبول اور خواہش پوری کی جائے گی، وہاں کی نعمتوں کی یہ خوبی ہے کہ کبھی ختم نہ ہوں گی، جنتیوں کو کوئی خوف نہ ہو گا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اِیمان کے عظیم فوائد و ثمرات:

آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اِیمان لانا تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ کریں۔ عشرہ مبشرہ رِضوانُ اللہِ علیہم اجمعین کی نسبت سے دُنیا و آخرت کے مجموعی طور پر 10 فضائل و فوائد بیان کئے جاتے ہیں۔

دُنیوی فوائد:

(1) مومنین کو رَب تعالیٰ کی خاص معیت نصیب ہے:

وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۹ (پ9، الانفال:19) ترجمہ: یہ کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

(2) اللہ رَبُّ العزت اِیمان والوں کا والی، دوست اور مددگار ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ (پ3، البقرۃ:257) ترجمہ: اللہ مسلمانوں کا والی ہے۔

(3) اہلِ ایمان کو نیکیوں میں کمی کا خوف نہیں ہو گا:

فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۝۱۳ (پ29، الجن:13) ترجمہ: تو جو اپنے رب پر ایمان لائے اسے نہ کسی کمی کا خوف ہو گا اور نہ کسی زیادتی کا۔

www.dawateislami.net

(4)رب تعالیٰ اِیمان والوں کو مصائب سے نجات عطا فرماتا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۠ ﴿۸۸﴾ (پ17، الانبیاء:88)

ترجمہ: تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ہم ایمان والوں کو ایسے ہی نجات دیتے ہیں۔

(5)رب تعالیٰ مؤمنین کی مدد فرماتا ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ (پ24، المؤمن:51)

ترجمہ: بیشک ضرور ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں مدد کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

اُخروی فوائد:

(1)اہلِ ایمان کا اَبدی ٹھکانا جنت ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (پ1، البقرۃ:82)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جنت والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

(2)ایمان کا سب سے بڑا اُخروی فائدہ "دِیدارِ الٰہی" ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (پ29، القیامۃ:22-23)

ترجمہ: کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے۔

(3)آخرت میں صرف اہلِ ایمان ہی کو نیکیوں کا بدلہ ملے گا:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ (پ17، الانبیاء:94)

ترجمہ: تو جو نیک اعمال کرے اور وہ ایمان والا ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں ہو گی اور ہم اسے لکھنے والے ہیں۔

(4)مؤمنین رب تعالیٰ کے ہاں صدیق اور شہید ہیں:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْؕ (پ27، الحدید:19)

ترجمہ: اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں وہی اپنے رب کے نزدیک صدّیق اور گواہ ہیں۔ ان کے لیے ان کا ثواب ہے اور ان کا نور ہے۔

(5)اہلِ ایمان کے لئے رب تعالیٰ کے ہاں مقام صدق ہے:

www.dawateislami.net

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ (پ11، یونس:2) ترجمہ: اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

مفسرینِ کرام نے ﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کے معنٰی بیان فرمائے ہیں: بہترین مقام، جنت میں بلند مرتبہ، نیک اَعمال، نیک اَعمال کا اَجر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شفاعت۔[1]

آیت کا چوتھا حصہ: ﴿وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ﴾ اور اگر تم کفر کرو گے تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

رب تعالٰی کو کسی کا کفر ضرر نہیں پہنچا سکتا:

آیتِ مبارکہ میں ﴿وَ اِنْ تَكْفُرُوْا﴾ کے بعد ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ﴾ فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ اگر تم کفر پر ڈٹے رہو گے تو خدا کو اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ وہ بے نیاز ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ تعالٰی کا ہی ہے، لہٰذا تمام اَشیاء اپنی پیدائش، وجود، بقا اور فطری اَفعال میں اس کے حکم کے پابند اور اسی کے بندے ہیں تو غیر اِختیاری طور پر تو ہر شے ویسے ہی خدا کے حکم کی پابند ہے تو تمہارا اپنے اِختیار سے اس کی بندگی نہ کرنا اس کی بارگاہ میں کوئی معنٰی نہیں رکھتا۔ ہاں اگر اپنے اِختیار سے اس کی بندگی کرو گے تو تمہیں ثواب و قرب اور رضائے الٰہی کی دولت ملے گی ورنہ خدا کو تمہارے کفر کی کوئی پروا نہیں۔ ایک اور جگہ حضرت موسٰی علیہ السّلام کی زبان مبارک سے یہی اِعلان یوں کروایا گیا:

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۸ (پ13، ابراہیم:8) ترجمہ: اور موسٰی نے فرمایا: (اے لوگو!) اگر تم اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب ناشکرے ہو جاؤ تو بیشک اللہ بے پرواہ، خوبیوں والا ہے۔

آیت کا پانچواں حصہ: ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۱۷﴾ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

فرمایا: اللہ تعالٰی نے اپنے علمِ محیط اور حکمتِ کاملہ سے تمہیں بہترین راستہ دِکھایا ہے۔ وہ تمہارے اِیمان و کفر، طاعت و معصیت، خیر و شر سب کو جاننے والا ہے۔ وہ اپنے علم سے تمہارا حساب لے گا اور اپنی حکمت سے تمہارا فیصلہ کرے گا تو جو جیسا عمل کرے گا، ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ مومن و کافر، نیک و بد کو برابر نہیں کرے گا، جیسا کہ فرمایا:

---

1 ..... تفسیر خازن، پ11، یونس، تحت الآیۃ:2، 2/300 ملخصاً۔ صراط الجنان، پ11، یونس، تحت الآیۃ:2، 4/280۔

www.dawateislami.net

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۝۲۸ (پ23، ص:28)

ترجمہ: کیا ہم ایمان لانے والوں اور اچھے اعمال کرنے والوں کو زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا ہم پرہیز گاروں کو نافرمانوں جیسا کر دیں گے؟

اور فرمایا: ﴿لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ۝۲۰﴾ (پ 28، الحشر: 20) ترجمہ: دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں، جنت والے ہی کامیاب ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اپنے کمالاتِ عالیہ کے ساتھ تشریف آوری حکمتِ خداوندی کی دلیل ہے:

آیت کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی آمدِ مبارکہ کی عظیم خوشخبری سنائی گئی اور آخر میں: ﴿عَلِیْمًا حَكِیْمًا۝۱۰۰﴾ اِرشاد فرما کر کفار و مشرکین و اہلِ کتاب کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ہونے والے ہر اعتراض کو مجموعی طور پر جڑ سے ہی کاٹ دیا گیا مثلاً کفار کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اُتارنا ہی تھا تو مکے یا طائف کے کسی سردار، مالدار پر اُتارتا، چنانچہ قرآنِ مجید میں کفار کا یہ اِعتراض اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۝۳۱ (پ25، الزخرف:31)

ترجمہ: اور کہنے لگے: ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ اتارا گیا؟

کفار کا ایک اِعتراض یہ تھا کہ یہ رَسول کھانا کیوں کھاتا اور بازاروں میں کیوں جاتا ہے؟ رسول کو تو کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے، قرآنِ مجید میں یہ اِعتراض یوں ذِکر کیا گیا:

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا۝۷ (پ18، الفرقان:7)

ترجمہ: اور کافروں نے کہا: اس رسول کو کیا ہوا؟ کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے، اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اُتار دیا گیا جو اس کے ساتھ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا؟

اِن سب اِعتراضوں کا جامع جواب ایک آیت میں یوں دیا گیا ہے: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ﴾ (پ8، الانعام:124) ترجمہ: ”اللہ اسے خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھے۔“ اور کفار کی کم فہمی کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ علم و حکمت بیان کر کے دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۝۱۰۰﴾ (پ6، النساء:170) (اللہ علم و حکمت والا ہے۔) یعنی اللہ تعالیٰ بڑے علم والا ہے وہ سب کے حالات سے باخبر ہے، اس کے اَفعال میں ہزارہا حکمتیں ہیں، جس میں ایک

www.dawateislami.net

واضح حکمت یہ ہے کہ نبوت کسی مالی تفاخر یا مقابلے کا نام نہیں ہے۔ نبوت تو خدا کے اَحکام اس کے بندوں تک پہنچانے کا نام ہے اور اس کام کے لئے مالدار یا سردار ہونا ضروری نہیں بلکہ صاحبِ علم و فہم، صاحبِ اَخلاق و کردار، صاحبِ امانت و صداقت ہونا ضروری ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا کمالِ فہم، حُسنِ اخلاق، امانت و صداقت اور اعلیٰ کردار ایسا واضح اور روشن تھا کہ دشمن بھی اس کا اِعتراف کرتے تھے۔ لہٰذا خدا نے اپنے علم و حکمت سے کائنات کی بہترین ہستی کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا۔

شعور و فکر و نظر کے دعوے حد تعین سے بڑھ نہ پائے نہ چھو سکے ان بلندیوں کو جہاں مقام محمدی ہے

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی خوشخبری اور ان پر اِیمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

(2) حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بعد رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانہ تک پانچ سو انہتر (569) برس کی مدت میں کسی بھی نبی کی تشریف آوری نہ ہوئی اور اِس درمیانی زمانے کا نام ”زمانہِ فَتْرَت“ ہے۔

(3) اہلِ عرب کیلئے اِس زمانے کی مدت حضرت اِسماعیل علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے لے کر رَسولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک تھی اور ان کے علاوہ دِیگر لوگوں کے لئے وہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بعد سے حضور سیّد المرسَلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بِعثَت تک تھا کہ اِس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول نہیں آیا۔

(4) سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ پر اِیمان لائے بغیر کسی کی نجات نہیں۔

(5) ایمان کے دُنیا و آخرت میں بے شمار فوائد ہیں۔ اِیمان ہی اِنسان کو دائمی عذاب سے بچائے گا اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جانا ہی حقیقی کامیابی ہے۔

(6) نبوت کسی مالی تفاخر یا مقابلے کا نام نہیں ہے۔ نبوت خدا کے اَحکام اس کے بندوں تک پہنچانے کا نام ہے اور اس کام کے لئے مالدار یا سردار ہونا ضروری نہیں بلکہ صاحبِ علم و فہم، صاحبِ اَخلاق و کردار، صاحبِ امانت و صداقت ہونا ضروری ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا کمالِ فہم، حُسنِ اخلاق، امانت و صداقت اور اعلیٰ کردار ایسا واضح اور روشن تھا کہ دشمن بھی اس کا اِعتراف کرتے تھے۔

(7) ہر نبی یقینی طور پر صاحبِ علم و فہم، صاحبِ اَخلاق و کردار، صاحبِ امانت و صداقت ہوتا ہے لیکن ان اوصاف

www.dawateislami.net

کی وجہ سے کسی کو نبوت کا مرتبہ نہیں ملتا کہ نبوت محنت سے حاصل کی جانے والی چیز نہیں ہے بلکہ یہ سراسر خدائی اِنتخاب ہے اور خاتم النبیین، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد یہ سلسلہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

محاسبہ:

اِیمان مدارِ نجات ہے۔ اِسی کی بدولت اُخروی سعادتوں کا حصول ہو گا۔ اِیمان کی حفاظت کی فکر ضرور رکھنی چاہیے۔ بدمذہبوں اور کافروں سے تعلقات اور دوستیاں رکھنا، دولتِ ایمان کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ اپنے عمل کو چند سوالات کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کریں۔

(1) کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر اِیمان رکھنے کی نعمت پر ہم دِل، زبان اور عمل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں؟

(2) کیا ہم اپنے اِیمان کی حفاظت کی فکر کرتے ہیں؟

(3) کہیں ہمارے تعلقات، دوستیاں اور صحبتیں ایسے اَفراد سے تو نہیں کہ جن کا تعلق ہمارے اِیمان کے لئے خطرناک ہو؟

(4) ٹی وی، سوشل میڈیا پر ہم ایسے لوگوں کو تو نہیں سنتے جو اِیمان کی بربادی کا ذَریعہ بن سکتے ہیں؟

(5) ہم ایسے اَفراد سے علمی، فکری اور ذہنی طور پر متاثر تو نہیں، جن کے دِل عشقِ مصطفیٰ اور عظمتِ صحابہ واہلِ بیت سے خالی ہوں۔

(6) نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر اِیمان لانے کے بعد ہم سے جو تقاضے وابستہ ہیں، کیا ہم انہیں ادا کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمارے اِیمان کی حفاظت فرمائے، آمین۔



www.dawateislami.net

آیت نمبر:5 سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم خدا کی روشن دلیل ہیں

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

(پ6، النساء:174-175)

ترجمہ: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا۔ تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کی رسی مضبوطی سے تھام لی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سید دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ایک روشن دلیل کی صورت میں تشریف لا چکے، جو خدا کی اُلوہیت، قرآن کی حقانیت اور خود اپنی رِسالت کی صداقت پر اپنے ظاہر و باطن، کردار و کمال کے ذَریعے دَلیل وبُرہان ہیں۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع اِنسان کو اپنی کتابِ حکمت سے آشنا کرتے ہوئے فرمایا: ہم نے تمہاری طرف بصورتِ قرآنِ حکیم روشن اور واضح نور اُتارا، تاکہ تمہیں اِس نورِ مبین کی چمک سے حق اور باطل کا فرق نظر آئے، لہٰذا آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور نزولِ قرآن کے بعد لوگوں پر حجتِ اِلٰہیہ قائم ہوگئی اور قبولیتِ حق کے معاملے میں کسی کے لیے کوئی عذر قابلِ قبول نہ رہا، لہٰذا جو لوگ توحیدِ الٰہی کا اِقرار کرکے اللہ پر ایمان لائے اور قرآن و صاحبِ قرآن کی تصدیق کرتے ہوئے، دِینِ الٰہی (اسلام) کو مضبوطی سے پکڑا، تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا، پھر مزید فضل فرماتے ہوئے جنت کی عظیم نعمتوں اور اپنے دِیدار سے مشرف فرمائے گا اور اُنہیں طریقِ شکر و رضا پر ثابت اور قائم رکھ کر اپنی ذات کی طرف آنے والی راہِ حق پر گامزن رکھے گا۔

آیت پر تفصیلی کلام:

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی۔

www.dawateislami.net

بُرہان سے مُراد:

بُرہان سے مُراد کیا ہے؟ اِس بارے میں دو اَقوال ہیں: ایک یہ کہ بُرہان سے مُراد قرآنِ مجید ہے اور دوسرا یہ کہ محمدٌ رَّسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، اور دونوں ہی پر بُرہان کا معنیٰ صادق آتا ہے۔ قرآن یا ذاتِ رَسُول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا برہان و دلیل ہونا ایک تو اِس اِعتبار سے ہے کہ اِن کی آمد سے خدا کی طرف سے بندوں پر حجت تمام ہو گئی یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طرف ہدایت کے لئے قرآن نازل فرمایا اور رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا، لہٰذا اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس تو خدا کا پیغام ہی نہیں آیا تو میں اِیمان کیسے لاتا؟ دوسری بات یہ کہ قرآن اور نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دلیل ہونے کی ایک تشریح یہ بھی ہے کہ قرآنِ مجید، خدا کی وحدانیت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صداقت اور دینِ اسلام کی حقانیت پر خدا کی طرف سے دلیل ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذات، سیرت، کردار اور کمالات بھی ان سب اُمور کی صداقت پر دلیل ہیں۔

تجلیوں کے کفیل تم ہو مُراد قلبِ خلیل تم ہو — خدا کی روشن دلیل تم ہو یہ سب تمہاری ہی روشنی ہے

نیز قرآن بُرہان ہے کہ اس کی بلاغت معجزہ اور حجت ہے، یونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بُرہان ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا کلام بھی نہایت جامع اور بے مثل ہے اور اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو معجزات عطا کیے گئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ نے خوب فرمایا:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں — وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاعرب کے بڑے بڑے — کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شان کا بیان:

آیت کے اَلفاظ سے واضح ہوا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت کسی زمانے، کسی جگہ اور کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ آیت میں کسی قوم مثلاً قریش یا اہلِ مکہ یا اہلِ عرب کو مخاطب کر کے کلام نہیں کیا گیا بلکہ تمام اِنسانوں کو مخاطب کر کے عام اِعلان فرمایا گیا۔ پھر اِس اِعلان میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خاص شان ظاہر کی، چنانچہ فرمایا: اے لوگو! تمہارے پاس وہ تشریف لائے، جو سر تا پا اللہ عزوجل کی معرفت کی دلیل ہیں، جن کی صداقت پر اُن کے معجزے گواہ ہیں اور وہ منکرین کی عقلوں کو حیران کر دیتے ہیں۔ پھر یہ خصوصیت بھی بہت نمایاں ہے کہ جس قدر

www.dawateislami.net

معجزے پہلے پیغمبروں کو ملے، اُن سے زیادہ تعداد و مقدار میں حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو عطا ہوئے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ظاہری و باطنی دونوں اِعتبار سے سراپا معجزہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ نے خوب فرمایا:

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا علم و عقل اور کردار کے اِعتبار سے بُرہان ہونا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فضلِ الٰہی اور عنایت ربّانی سے لوگوں کے لیے اِیمان کی حقیقت کھول کر بیان فرمائی، اُن کی عملی تربیت اور باطنی تزکیہ فرمایا اور اُمت کے لیے ہر وہ چیز بیان فرمائی جس کی اُنہیں حاجت ہو سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا علم اور عقل بذاتِ خود آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے "بُرہان" ہونے کو بڑے روشن اَنداز میں ثابت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پرورش، تربیت، لڑکپن، جوانی، بعثت اور عادات و اَطوار کا مطالعہ کیا جائے تو آفتابِ نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے کردار کے اِعتبار سے بھی "بُرہان" ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے کردار کی عظمت اِس مرتبہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنی نبوت کا اِعلان نہ بھی فرماتے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو نبی سمجھ لیتے، چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ (پ18، النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے جو زیتون کے برکت والے درخت سے روشن ہوتا ہے جو نہ مشرق والا ہے اور نہ مغرب والا ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہُ عنہ سے فرمایا کہ اِس آیت کے معنی بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مثال بیان فرمائی۔ روشندان یعنی طاق تو حضورِ اقدس

www.dawateislami.net

صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا سینہ شریف ہے اور فانوس، قلبِ مبارک اور چراغ، نبوت ہے جو کہ شجرِ نبوت سے روشن ہے اور اس نورِ محمدی کی روشنی کمالِ ظہور میں اِس مرتبہ پر ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے نبی ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں جب بھی خَلق پر ظاہر ہو جائے۔[1]

(1) قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو "اُمّی" یعنی "بے پڑھا" قرار دیا، یعنی آپ نے اپنے عہدِ طفولیت یا جوانی میں کسی ایسی چیز کو اُستاد سے نہیں پڑھا کہ جسے بے پڑھوں کے نزدیک علم کہا جاتا ہے، مثلاً فنونِ شعر، علم الانساب اور دِیگر علوم وغیرہا، مگر آپ کا "اُمّی" ہونے کے باوجود ایسی کتاب لانا کہ جس میں اَولین و آخرین کی غیبی خبروں کا علم ہو، پھر بے پڑھوں اور طالبینِ ہدایت کو عُلومِ اِلٰہیہ کے حقائق سے روشناس کروانا، عرفانِ الٰہی کے دَرجات طے کروانا، نفوسِ اُمت کا تزکیہ کرنا، اُن کی اِجتماعی اور اِنفرادی زندگیوں میں اِصلاح پیدا کرنا، اُصولِ دِینیہ اور اَحکاماتِ شرعیہ کو بیان کرنا اور ایسی گہری، لطیف اور جامع المعانی باتیں فرمانا کہ جن کے متعلق آج تک بڑے بڑے فلسفیوں کی عقلیں حیران ہیں۔ "اُمّی" ہونے کے باوجود اِس قدر شانیں ہونا، بذاتِ خود آپ کے علمی اور عقلی اِعتبار سے "بُرہان" ہونے کی روشن دلیل ہے۔ یہ تمام عُلوم بلاشک وشبہ خدا کے سکھانے سے حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾ (پ5، النساء:113)

ترجمہ: اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ سب کچھ سکھادیا جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ نے خوب فرمایا:

ایسا اُمّی کس لئے منت کشِ استاد ہو — کیا کفایت اُس کو اِقْرَاْ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ نہیں

(2) رَسُولِ خدا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اپنی سیرت کے اِعتبار سے بھی "برہان" ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تربیت میں کسی عالِم، حکیم، دانش وَر، مدبّر یا اُمورِ سیاسیہ کے ماہر کا عمل دخل نہیں، لیکن اِن تمام چیزوں کے نہ ہونے کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رَحمت سے اپنے منصبِ نبوت، اِصلاحِ اُمت، اور تزکیۂ نفوس کو ایسی عمدگی سے ادا فرمایا کہ آج تک اس نوعیت کی تربیت کی مثال موجود نہیں اور نہ تا قیامت ہو سکتی ہے۔

1 ..... تفسیر خازن، پ18، النور، تحت الآیۃ:35، 3/354۔

www.dawateislami.net

بشیر کہیے نظیر کہیے انہیں سراج منیر کہیے جو سر بسر ہے کلام ربی وہ میرے آقا کی زندگی ہے

اِن تمام شانوں کو سامنے رکھیں تو بے اِختیار دل وزبان پر جاری ہو جاتا ہے کہ مصطفٰی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذات ”خدا کی بُرہان“ ہیں۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا وجودِ مسعود بھی ”برہان“

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کا کثیر اُمور کی روشنی میں خدا کی روشن دلیل ہونا تو واضح ہو چکا ہے۔ اب ایک مزید پہلو بیان کیا جاتا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شانِ بُرہان کو بہت دِل نشیں اَنداز میں واضح کرتا ہے اور وہ یہ کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا پورا وجودِ اطہر سرچشمۂ معجزات اور منبعِ کمالات تھا اور اس کے متعلق تمام رِوایات وواقعات واضح کرتے ہیں کہ حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا پورا وجودِ اطہر ہی معجزہ تھا۔ ذیل میں کچھ تفصیل ملاحظہ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے گیسوئے عنبریں:

سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا بال شریف بھی معجزہ کہ حضرت خالد رضی اللہُ عنہ کی ٹوپی میں رہا تو اُن کو ہمیشہ دشمنوں پر فتح ہوتی رہی۔ ہرقل (روم کے بادشاہ) کی پگڑی میں رہا تو اس کے سر کے دَرد کو آرام رہا۔ حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہُ عنہ نے وَصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بال شریف رکھ دیئے جائیں تاکہ قبر کی مشکل آسان ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہُ عنہ نے وَصیت فرمائی کہ مجھے غسل دے کر میری آنکھوں اور لَبوں پر سلطانِ دوجہاں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ناخن اور بال شریف رکھے جائیں تاکہ حسابِ قبر میں آسانی ہو۔ معلوم ہوا کہ بال مبارک قبر کی مشکل آسان کرتے ہیں۔ یونہی صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم بیماروں کو شِفا کے لئے بال مبارک کا غسل شدہ پانی پلایا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہُ عنہ کے گھر ایک بار بال مبارک پہنچ گئے تو انہوں نے ساری رات ملائکہ کی تسبیح وتہلیل سنی۔

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپشِ محشر میں سایہ اَفگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اَعضائے مبارکہ:

آنکھ شریف کا معجزہ کہ قیامت تک کے واقعات کو دیکھا، جنت ودوزخ، عرش وکرسی کو ملاحظہ فرمایا، بلکہ خود رب عزوجل

www.dawateislami.net

کو دیکھا۔ نمازِ کُسوف میں جنت و دوزخ کو مسجد کی دیوار میں دیکھا۔ مقتدی پیچھے جو کچھ کریں اس کو ملاحظہ فرمالیں۔ ناک مبارک کا معجزہ کہ جس نے یمن سے آتی ہوئی محبت کی خوشبو سونگھی۔ زبانِ مطہّر کا معجزہ کہ جس کی ہر بات وحیِ خدا اور وہ زبان جو کہ کُن کی کنجی ہے۔ منہ کا لُعاب بھی "معجزہ" کہ حضرت جابر رضی اللہُ عنہ کے گھر ہانڈی میں ڈال دیا تو ہانڈی کی ترکاری میں برکت ہوئی۔ آٹے میں ڈال دیا تو چار سیر آٹا ہزاروں آدمیوں نے کھایا پھر بھی اُتنا ہی رہا۔ خیبر میں حضرت علی کرَّمَ اللہُ وَجہَہُ الکریم کی دُکھتی آنکھ میں لگا دیا تو آنکھ کو آرام ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہُ عنہ کے پاؤں میں غار میں سانپ نے کاٹا، اُس پر لگا دیا تو پاؤں کو آرام اور راحت حاصل ہوئی۔ کھاری کنویں میں ڈال دیا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ ہاتھ مبارک بھی دلیل کہ بدر کے دن ایک مٹھی کنکر کفار کو مارے، تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے نہ پھینکے بلکہ ہم نے پھینکے۔ اسی ہاتھ میں آکر کنکروں نے کلمہ شریف پڑھا۔ اس ہاتھ سے بیعت لی گئی تو رب عزوجل نے فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر ہمارا ہاتھ ہے۔ انگلیاں معجزہ کہ ایک پیالہ پانی میں انگلیاں رکھ دیں، اس سے پانی کے چشمے جاری ہو جائیں۔ یہی مبارک انگلی کہ اِشارے سے چاند کو چیر دیتی ہے۔

پاؤں مبارک بھی معجزہ کہ پتھر پر چلیں تو پتھر اُن کا اثر لے لیں، وہ مبارک قدم کہ جو فرش پر بھی چلیں اور عرش پر بھی۔ اَلغرض اُن کا ہر عُضوِ پاک اور ہر ہر بال مبارک رب عزوجل کے پہچاننے کی دَلیل ہے۔ پسینہ مبارک معجزہ کہ جس میں گلاب کی بے مثل خوشبو۔ جاگنا اور سونا معجزہ کہ ہر ایک کی نیند وضو توڑ دے، مگر سرکارِ عالی وقار صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نیند وضو نہیں توڑتی۔ تمام جسم پاک سایہ سے محفوظ کہ سایہ بھی کسی کے قدم کے نیچے نہ آئے، غرض کہ تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ہر وَصف معجزہ اور ہر حالت رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔

الغرض اُن کے ہر مُو پہ بے حد دُرُود ان کی ہر خُو و خصلت پہ لاکھوں سلام

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا۔

روشن نور سے مُراد:

روشن نور سے مُراد قرآنِ پاک ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ذَریعے ہمیں ملا۔ یہی وہ عظمتوں والی کتاب ہے کہ اوّلین و آخرین کے عُلوم کو محیط ہے، جس میں ہر خشک و تر کا ذِکر موجود ہے، جو سچی اور نفع بخش خبروں پر مشتمل ہے، جو عدل، اِحسان اور بھلائی کا حکم دینے والی اور ہر طرح کے ظلم و شرارت سے روکنے والی ہے۔ اِس

www.dawateislami.net

کتابِ عظیم کی رِفعتوں اور بلند و بالا شانوں کے باوجود اگر لوگ پھر بھی اَنوارِ قرآن سے اپنے وجود کو منور نہ کریں، تو یقیناً وہ تاریکی اور گمراہی میں بھٹکنے والے ہیں اور اگر قرآنی برکات و خیرات سے فیضان نہ پائیں تو بدنصیب ٹھہریں گے، چنانچہ اِسی لیے رب تعالیٰ نے اِس کتابِ ہدایت کو "نور" فرمایا کہ یہ لوگوں کے دِلوں میں نورِ ایمان کی شمع روشن کرنے والی کتابِ منیر ہے۔

نورِ قرآن اور توحیدِ الٰہی:

قرآنِ حکیم وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خود "نور" اور اپنی فصیح و بلیغ عبارتوں سے حقائق کو بالکل روشن کر دینے والی ہے۔ جو شخص بھی اِس میں دُرُست تدبُّر کرتا ہے، وہ قطعاً کسی شبہ میں نہیں پڑتا، بلکہ قرآنی مضامین کی حقیقت اُس کی عقل کو پختگی دیتی اور دِل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

قرآن کی پیروی کا دُنیاوی و اُخروی فائدہ:

قرآنِ مجید نور ہے، جیسا کہ یہاں فرمایا گیا: ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ (پ6، النساء:174) ترجمہ: "اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا۔" مزید ایک مقام پر فرمایا: ﴿وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (پ25، الشوریٰ:52) ترجمہ: "لیکن ہم نے قرآن کو نور کیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں۔" اور اِس نور کی پیروی کرنے والا دُنیا میں بھی نور پر ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (پ23، الزمر:22) ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے (اس جیسا ہو جائے گا جو بے نور اور سنگدل ہے۔)

اور نورِ قرآن کی پیروی کا خوشگوار صلہ یہ ہے کہ قیامت کے دِن پیروی کرنے والے نور پر ہوں گے، جیسا کہ فرمایا:

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ (پ27، الحدید:12)

ترجمہ: جس دن تم مومن مَردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہے (فرمایا جائے گا کہ) آج تمہاری سب سے زیادہ خوشی کی بات وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو، یہی بڑی کامیابی ہے۔

آں کتابِ زندہ، قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم

www.dawateislami.net

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ اُو را ریب نے، تبدیل نے آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

ترجمہ: وہ کتابِ زندہ جسے قرآنِ حکیم کہتے ہیں، اِس میں حکمت کی دَرج باتیں ہمیشہ رہنے والی اور ہمیشہ سے ہیں۔ وہ (قرآنِ پاک) زندگی کو وجود میں لانے کے بھیدوں کا نسخہ ہے۔ ڈگمگانے والا کمزور فرد بھی اس کی وجہ سے ثابت قدم ہو جاتا ہے۔ قرآن کے حروف میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اِس کی آیاتِ بینات کی کوئی غلط تاویل نہیں ہو سکتی۔

دوسری آیت کا پہلا حصہ:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ﴾ تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کی رسی مضبوطی سے تھام لی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا۔

اِس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فضل و رَحمت میں داخل کرنے اور سیدھی راہ پر چلانے کو دو چیزوں پر موقوف فرمایا۔ پہلی چیز یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور دوسری خوبی یہ پیدا کریں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

ایمانِ صادق اور اُس کے تقاضے:

اللہ تعالیٰ پر اِیمان کا معنیٰ یہ ہے کہ اُس کی رَبوبیت و وحدانیت کو دِل سے تسلیم کرنا، اُس کی عظمت و جلالت پر اِیمان لانا، اُسے بلند و برتر اور غالب جاننا، اُس کے اَحکامات پر سرِتسلیم خم کرنا اور ہر دَم یہ یقین رکھنا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہی بیان کردہ ایمانِ صادق اور اِعتقادِ جازم تقاضا کرتا ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی کی جائے اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، اُسی کو ہر شے کا خالق اور مُوجِد (وجود بخشنے والا) قرار دیا جائے۔

جب اِنسان یہ دیکھتا ہے کہ اُس کا وجود، اُس کی حیات و بقا اور اس کے جملہ کمالات محض اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں، تو بندے کے دِل میں اس مہربان ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ اِنسان فطری اِعتبار سے اپنے وجود سے محبت کرتا ہے اور یہی وجود کی محبت، اُس وجود کے خالق سے محبت کرنے کا تقاضا کرتی ہے، پھر خدا کی محبت دِل پر ایسے غالب آجاتی ہے کہ دُنیا کی ہر محبت اِسی کے تابع ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا: جس شخص

www.dawateislami.net

نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی، اللہ تعالیٰ کے لیے عداوت رکھی، اللہ تعالیٰ کے لیے دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہی (ناپسندیدہ اُمور میں) خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیا، تو اُس نے اپنا اِیمان مکمل کر لیا۔[1]

بات یہ ہے کہ جب دِل میں اِیمانِ صادِق جگہ بنالے اور ہر چیز سے محبت و نفرت کا معیار رَبّ تعالیٰ کی ذات ہو تو یہ عظیم الشان وصف بندے میں اعلیٰ دَرجے کا اِخلاص پیدا کرتا ہے اور پھر اِسی اِخلاص کی برکت سے بندہ سیدھے راستے پر چلتا، اُس کا سینہ نورِ ایمان سے روشن ہوتا، حکمت و دانش اُس کا سرمایہ ہوتی، ہر وقت رضائے الٰہی کے حصول میں رہتا اور اُس کا نفس خواہشات و شہوات کی نفسانی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ عظیم سعادت عطا فرمائے۔

”حبل اللہ“ کو تھامنا اور اِنعاماتِ اِلٰہیہ:

خدا کی رسی کو تھامنے کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ بندۂ مومن ”مُسَبِّبُ الْاَسْباب“ پر کامل توکل رکھے اور اپنی ذات، ہوش و خِرد اور ہر چیز کا قبلہ خدا ہی کو بنالے۔ جب کوئی فرد اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے حقیقی متوکل بن جاتا ہے تو اُسے حق قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کسی کی ملامت کا خوف نہیں رہتا اور نہ ہی وہ اپنے قول، فعل اور عمل میں مداہنت و منافقت کا اِظہار کرتا ہے، بلکہ پھر صرف اللہ واحد و بے نیاز اور تنہا و یکتا، قادر و مالک کا خوف دِل میں رکھتا ہے۔ ایسے صاحبِ ایمان اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی رَحمت اور فضل میں داخل فرماتا اور سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اِنعامات بیان فرمائے ہیں: (1) رَحمت (2) فضل (3) سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینا۔ اور لطف یہ کہ اِن اِنعامات میں تخصیص نہیں کہ یہ آخرت میں ہی ملیں گے، بلکہ خدائے کریم کی شانِ کریمی سے یہی اُمیدِ واثق ہے کہ یہ اِنعامات دُنیا اور آخرت دونوں میں ہی ہوں گے۔

چنانچہ دُنیا میں رَحمت کا مطلب یہ ہو گا کہ ایسے لوگ خوش بختی، اِطمینانِ قلبی اور ہدایت کے راستے پر گامزن رہیں گے اور سچے اِیمان والے کی شان یہی ہے کہ یادِ الٰہی سے اُس کا دِل چین پاتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (پ13، الرعد:28)

ترجمہ: (اُن لوگوں کو ہدایت دیتا ہے) جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔

---

1 ..... ابو داؤد، 4/290، حدیث: 4681۔

www.dawateislami.net

حق یہ ہے مومن آسائشوں کی طرف توجہ اور ایسے معاملات میں مشغولیت کہ جن میں دائمی اِضطراب پایا جاتا ہے، مثلاً حسد اور کینہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، کیونکہ اُس کا دل یادِ الٰہی کے سبب مطمئن رہتا ہے اور کسی بھی طرح کی آفت اُسے تکلیف نہیں دیتی، بلکہ خدا کی طرف سے ملنے والے قلبی اِطمینان کے سبب وہ مشکلیں اُس کے حق میں آسان ہو جاتی ہیں اور آخرت میں رَحمت کا مطلب یہ ہے کہ اسے جنت کا داخلہ عطا کیا جائے گا۔

فضلِ الٰہی:

مطلق لفظِ "فضل" کا مطلب اِضافہ اور زیادتی ہوتا ہے اور آیتِ مبارکہ میں فضلِ الٰہی سے مُراد دُنیاوی فضل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندۂ مومن کے مرتبے کو بلند فرمائے گا، اِقبال اونچا کرے گا، مُلک و مال عطا فرمائے گا اور لوگوں کا مقتدا و پیشوا بنائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۙ﴿۵﴾ (پ20، القصص:5)

ترجمہ: اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان فرمائیں جنہیں زمین میں کمزور بنایا گیا تھا اور انہیں پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک و مال کا) وارث بنائیں۔

اور اُخروی فضلِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کا حصول ہو گا، قربِ خداوندی ملے گا، دَرجات بلند ہوں گے اور جنت میں دِیگر نعمتیں عطا فرمائی جائیں گی۔

دوسری آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَ یَهْدِیَهُمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا﴿۷۵﴾﴾ اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔

سیدھا راستہ ایک اِنعام:

دُنیا میں سیدھے راستے کی صورت میں ملنے والے اِنعام سے مُراد یہ ہے کہ اِیمان والا اُس راستے پر چل پڑتا ہے جو اُس کی آخرت سُدھارنے والا ہوتا ہے اور اِس اِنعام کے حصول کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حقیقی اِیمان کی برکت سے بندے کا دِل ایسا منور ہوتا ہے کہ وہ نور بندے کو خدا تک لے جانے والے راستے پر پہنچا دیتا ہے، لہٰذا جو اِیمان لایا، اَحکامِ الٰہیہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما، ممنوعات سے اِحتراز کیا، شبہات سے بچا، تو وہ اِن چیزوں کی برکت سے اُس راستے پر چل پڑتا ہے جو راستہ دُنیا میں خدا کی طرف لے جانے والا ہے اور جو دُنیا میں سیدھے راستے پر چلتا رہا، وہ آخرت میں بھی ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ اُنہی کی راہ اور پھر منزل پر ہو گا۔ گویا سیدھے راستے سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح مومنین کو دُنیا میں

www.dawateislami.net

سیدھے، معتدل راستے پر چلائے جو قرآن، سنت، اِسلام اور شریعت کا راستہ ہے اور آخرت میں جنت کے سیدھے راستے پر چلائے گا۔

ایک تعبیر یہ بھی ہے کہ اِیمان و عمل والوں کو اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ خود قرآنِ پاک بھی خدا کی مضبوط رسی اور خدا کا سیدھا راستہ ہے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ رِوایت کرتے ہیں کہ میں نے رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ ترجمہ: قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہ حکمت بھرا ذِکر ہے، یہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہے۔[1]

خوار از مہجوری قرآں شدی　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمین افتندۂ　　در بغل داری کتابِ زندہ!

ترجمہ: (اے مسلمان!) تیری ذِلَّت اور رُسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دُور اور بے تعلق ہو گیا ہے، لیکن اپنی اِس خرابیِ حالات کا اِلزام گردشِ زمانہ کو دے رہا ہے! اے وہ قوم جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے (اور پاؤں تلے روندی جا رہی ہے)! اُٹھ کہ تیری بغل میں ایک کتابِ زندہ موجود ہے (جس کے ذریعے تو دوبارہ بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے)۔

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا لوگوں کیلئے رب تعالیٰ کی طرف سے دلیل کافی و وافی بن کر تشریف لانے کا بیان ہے۔

(2) رب تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کے متعلق تین اِنعامات کی بشارت دی گئی ہے: اللہ کی رَحمت، اللہ کا فضل اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت۔

(3) بُرھان سے مُراد کیا ہے؟ اِس بارے میں دو اَقوال ہیں: ایک یہ کہ برہان سے مُراد قرآنِ مجید ہے اور دوسرا یہ کہ محمدٌ رَّسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، اور دونوں ہی پر برہان کا معنیٰ صادق آتا ہے۔

(4) قرآن، خدا کی وحدانیت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صداقت اور دینِ اسلام کی حقانیت پر دلیل ہے، نیز

---

1 ..... ترمذی، 4/414، حدیث: 2915۔

www.dawateislami.net

قرآن برہان ہے کہ اس کی بلاغت معجزہ اور حجت ہے۔

(5) نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذات، سیرت، کردار، کمالات بھی خدا کی عظمت، قرآن کی حقانیت اور رَسُولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صداقت پر دلیل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اِس معنٰی میں بھی برہان ہیں کہ آپ کو براہین یعنی معجزات عطا کئے گئے۔

(6) سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا خدا کی برہان ہونا اِس طور پر بھی ہے کہ آپ ظاہری و باطنی دونوں اِعتبار سے سراپا معجزہ ہیں۔

(7) حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا علم و عقل اور سیرت و کردار بذاتِ خود آپ کے "برہان" ہونے کو بڑے روشن انداز میں ثابت کرتے ہیں۔

(8) آیت میں روشن نور سے مُراد قرآنِ پاک ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ذَریعے ہمیں ملا۔ قرآن وہ عظمتوں والی کتاب ہے کہ اَوّلین و آخرین کے علوم کو محیط ہے اور اس میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے۔

(9) قرآنِ مجید نور ہے، اور اِس نور کی پیروی کرنے والا دُنیا میں بھی نور ہی پر ہوتا ہے، اس کی قبر میں بھی نور ہو گا اور قیامت کے دن بھی قرآن پر اِیمان لانے اور عمل کرنے والے نور پر ہوں گے۔

(10) اللہ تعالٰی نے اہلِ ایمان کو فضل و رَحمت میں داخل کرنے اور سیدھی راہ پر چلانے کو دو چیزوں پر موقوف فرمایا۔ پہلی چیز یہ کہ وہ اللہ تعالٰی پر ایمان لائیں اور دوسری خوبی یہ پیدا کریں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

(11) اللہ تعالٰی پر اِیمان میں بہت سے اُمور داخل ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں کہ اُس کی رَبوبیت و وحدانیت کو دل سے تسلیم کرنا، اُس کی عظمت و جلالت پر ایمان لانا، اُسے بلند و برتر اور غالب جاننا، اُس کے اَحکامات پر سرِ تسلیم خم کرنا اور ہر دَم یہ یقین رکھنا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔

(12) خدا کی رسی کو تھامنے کا مطلب ہے کہ اسے کسی صورت نہ چھوڑے اور اسے چھوڑنے کو یہی سمجھے کہ جیسے رسی کو چھوڑنے والا گر کر ہلاک ہو جاتا ہے، ایسے ہی خدا کی رسی یعنی خدا کے دِین، قرآن، رسول کو چھوڑنے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔

(13) خدا کی رسی کو تھامنے کا ایک معنٰی یہ ہے کہ بندۂ مومن "مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب" پر کامل توکل رکھے اور اپنی ذات، ہوش، خِرد اور ہر چیز کا قبلہ اُسے ہی بنائے۔

www.dawateislami.net

(14) مطلق لفظِ ”فضل“ کا مطلب اِضافہ اور زیادتی ہوتا ہے اور آیتِ مبارکہ میں فضلِ الٰہی سے مُراد دُنیاوی فضل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندۂ مومن کے مرتبے کو بلند فرمائے گا اور اُخروی فضلِ الٰہی سے مُراد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کا حصول ہو گا، قربِ خداوندی ملے گا اور دَرجات بلند ہوں گے۔

(15) سیدھے راستے سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح مومنین کو دُنیا میں سیدھے، معتدل راستے پر چلائے گا جو قرآن، سنت، اسلام اور شریعت کا راستہ ہے اور آخرت میں جنت کے سیدھے راستے پر چلائے گا۔

محاسبہ:

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ”بُرہانِ الٰہی“ ہیں۔ آپ کا دِین جامع و مکمل ہے۔ خدا پر ایمان، اس کی کتابِ حکمت اور اس کے رسولِ رَحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے مضبوط وابستگی تقاضائے ایمان ہے۔

(1) کیا حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت و کردار کا مطالعہ ہماری زندگی کا معمول ہے جو سیرت و کردار بذاتِ خود خدا کی برہان اور ہماری اِصلاح و فلاح کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے؟

(2) کیا ایمانِ کامل کا حصول ہماری زندگی کے مقاصد میں شامل ہے؟

(3) کیا خداوند قدوس پر توکل، اس سے سب سے زیادہ محبت اور خدا ہی کی وجہ سے کسی سے محبت یا عداوت ہماری زندگی میں شامل ہے؟

(4) کیا ایمانِ کامل کے تقاضوں کا ہمیں علم ہے اور ہم وہ تقاضے پورے کرتے ہیں، جیسے یہ توجہ رکھنا کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے؟

(5) کیا ہمارے شب و روز خدا کے اُتارے ہوئے نورِ مبین یعنی قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے قریب ہیں یا اس سے دور؟

(6) کیا ہم نے قرآنِ حکیم کو اپنا نصابِ زندگی بنایا؟

(7) کیا ہم نے اس مینارۂ نور کی روشنی میں اپنی منزل کو متعین کیا اور پھر اُس کے حصول کی جستجو رکھی؟

(8) کیا ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی جستجو اور شوق ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

www.dawateislami.net

آیت نمبر:6 محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عمومِ رسالت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُۗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝۱۵۸ (پ9، الاعراف:158)

ترجمہ: تم فرماؤ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر جو نبی ہیں، (کسی سے) پڑھے ہوئے نہیں ہیں، اللہ اور اس کی تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پالو۔

اجمالی تفسیر:

اے نبوت و رِسالت کے مرتبہ پر فائز حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! تم یہ اِعلان کر دو کہ اے دُنیا جہان کے لوگو! میری بعثت و رِسالت گزشتہ اَنبیائے کِرام کی طرح مخصوص قوم، خطے، وقت یا زمانے سے مخصوص نہیں، بلکہ میں قیامت تک کے لئے تم سب کی طرف اُس خدائے برحق کی طرف سے رَسُول بن کر آیا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔ اُس کے سِوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، لہٰذا جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمام اَقوامِ عالَم کے لیے تا قیامت رَسُول اور نبی ہیں تو پھر تم پر لازم ہے کہ اُس رب پر ایمان لاؤ کہ جس کی شان (یعنی زمین و آسمان کی بادشاہی) تم سن چکے اور منصبِ رسالت سے شرف یاب اُس ہستی پر بھی ایمان لاؤ جو غیب کی خبریں دینے والے ہیں، جنہوں نے مخلوق میں سے کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا، کہ اُنہیں جو کچھ سکھا دیا، اُن کے رب نے سکھایا ہے، وہ ہستی جو خود بھی اللہ اور اُس کے جملہ کلمات پر اِیمان رکھتی ہے اور اُس نبی پر ایمان لانے کے ساتھ بِلا مشروط اور بِلا تامل اُن کی اِتباع بھی کرو، تاکہ تمہیں راہِ ہدایت نصیب ہو جائے، کہ ہدایت اور فلاح آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اِتباع میں منحصر ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ تم فرماؤ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رَسُول ہوں۔

www.dawateislami.net

آیت کا سیاق:

اِس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے اِس کا سیاق سمجھنا بہت مفید ہے۔ اِس آیت سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اپنی قوم کے ساتھ پیش آنے والے بہت سے واقعات بیان فرمائے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا تورات کے لئے پہاڑ پر تشریف لے جانا، واپسی میں یہ دیکھنا کہ قوم بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہوگئی ہے، اِس پر آپ علیہ السّلام کا غضب کا اِظہار فرمانا، پھر قوم کی توبہ اور دِیگر واقعات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت و رَحمت کی دُعائیں کی۔ اِن تمام واقعات کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنی رَحمت کی وُسعت بیان فرمائی کہ ﴿وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (پ9، الاعراف:156) ترجمہ: ”اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔“ اِن اَلفاظ کو سن کر کافر بھی یہ گمان کر سکتے تھے کہ جیسے دُنیا میں صحت، عافیت، مال، اَولاد، رہائش اور سرداری وغیرہا کی صورت میں ہم پر خدا کی رَحمتیں ہیں، ایسے ہی آخرت میں بھی ہم پر مہربانیاں ہوں گی تو ان کے شبہ کا اِزالہ فرما دیا کہ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (پ9، الاعراف:156) ”تو عنقریب میں اپنی رحمت ان کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیز گار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“ لہٰذا کافر یہ جان لیں کہ دُنیا میں تو ان کے لئے یہ نعمتیں ہیں لیکن آخرت کی اَبدی رَحمتیں اہلِ ایمان کے ساتھ خاص ہیں۔ اِس کے بعد اگلا مسئلہ یہ تھا کہ چونکہ یہود و نصاریٰ بھی خود کو اہلِ ایمان سمجھتے تھے تو وہ اِس پر خوش ہو سکتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر ایمان لائیں یا نہ لائیں، بہر حال ہمیں آخرت میں خدا کی رَحمتیں نصیب ہوں گی حالانکہ جب احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم خدا کے آخری نبی بن کر تشریف لے آئے تو پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئی تھیں اور اب نجات صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اپنا مقتدا رسول ماننے، ان کی پیروی کرنے اور ان پر نازل ہونے والے قرآن کی اِتباع میں تھی لہٰذا نہایت صراحت و وضاحت سے فرمایا کہ رَحمتِ خداوندی ان اہلِ ایمان کے لئے ہے جن میں اگلی آیت میں بیان کردہ اَوصاف پائے جاتے ہوں اور وہ یہ ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ۫ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ

ترجمہ: وہ جو اس رسول کی اتباع کریں جو غیب کی خبریں دینے والے ہیں، جو کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں، جسے یہ (اہلِ کتاب) اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور

www.dawateislami.net

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۱۵۷

(پ9، الاعراف: 157)

انہیں برائی سے منع کرتے ہیں اور ان کیلئے پاکیزہ چیزیں حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اور ان کے اوپر سے وہ بوجھ اور قیدیں اتارتے ہیں جو ان پر تھیں تو وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

یہ مذکورہ آیت کا سیاق وسباق ہے۔ اِسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر ایمان، تعظیم، تائید، اِطاعت اور قرآنِ مجید کی اِتباع کی بھرپور تاکید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو حکم فرمایا گیا کہ اب آپ قیامت تک کے تمام اِنسانوں کے لیے یہ اِعلان فرمادیں کہ میں تم سب کی طرف اللہ عزوجل کا رسول ہوں، ایسا نہیں کہ بعض کا تو رسول ہوں اور بعض کا نہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ میری پیروی کے بغیر نجات نہیں۔

عمومِ رسالت کی دلیل:

یہ آیت ہمارے آقا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے عمومِ رسالت کی دلیل ہے کہ آپ تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں اور کل جہاں آپ کی اُمت ہے۔ یہ مفہوم قرآنِ مجید کی دِیگر کثیر آیات میں بیان ہوا ہے، چنانچہ ایک جگہ رَحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی وُسعتِ رِسالت کو یوں بیان فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝۱۰۷﴾ (پ17، الانبیاء: 107) ترجمہ: ”اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔“ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کائنات اور اُس کی ہر چیز ”عالَم“ کے دائرہ میں داخل ہے اور حضور رَحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سارے جہانوں کی طرف رَحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، لہٰذا آپ تمام نبیوں، رَسولوں اور فرشتوں کے لیے رَحمت ہیں۔ دُنیا و آخرت میں رَحمت ہیں۔ آپ کا بطورِ رَحمت بھیجا جانا اِنسان، حیوانات، نباتات اور جمادات سب کے لیے ہے، اَلغرض عالَم میں جتنی چیزیں داخل ہیں، سیّدُ المرسَلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اُن سب کی طرف رَحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

پہلے اَنبیائے کرام کی بعثت میں عادتِ اِلٰہیہ:

پہلے اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مخلوق کی طرف بھیجے جانے کے متعلق عادتِ الٰہیہ یہ تھی کہ اُنہیں ایک خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا کہ وہ اُنہیں راہِ ہدایت دِکھائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

www.dawateislami.net

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان کے ساتھ ہی بھیجا تاکہ وہ انہیں واضح کر کے بتادے۔ (پ13، ابراہیم:4)

اِس آیتِ مبارکہ کے علاوہ دِیگر کثیر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو اُن کے ناموں کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ فلاں رسول کو فلاں خاص قوم کی جانب بھیجا گیا، جیسا کہ قومِ عاد کی طرف حضرت ھود علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اور قومِ ثمود کی جانب حضرت صالح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو بھیجا گیا، لیکن جب سید الرسل، مولائے کل صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالتِ عامّہ ومُطلَقہ کا ذِکر مبارک فرمایا گیا تو ارشاد ہوا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ترجمہ: اور اے محبوب! ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (پ22، سباء:28)

دوسرے مقام پر قرآن اور صاحبِ قرآن کی عظمتِ مطلقہ کو یوں بیان کیا گیا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ترجمہ: وہ (اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کو ڈر سنانے والا ہو۔ (پ18، الفرقان:1)

جس کے گھیرے میں ہیں انبیا و مَلَک اس جہاں گیر بعثت پہ لاکھوں سلام

رسالتِ عامہ کے تقاضے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالتِ عامہ آپ کی رِفعتِ شان اور بلندیِ مقام کو بہت سے پہلوؤں سے بیان کرتی ہے، چنانچہ

(1) دِیگر اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص خطوں اور لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

(2) رسالت ایک اَہم اور دُشوار ترین ذِمّہ داری ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: ﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝﴾ (پ29، المزمل:5) ترجمہ: ”بیشک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔“ اور سابقہ رسولوں علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اپنی قوموں کے سامنے کس قدر محنت فرمائی اور کتنی مشقت اُٹھائی، اسے دیکھیں تو منصبِ رسالت کی دُشواریوں کا بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے۔ تو جب ایک مخصوص خطے، بستی اور قوم کی طرف مبعوث رسول کے حق میں اِس کا بوجھ اِس قدر ہو گا، تو جو

www.dawateislami.net

ساری کائنات کے رسول، جن وانس اور جمادات ونباتات، سب کی جانب مبعوث "سلطانِ ہفت اقلیم" ہیں، اُن پر کس قدر عظیم ذِمّہ داری ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ جیسی مشقت ہو، اُس کا اَجر بھی اُسی قدر عظیم، اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے۔

(3) آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رِسالتِ عامہ آپ کے رَسُولِ اعظم ہونے کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ یہ طے شدہ عقلی بات ہے کہ کسی بھی مہم کی اَہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اُسے سَر کرنے کے لیے اُسی نوعیت کے فرد کا تقرر ہوتا ہے، تو جو مہم "عظیم و وسیع" ہو، اُس کے لیے "امیر الامراء" کا تقرر کیا جاتا ہے، تو جو رسالتِ خاصہ اور رِسالت عامّہ میں فرق ہے، وہی دِیگر اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مراتب میں فرق ہے۔

(4) کام جس قدر عظیم و وسیع ہو، اُس کے لیے اِنتظامات و اَسباب بھی اُسی قدر زیادہ ہونا ضروری ہوتے ہیں، لہٰذا جس طرح سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مقصد کی عظمت، جلالت اور وُسعت تھی، اُسی طرح رب کریم عزوجل کی طرف سے اَسباب کی ترسیل تھی اور وہ "اَسباب" تائیدِ الٰہی اور تربیت ربّانی ہے، جو اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے دِلوں پر اُترتی ہے، لہٰذا یقینی بات ہے کہ جو علوم و معارِف، حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک پر اِلقا ہوئے، وہ جمیع اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے علم و عرفان سے بڑھ کر تھے۔

(5) اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو تبلیغِ رسالت اور اپنی ذِمّہ داری کو بحسن وخوبی پہنچانے کے لیے حِلم، صبر، تواضع، رِفق یعنی نرمی، شجاعت، جُود وسخاوت، عفو ودَرگزر، قناعت شعاری، عدل، کمالِ عقل اور پختگیِ فکر جیسے اَوصاف کا جامع ہونا ضروری ہوتا ہے اور حضور سید الانام صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اِن جملہ اَخلاقِ فاضلہ اور اَوصافِ کاملہ میں تمام اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام سے اتم، اکمل، اعلیٰ اور اَجلّ ہیں، کہ بیان کردہ اَوصاف میں سے ہر وَصف کے ساتھ قرآنِ مجید میں جداگانہ شانِ مصطفوی بیان کی گئی ہے، اِسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خود بھی بیان فرمایا: مجھے اَخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔[1]

(6) حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رِسالتِ مبارکہ فقط زمانۂ بعثت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام زمانوں کو حاوِی ہے، جیسا کہ اِبتدائے نبوت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے سوال کرنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خود فرمایا: (میں اُس وقت بھی نبی تھا) جبکہ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی تخلیق ابھی روح اور جسم کے دَرمیانی مرحلہ میں تھی

1 ..... الادب المفرد، ص78، حدیث: 273۔

www.dawateislami.net

(یعنی روح اور جسم کا باہمی تعلق بھی ابھی قائم نہ ہوا تھا)۔[1] اِسی رِوایت کی بنیاد پر اکابر علما نے لکھا کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے، ہر اُس چیز کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم رَسُول ہیں، لہٰذا پچھلے اَنبیائے کرام کو جو نسبت ایک علاقے یا خطے کے اَفراد سے ہوا کرتی تھی، وہی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ہر ذَرے، مخلوق اور خدا تعالیٰ کے سِوا ہر فرد سے حاصل ہے اور یہ یقینی، قطعی اور بدیہی بات ہے کہ رَسُول اپنی اُمَّت میں سب سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔

سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر پانچ خاص اِنعاماتِ اِلٰہیہ:

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہُ عنہ سے رِوایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: پانچ چیزیں مجھے ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں:

(1) ہر نبی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں سُرخ و سیاہ کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

(2) میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں ہوئی تھیں۔

(3) میرے لیے زمین پاک اور پاک کرنے والی (یعنی تیمم کے قابل) اور مسجد کی گئی جس کسی کو کہیں نماز کا وقت آئے وہیں پڑھ لے۔

(4) دشمن پر ایک ماہ کی مسافت تک میرا رُعب ڈال کر میری مدد فرمائی گئی۔

(5) اور مجھے شفاعت عنایت کی گئی۔[2]

مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے: مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔[3]

مخلوق کے لئے ضرورتِ نبوت پر تین شاندار دلائل:

ضرورتِ نبوت پر پہلی دلیل:

اِنسان اپنے عام اُمورِ زندگی کو عقل و تجربہ سے جان اور سمجھ سکتا ہے، لیکن خالقِ کائنات کی صحیح معرفت اپنی عقل سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو بھٹک جائے گا، جس کی سب سے بڑی مثال رسولوں کی ہدایت کے بغیر خدا کی

---

1 ..... ترمذی، 5/351، حدیث: 3629۔

2 ..... بخاری، 1/168، حدیث: 438۔

3 ..... مسلم، ص210، حدیث: 1167۔

www.dawateislami.net

معرفت پانے کی کوشش کرنے والے فلسفی اور بت پرست ہیں کہ فلسفیوں نے خدا کی معرفت عقل سے سمجھنے کی کوشش کی تو معرفت کی بجائے شدید جہالت و حیرت اور تردُّد و شکوک کا شکار ہو گئے۔ بت پرستوں نے خود ساختہ عبادت و ریاضت کے ذَریعے کشف کی قوت حاصل کر کے خدا کی معرفت حاصل کرنی چاہی تو شیطان کے وَسوسوں اور ملمع سازیوں سے مٹی، پتھر، لوہے اور تانبے کے بتوں کو خدا سمجھ کر بیٹھ گئے۔ لہٰذا خدا نے اپنی صحیح معرفت عطا کرنے کے لیے اَنبیا علیہمُ السّلام کو بھیجا جو خدا کی بتائی ہوئی صفات ہی کو خدا کی صفات کے طور پر بیان کرتے ہیں اور یوں اِنسان کو خدا کی صحیح معرفت مل جاتی ہے، جو ہر اِنسان کو حاصل ہونا عقلی و فطری طور پر ضروری ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے، کروڑوں نعمتیں اور اَسباب فراہم کرنے والے اور ساری کائنات بنانے والے کو پہچانے۔ یہ عقل کا بھی تقاضا ہے اور فطرتِ اِنسانی کا بھی۔

ضرورتِ نبوت پر دوسری دلیل:

کائنات صرف ان ہی چیزوں کا نام نہیں جو ہم دیکھتے، سنتے، چھوتے، چکھتے یا سونگھتے ہیں، بلکہ ان سے وَرا بھی پورا جہان موجود ہے، جس کی ایک مثال یہ ہے کہ علمِ فلکیات میں کائنات کے بارے میں جو اِنکشافات ہو رہے ہیں، وہ پہلے اِنسانی حواس کی رَسائی سے باہر تھے، لیکن حقیقت میں موجود تھے۔ اِنسانی حواس اور اُن کے مُعاون آلات و اَسباب میں بے پناہ اِضافے کی وجہ سے ہر نئے دِن، نئے حقائقِ کائنات معلوم ہو رہے ہیں، لیکن اِس سب کے باوجود اِنسان بہر حال محدود ہے، یہ اگرچہ اپنی حدود کو بڑھا سکتا ہے، لیکن کل کائنات کو اپنی محسوسات کے دائرے میں نہیں لا سکتا اور دائرۂ محسوسات میں نہ آنے والی چیزوں میں جنت و جہنم بھی داخل ہے، جو اِنسان کا دائمی ٹھکانا ہے اور قیامت کے اَحوال و واقعات بھی، جن کے معلوم ہونے پر ظلم و ستم سے رُکنا اور عملِ صالح پر اِستقامت پانا موقوف ہے۔ یہ سب غیب کی دُنیا ہے، اِن میں حق و حقیقت کا صحیح علم نبوت و رِسالت کے واسطے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

ضرورتِ نبوت پر تیسری دلیل:

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔

آیت کی اِبتدا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! لوگوں سے فرما دیں کہ میں تم سب کی طرف اللہ عزوجل کا رسول ہوں، اور اب دلیل بیان کی جا رہی ہے کہ اُسی خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، جو تم سب کا اور آسمان و زمین کا بادشاہ ہے اور تمام کائنات کی تدبیر فرماتا ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

www.dawateislami.net

نبوت کے بیان کے ساتھ خدا کی اِس بادشاہی کے بیان میں تعلق و رابطہ یہ ہے کہ جیسے آسمان و زمین کے حقیقی بادشاہ، خداوند قدوس نے مخلوق کی جسمانی زندگی کے اَسباب پیدا کیے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی روحانی زندگی کے لیے اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ ظاہری رِزق سے جسموں کی زندگی ہے اور نبوت ورِسالت سے روحوں کی حیات ہے۔ زندگی، موت جس کے اِختیار میں ہے اور آسمان وزمین جس کی قدرت میں ہے، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی طرف کسی رسول کو بھیج دے۔

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ تو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر۔

فرمایا کہ جب معلوم ہو چکا کہ معبودِ حقیقی نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، تو تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر ایمان لاؤ، جن کی شان یہ ہے کہ وہ نبی ہیں، دُنیا میں کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سچے رسول ہونے پر دلیل:

آیت کے تیسرے حصے میں نبی واُمّی کے اَلفاظ ایک ساتھ مذکور ہیں، ان کے اکٹھے ذِکر میں ایک حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں اَلفاظ مل کر دلیلِ نبوت ہیں، کیونکہ نبوت کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اُمورِ غیبیہ کی خبر دینا“[1] اور ”اُمّی“ کا معنیٰ ہے کہ جس نے دُنیا میں کسی سے پڑھا نہ ہو۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم غیب کی خبریں دیتے تھے، جیسے تخلیقِ اَرض وسماء، پیدائشِ آدم اور واقعاتِ اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام، یونہی ماضی کی قوموں کے اَحوال، مستقبل کی باتوں، جنت و دوزخ کی نعمتوں اور سزاؤں کا بیان وغیرہا، یہ سب قرآنِ مجید میں موجود ہے پھر قرآنِ پاک کی صراحتوں کے علاوہ بھی سینکڑوں غیب کی خبریں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بیان فرمائیں۔ ان میں اکثر خبریں تو وہ ہیں جن کا تذکرہ کسی بھی کتاب میں نہیں، جبکہ کچھ خبریں ایسی ہیں جن کا معمولی سا ذِکر پہلی کتابوں میں موجود ہے، لیکن تفصیل رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہی نے بیان فرمائی۔ اب ایک طرف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اُمّی ہیں کہ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، نہ ہی کوئی کتاب پڑھی، دوسری طرف اَوّلین و آخرین کی غیب کی خبریں بیان فرمائیں تو یہ سب اِس کے علاوہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں رَبُّ العالمین عزوجل یہ خبریں دیتا ہے اور یہی آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت ورسالتِ عامہ کی روشن دلیل ہے۔

---

1 ..... المنجد، ص871 ملخصًا۔

www.dawateislami.net

آیت کا چوتھا حصہ: ﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۵۸﴾ اور ان کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پالو۔

اتباعِ رَسُول سے متعلق حکمِ خداوندی:

جب حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رِسالتِ عامہ بیان کر کے دعوتِ ایمان دی گئی اور ساتھ ہی آپ کی رسالت پر روشن دلیل یعنی آپ کا اُمی ہونے کے باوجود غیب دان ہونا بیان کر دیا گیا تو پھر اِس جملے پر آیت مکمل کی گئی کہ اے لوگو! اُن کی اِتباع کرتے ہوئے اُن کے نقشِ قدم پر چلو، کہ اِسی راہ پر چلنے سے تم ہدایت یافتہ لوگوں کی صفوں میں شامل ہو پاؤ گے۔ بِلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ پر بے اِنتہا عظیم اِحسان فرمایا کہ حضور رَحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ہمارے لیے بے مثال اور بے نظیر ہستی بنا کر بھیجا۔ آپ کی کتابِ حیات کا ہر وَرق، ہر موضوع و عنوان، ہر عمل و کلام ہر زمانے کے لئے ایک عظیم مینارۂ ہدایت ہے۔ آپ کی مبارک ذات ہی وہ ہستی ہے کہ عرب کے صحرا نشینوں نے آپ کی پیروی اور اِتباع کر کے روم و فارس اور عرب و عجم پر حکمرانی کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اِتباع کے ثمرات:

(1) اِتباعِ رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم خدا کی محبت کا معیار اور گناہوں کی معافی کا ذَریعہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پیروی کو اپنی محبت کا معیار اور گناہوں کی بخشش کا ذَریعہ قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳۱

(پ3، آلِ عمران:31)

ترجمہ: اے حبیب! فرما دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ جب ہی سچا ہو سکتا ہے جب مدعیِ محبت، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے طریقے پر چلنے والا ہو۔ جو دعویٰ محبت کرتا ہے وہ اِس آیتِ مبارکہ کا عملی مصداق بنے کہ:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(پ28، الحشر:7)

ترجمہ: اور رسول جو کچھ تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں تو تم باز رہو۔

(2) اِتباعِ رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کرنے والا ہدایت یافتہ ہے:

www.dawateislami.net

قرآنِ مجید میں بتایا گیا کہ ہدایت کا راستہ ایک ہے جبکہ گمراہی کے راستے بہت سے ہیں اور ہدایت کا وہ راستہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے طریقے پر چلنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝۱۵۳ (پ8، الانعام:153)

ترجمہ: اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ راہیں تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گی۔ تمہیں یہ حکم فرمایا ہے تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: ایک دِن نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اُدھر بلا رہا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ (پ8، الانعام:153)

ترجمہ: اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ راہیں تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گی۔ (1)

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ آپ تمام اِنسانوں کی طرف اللہ کے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔

(2) قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں محققین کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں، لہٰذا اِس میں اِنسان، جنات، فرشتے اور دِیگر مخلوقات سب شامل ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سارے جہانوں کی طرف رَحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اِس رَحمت کی ایک جہت، جہتِ رسالت ہے، لہٰذا جب آپ تمام نبیوں، رَسولوں اور فرشتوں کے لیے رَحمت ہیں تو سب کے لئے رسول بھی ہیں۔

(3) پچھلے اَنبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مخلوق کی طرف بھیجے جانے کے متعلق عادتِ اِلٰہیہ یہ تھی اُنہیں ایک خاص قوم کی طرف خاص زمانے کے لئے بھیجا جاتا تھا لیکن حضور پُر نور، محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالتِ مبارکہ فقط زمانۂ بعثت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام زمانوں کو حاوِی اور تمام اِنسانوں کو شامل ہے۔

---

1 ..... دارمی، 1/78، حدیث:202۔

www.dawateislami.net

(4)امامُ الانبیاء، محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دُنیا میں تشریف آوری کے اِعتبار سے آخری نبی ہیں لیکن نبوت ملنے میں سب سے پہلے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اُس وقت بھی نبی تھے جبکہ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تخلیق ابھی روح اور جسم کے درمیانی مرحلہ میں تھی۔

(5)اِنسان اپنے عام اُمورِ زندگی کو عقل و تجربہ سے جان اور سمجھ سکتا ہے، لیکن خالقِ کائنات کی صحیح معرفت اپنی عقل سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو بھٹک جائے گا۔ لہٰذا خدا نے اپنی صحیح معرفت عطا کرنے کے لیے اَنبیاءِ کرام علیہمُ السّلام کو بھیجا جو خدا کے دیئے ہوئے علم سے خدا کی صفات بیان کرتے ہیں۔

(6)اِنسان بہر حال محدود ہے۔ یہ کسی حد تک اپنی حدود کو بڑھا بھی سکتا ہے، لیکن کل کائنات کو اپنی محسوسات کے دائرے میں نہیں لا سکتا اور دائرۂ محسوسات میں نہ آنے والی چیزوں میں جنت و جہنم بھی داخل ہیں، جو اِنسان کا دائمی ٹھکانا ہیں اور قیامت کے اَحوال و واقعات بھی، کہ جن کے معلوم ہونے پر ظلم و ستم سے رُکنا اور عملِ صالح پر اِستقامت پانا موقوف ہے۔ یہ سب غیب کی دُنیا ہے، اِن میں حق و حقیقت کا صحیح علم، نبوت و رِسالت کے واسطے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

(7) خدا نے جیسے مخلوق کی جسمانی زندگی کے اَسباب پیدا کیے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی اَخلاقی و روحانی زندگی کے لیے اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ ظاہری رِزق سے جسموں کی زندگی ہے اور نبوت و رسالت سے روحوں کی حیات ہے۔

(8)نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم غیب کی خبریں دیتے تھے، جو کہ قرآنِ مجید کی صورت میں تھیں۔ اُن میں اکثر خبریں تو وہ ہیں جن کا تذکرہ کسی بھی کتاب میں نہیں، جبکہ کچھ خبریں ایسی ہیں جن کا معمولی سا ذِکر پہلی کتابوں میں موجود ہے، لیکن انہیں مفصل طور پر رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ہی بیان فرمایا حالانکہ آپ اُمّی ہیں یعنی آپ نے دُنیا میں کسی اِنسان سے کوئی کتاب وغیرہ نہیں پڑھی، اِس سب کے باوجود غیب کی خبریں دینا اِس کے علاوہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں رَبُّ العالمین عزوجل یہ خبریں دیتا ہے اور یہی آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت و رسالتِ عامہ کی روشن دلیل ہے۔

محاسبہ:

کائنات کے ہر فرد کے لیے ہدایت کے دَرجات ہیں۔ کافر ہو تو اِبتدائی ہدایت بصورتِ ایمان ہے اور اگر ایمان والا ہو تو اَعمالِ صالحہ پر عمل پیرا رہنا اور برائیوں سے بچنا، راہِ ہدایت پر چلنا ہے۔ ہم اِسی راہِ ہدایت کا ہر نماز میں خدا کی بارگاہ میں

www.dawateislami.net

سوال کرتے ہیں، اب تھوڑا سا اپنے آپ سے سوال کریں:

(1) کیا ہم ہدایت کے بنیادی تقاضوں کو بھی جانتے اور سمجھتے ہیں؟

(2) کیا ہم اَساسِ ہدایت یعنی ایمان والے ہو کر، راہِ ہدایت پر چلنے کے لیے اِتباعِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بھی کرتے ہیں؟

(3) کیا ہم سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنتوں سے محبت کرتے اور اُن پر عمل کرتے ہیں، کہ اِتباع، سنتوں پر عمل کا نام ہے؟

(4) نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اتنا تاکیدی حکم ہے، کیا ہم نے اِس طریقے کا علم بھی حاصل کیا ہے؟

(5) کیا ہمیں نماز، روزہ، تلاوت و ذکر، صبر و شکر اور توکل وغیرہا عبادات کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے طریقوں کا علم ہے؟

(6) کیا ہمیں حُسنِ اَخلاق، ملنساری، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت، پڑوسیوں سے حُسنِ سلوک، رِشتے داروں سے اچھے تعلقات، مخلوق کی خدمت اور غریبوں کی مدد وغیرہا کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنتوں اور اَحکام کا علم اور پھر اُن پر ہمارا عمل ہے؟

(7) کیا کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے، بیٹھنے، لباس اور دِیگر معاملاتِ زندگی میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنتوں کا علم ہے؟

(8) کیا نماز، روزہ، تلاوت و ذکر، صبر و شکر اور توکل وغیرہا عبادات کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے طریقوں پر ہمارا عمل ہے؟

(9) کیا ہم کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے، بیٹھنے، لباس اور دِیگر معاملاتِ زندگی میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں؟

اللہ تعالٰی ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے طریقوں، اَحکام اور سنتوں کی محبت، علم اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

www.dawateislami.net

آیت نمبر:7 مصیبت وراحت اور اِنسانی نفسیات

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ لَىٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

(پ11، یونس:21تا23)

ترجمہ:اور جب ہم لوگوں کو انہیں تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ دیتے ہیں تو اسی وقت ان کا کام ہماری آیتوں کے بارے میں سازش کرنا ہو جاتا ہے۔ تم فرماؤ:اللہ سب سے جلد خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔ بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکرو فریب کو لکھ رہے ہیں۔ وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) خوشگوار ہوا کے ساتھ انہیں لے کر چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں پھر ان پر شدید آندھی آنے لگتی ہے اور ہر طرف سے لہریں ان پر آتی ہیں اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے اس سے دعا مانگتے ہیں، (اے اللہ!) اگر تو ہمیں اس (طوفان) سے نجات دیدے تو ہم ضرور شکر گزار ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ انہیں بچا لیتا ہے تو اس وقت وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری زیادتی صرف تمہارے ہی خلاف ہے۔ دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھالو پھر تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے تو اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو، سن لو! تمہاری سرکشی اور زیادتی کا وبال تمہاری اپنی جانوں پر ہی پڑے گا اور یہ تمہارا خدائی اَحکام سے خروج اور نافرمانی، دُنیاوی زندگی کے تھوڑے سے مزوں کی صورت میں ہے لیکن آخرت میں یہی کیا دَھرا تمہارے لیے وبالِ جان بن جائے گا۔ اے لوگو! یاد رکھو، اِس چند دِن کی زندگی کے بعد تم سب کو ہماری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے، پھر اُس وقت ہم تمہیں دُنیا میں کئے گئے تمہارے تمام اَعمال بتائیں گے پھر اُن کے مطابق سزا دیں گے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ﴾ اے لوگو! تمہاری زیادتی صرف تمہارے ہی خلاف ہے۔

www.dawateislami.net

آیت کا سیاق و سباق:

اِس آیتِ مبارکہ کا پورا مفہوم سمجھنے کے لئے اِس سے پچھلی دو آیات کا مطالعہ ضروری ہے۔ اِسی لئے ہم نے شروع میں دونوں آیات ہی ذِکر کر دی ہیں تا کہ کلام کا معنیٰ پوری طرح سمجھ آجائے۔ سورۂ یونس کی آیت نمبر 21 میں فرمایا کہ

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱ (پ11، یونس:21)

ترجمہ: اور جب ہم لوگوں کو انہیں تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ دیتے ہیں تو اسی وقت ان کا کام ہماری آیتوں کے بارے میں سازش کرنا ہو جاتا ہے۔ تم فرماؤ: اللہ سب سے جلد خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔ بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکر و فریب کو لکھ رہے ہیں۔

آیت میں کافروں کا عمومی حال بھی بیان کیا گیا ہے اور اِس کے علاوہ ایک خاص واقعے کی طرف بھی اِشارہ ہے اور وہ یہ کہ اہلِ مکہ پر اللہ تعالیٰ نے قحط مسلط کیا جس کی مصیبت میں وہ سات برس گرفتار رہے یہاں تک کہ ہلاکت کے قریب پہنچے، پھر اللہ تعالیٰ نے رَحمت فرمائی، بارش ہوئی، زمینیں سرسبز ہوئیں اور مصیبت سے نجات ملی۔ اب واضح سی بات ہے کہ تکلیف و راحت دونوں میں خدا کی قدرت کی نشانیاں تھیں اور خصوصاً تکلیف کے بعد راحت بڑی عظیم نعمت ہے، جس پر شکر لازم تھا مگر کفارِ مکہ نے یہ کیا کہ دوبارہ اپنے فساد و کفر کی طرف پلٹ گئے اور پھر اسی سوچ بچار اور منصوبوں میں مشغول ہو گئے کہ قرآن، دِینِ حق، توحید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالت کا کیسے اِنکار کریں؟ ناشکروں اور سرکشوں کی اِن حرکتوں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ عزوجل انہیں بہت جلد سزا دینے والا ہے اور خدا ان لوگوں کی حرکتوں، چالوں، بُرے اِرادوں اور سازشوں کی گرفت کرنے پر بہت زیادہ قادر ہے اور اس کا عذاب جب آنا ہو تو دیر نہیں لگتی۔ نیز یہ بھی یاد رکھو کہ خدا کے فرشتے تمہارے مکر و فریب اور بد عملیاں لکھ رہے ہیں۔

مشرکین کے طرزِ عمل کی منظر کشی:

کافروں کے ناشکری کے مذکورہ بالا طرزِ عمل کو اگلی آیت میں پھر اِس قدر وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ کفار کی رَوِش کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے، چنانچہ فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی

ترجمہ: وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی

www.dawateislami.net

الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

(پ 11، یونس: 22)

میں ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) خوشگوار ہوا کے ساتھ انہیں لے کر چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں پھر ان پر شدید آندھی آنے لگتی ہے اور ہر طرف سے لہریں ان پر آتی ہیں اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے اس سے دعا مانگتے ہیں، (اے اللہ!) اگر تو ہمیں اس (طوفان) سے نجات دیدے تو ہم ضرور شکر گزار ہو جائیں گے۔

فرمایا کہ وہی اللہ عزوجل ہے جو تمہیں اور تمہاری سواریوں کو خشکی اور سمندر میں چلاتا اور فاصلے طے کرنے کی قدرت دیتا ہے۔ خشکی میں تم پیادہ اور سواری پر سفر کرتے ہو جبکہ دَریاؤں میں کشتیوں اور جہازوں سے سفر کرتے ہو۔ یہ تمام وَسائل خدا ہی نے تمہیں عطا فرمائے ہیں۔ تمہارے یہ سفر جاری رہتے ہیں یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب تم کشتی میں مَحوِ سفر ہوتے ہو اور وہ کشتیاں خوشگوار ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر رَواں دواں ہوتی ہیں اور مسافر اِس بات پر خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ ہوا ان کے موافق ہے، لیکن پھر اچانک ان پر شدید آندھی چل پڑتی ہے اور ہر طرف سے سمندر کی طوفانی لہریں اٹھتی ہیں تو لوگ گرداب میں پھنس جاتے ہیں، اس وقت انہیں اپنی نَجات کی اُمید نہیں رہتی بلکہ ہلاکت کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ سخت خوف اور شدید مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور بتوں سے مدد کی فریادیں کر کے، تھک کر ان پر اپنے باطل معبودوں کی بے بسی بالکل عیاں ہو جاتی ہے اور جب اُن سے اُمیدیں ختم ہو جاتی ہیں تو اس وقت مشرک بھی دِل کی گہرائیوں سے اللہ عزوجل کو پکارتے اور فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ عزوجل! اگر تو ہمیں اِس طوفان سے نجات دیدے تو ہم تجھ پر ایمان لا کر اور خاص تیری عبادت کر کے ضرور تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے، لیکن طوفان ختم ہو جانے کے بعد کیا ہوتا ہے وہ اگلی آیت میں بیان کیا: ﴿فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ (پ 11، یونس: 23)

ترجمہ: پھر جب اللہ انہیں بچا لیتا ہے تو اس وقت وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ طوفان کی موجوں میں پھنسے ہوؤں اور ہلاکت کو یقینی جاننے والوں کو اس مصیبت سے بچا لیتا ہے تو اس وقت وہ خدا سے ایمان و شکر کا کیا ہوا وعدہ فراموش کر کے دوبارہ کفر و شرک اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ ان کا زمین میں خدا سے سرکشی کا رویہ ہے۔

مشرکوں کی وعدہ خلافیوں کی مماثلت، فرعونیوں کے طرزِ عمل کے ساتھ:

مصیبت کے وقت خدا کی بارگاہ کی طرف دوڑنا اور مصیبت کے ٹلتے ہی نافرمانیوں کی طرف لوٹ جانے کے اس

www.dawateislami.net

پورے طرزِ عمل کو اگر کسی ایک مثال میں سمجھنا ہو تو قومِ فرعون کے تسلسل سے وقوع پذیر ہونے والے چند واقعات کا مطالعہ کرلیں۔ آیئے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

(پ9، الاعراف:132-136)

ترجمہ: اور (فرعونیوں نے) کہا: (اے موسیٰ!) تم ہمارے اوپر جادو کرنے کے لئے ہمارے پاس کیسی بھی نشانی لے آؤ، ہم ہرگز تم پر ایمان لانے والے نہیں، تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور پسُّو (یا جوئیں) اور مینڈک اور خون کی جدا جدا نشانیاں بھیجیں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی۔ اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے، اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر آپ ہم سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور ضرور ہم بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے اس مدت تک کے لئے عذاب اٹھا لیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً (اپنا عہد) توڑ دیتے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بالکل غافل رہے۔

اِن آیات کی تفصیل یہ ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے صاف صاف کہہ دیا "اے موسیٰ! تم ہمارے اوپر جادو کرنے کیلئے کیسی بھی نشانی ہمارے پاس لے آؤ، ہم ہرگز تم پر اِیمان نہیں لائیں گے، تو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اُن کے خلاف دُعا کی کہ یارب! فرعون زمین میں بہت سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم نے بھی عہد شکنی کی ہے، انہیں ایسے عذاب میں گرفتار کر جو اُن کے لئے سزا ہو اور میری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت و نصیحت ہو، تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا، اور پانی اُن کی گردنوں کی ہنسلیوں تک آ گیا، وہ لوگ سات روز اسی مصیبت میں مبتلا رہے۔ جب عاجز ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے عرض کی: ہمارے لئے دُعا فرمایئے کہ یہ مصیبت دور ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے دُعا فرمائی تو طوفان کی مصیبت دور ہو گئی، زمین میں وہ سرسبزی و شادابی آئی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

www.dawateislami.net

کھیتیاں خوب ہوئیں اور دَرخت خوب پھلے۔ یہ دیکھ کر فرعونی کہنے لگے: یہ پانی تو نعمت تھا اور ایمان نہ لائے۔ ایک مہینا تو عافیت سے گزرا، پھر اللہ تعالیٰ نے ٹڈی بھیجی وہ کھیتیاں اور پھل، دَرختوں کے پتے، مکان کے دَروازے، چھتیں، تختے کھا گئیں اور قبطیوں کے گھروں میں بھر گئیں، لیکن بنی اِسرائیل کے یہاں نہ گئیں۔ اب قبطیوں نے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے دُعا کی دَرخواست کی اور اِیمان لانے کا وعدہ کیا، اِس پر عہد و پیمان کیا۔ سات روز یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک ٹڈی کی مصیبت میں مبتلا رہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی دُعا سے نجات پائی۔ کھیتیاں اور پھل جو کچھ باقی رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر کہنے لگے: یہ ہمیں کافی ہیں ہم اپنا دِین نہیں چھوڑتے چنانچہ اِیمان نہ لائے، عہد وفا نہ کیا اور اپنے اَعمالِ خبیثہ میں مبتلا ہو گئے۔ ایک مہینا عافیت سے گزرا، پھر اللہ تعالیٰ نے قُمّل بھیجے، قُمّل گھن تھا چھوٹا سا کیڑا، بہر حال فرعونیوں کے لئے سخت عذاب کا باعث بنا اور وہ اِس مصیبت سے چیخ اُٹھے، پھر اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے عرض کی: ہم توبہ کرتے ہیں، آپ اِس بلا کے دور ہونے کی دُعا فرمائیے۔ چنانچہ سات روز کے بعد یہ مصیبت بھی حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی دُعا سے دور ہوئی، لیکن فرعونیوں نے پھر عہد شکنی کی۔ ایک مہینا امن میں گزرنے کے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مینڈک بھیجے اور یہ حال ہوا کہ آدمی بیٹھتا تھا تو اس کی مجلس میں مینڈک بھر جاتے۔ لیٹتے تھے تو مینڈک اوپر سوار ہوتے تھے، اِس مصیبت سے فرعونی رو پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے عرض کی: اب کی بار ہم پکی توبہ کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اُن سے عہد و پیمان لے کر دُعا کی تو سات روز کے بعد یہ مصیبت بھی دور ہوئی اور ایک مہینا عافیت سے گزرا، لیکن پھر اُنہوں نے عہد توڑ دیا اور اپنے کفر کی طرف لوٹے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے دُعا فرمائی تو تمام کنوؤں کا پانی، نہروں اور چشموں کا پانی، دَریائے نیل کا پانی غرض ہر پانی اُن کے لئے تازہ خون بن گیا۔ سات روز تک خون کے سوا کوئی چیز پینے کی میسر نہ آئی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے دُعا کی دَرخواست کی اور ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے دُعا فرمائی یہ مصیبت بھی دور ہوئی مگر وہ اِیمان پھر بھی نہ لائے۔[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم پر جب طوفان، ٹڈیوں، قُمّل، مینڈک اور خون یا طاعون کی صورت میں عذاب نازل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رَب سے دُعا

1 ..... بغوی، پ9، الاعراف، تحت الآیۃ: 133، 2 / 159 تا 161۔

www.dawateislami.net

کرو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ضرور آپ پر اِیمان لائیں گے اور آپ کے مطالبے کو پورا کرتے ہوئے ہم ضرور بنی اِسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے، لیکن مصیبت دور ہوتے ہی پُرانی نافرمانیوں کی طرف لوٹ جاتے۔ یہ ایک مثال بیان کی ہے اور یہی مشرکینِ مکہ کا طرزِ عمل تھا جو آیات میں بیان کیا گیا کہ وہ سمندری سفر کے دَوران طوفان کا شکار ہو کر تو خدا کو پکارتے اور شکر گزار ہونے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن بعد میں وعدہ توڑ دیتے ہیں۔ یہ وہ طرزِ عمل ہے جس پر وہ کلام فرمایا گیا جو آیت کے بالکل شروع میں بطورِ عنوان ہم نے ذِکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۲۳ (پ11، یونس:23)

ترجمہ: اے لوگو! تمہاری زیادتی صرف تمہارے ہی خلاف ہے۔ دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھالو پھر تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے تو اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

مصیبت میں اللہ کو یاد کرنا اور راحت میں بھول جانا کس کا طریقہ ہے؟

اِن آیات میں بتایا گیا کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور خوشحالی کے وقت بھول جانا حقیقت میں کافروں کا طریقہ ہے، لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج کل مسلمان بھی عملی اِعتبار سے اِس میں مبتلا ہیں۔ اگر اَولاد بیمار ہو یا خود کو کوئی خطرناک بیماری لگ جائے یا کوئی قریبی عزیز ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہو جائے تو نماز، ذِکر، دُعا، تلاوت، صدقہ و خیرات، مسجدوں کی حاضری اور مزید بہت کچھ شروع ہو جاتا ہے اور جیسے ہی معاملہ ختم ہوا تو کہاں کی نماز و مسجد اور کہاں کے ذِکر و تلاوت؟ دوبارہ پھر اپنی پُرانی دُنیا میں لوٹ جاتے ہیں۔ مسلمان کا قول تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا جینا مرنا سب اللہ کیلئے ہے، لیکن افسوس کہ آج مسلمان کا عمل اِس کے خلاف نظر آرہا ہے حالانکہ خوشحالی میں خدا کو یاد کرنا، مصیبت کے وقت بہت فائدہ دیتا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رِوایت ہے کہ اللہ کے رَسُول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ مشکل و پریشانی کے اوقات میں اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول کرے تو اُسے چاہئے کہ صحت و عافیت کے وقت میں کثرت سے دُعا کرے۔[1]

مصیبت سے نجات کے بعد خدا کے پیارے بندوں کا طرزِ عمل:

کفار کے طرزِ عمل کے برعکس خدا کے پیارے بندوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ مشکل میں بھی خدا کو یاد کرتے ہیں اور

1 ..... ترمذی، 5/248، حدیث: 3393۔

www.dawateislami.net

اس سے نجات کے بعد بھی خدا کی بارگاہ میں شکر کے نذرانے پیش کرتے ہیں، کبھی زبان سے اس کی حمد، کبھی عاجزی کے ساتھ دُعا اور کبھی سجدے میں پیشانی رکھ کر اِظہارِ بندگی کرتے ہیں۔ ایسی پاکیزہ سیرتوں کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

مشکل سے نجات کے بعد حضرت یوسف علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا خدا کو یاد کرنا:

جب حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام نے عرصہ دراز تک مختلف قسم کے بہت سے مصائب برداشت کر لیے اور بالآخر ان سے نجات پائی، پھر آپ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے اہلِ خانہ اور بالخصوص والدِ محترم سیدنا یعقوب علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام مصر پہنچے اور دُشواریوں، مشقتوں اور جدائیوں کا طویل عرصہ ختم ہوا تو حضرت یوسف علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام بارگاہِ الٰہی میں یوں شکر بجالائے:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ (پ13، یوسف:101)

ترجمہ: اے میرے رب! بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے خوابوں کی تعبیر نکالنا سکھا دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! تو دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے، مجھے اسلام کی حالت میں موت عطا فرما اور مجھے اپنے قرب کے لائق بندوں کے ساتھ شامل فرما۔

مشکل سے نجات کے بعد حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا خدا کو یاد کرنا:

قومِ نوح کا سینکڑوں سال تک حضرت نوح علیہ السّلام کو اَذیتیں پہنچانے کا زمانہ جب ختم ہونے کے قریب ہوا تو اَذیتوں کے اِختتام اور طوفان کی آزمائش سے نکلنے کے بعد حمدِ الٰہی کی تلقین یوں کی گئی، فرمایا:

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ (پ18، المومنون:28-29)

ترجمہ: پھر جب تم اور تمہارے ساتھ والے کشتی پر ٹھیک بیٹھ جاؤ تو تم کہنا تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی اور عرض کرنا: اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتار دے اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

طوفان سے نجات کے بعد آپ نے شکرانے کا روزہ بھی رکھا۔ "تفسیر بیضاوی" میں ہے: نَزَلَ عَنْهَا عَاشِرَ الْمُحَرَّمِ فَصَامَ ذٰلِكَ الْیَوْمَ فَصَارَ ذٰلِكَ سُنَّةً ترجمہ: آپ دس محرم کو کشتی سے اُترے اور اُس دن کا روزہ رکھا، تو دس کا روزہ رکھنا آپ کا طریقہ ہو گیا۔[1]

---

1 ..... بیضاوی، پ12، ھود، تحت الآیۃ:44، 3/237۔

www.dawateislami.net

مشکل سے نجات کے بعد حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا خدا کو یاد کرنا:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ابو جہل کا کٹا ہوا سر پیش کیا گیا، تو آپ نے تین مرتبہ یوں حمدِ الٰہی فرمائی: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهٗ ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے کہ جس نے اسلام اور اہلِ اسلام کو عزتیں بخشی۔“ یہ فرمانے کے بعد آپ سجدہ ریز ہو گئے۔[1]

اور ایک رِوایت میں یہ ہے کہ جب ابو جہل کا سر آیا تو آپ نے بنیتِ شکرانہ دو رَکعتیں ادا فرمائیں۔ سنن دارمی میں ہے: صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلضُّحٰی رَكْعَتَيْنِ حِيْنَ بُشِّرَ بِالْفَتْحِ، اَوْ بِرَاْسِ اَبِیْ جَهْلٍ ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے چاشت کے وقت دو رَکعتیں بطورِ شکرانہ ادا فرمائیں، جب آپ کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی تھی یا جب ابو جہل کا کٹا سر پیش کیا گیا۔[2]

مشکل سے نجات کے بعد ایک صحابی رضی اللہُ عنہ کا خدا کو یاد کرنا:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہُ عنہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے، چنانچہ اُن کا مقاطعہ کیا گیا، سب اُن سے یوں بیگانے ہو گئے کہ اُن کے رِشتہ داروں اور دوستوں نے ان سے کلام ترک کر دیا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اُن کو کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ اِسی طرح پچاس دِن گزر گئے۔ ہر وقت پریشانی، رنج و غم، بے چینی اور اِضطراب میں مبتلا تھے، اَلغرض شدتِ غم کے سبب اپنی جان سے تنگ آ گئے، نہ کوئی اَنیس ہے جس سے بات کریں، نہ کوئی غم خوار جسے حالِ دِل سنائیں، وحشت و تنہائی ہے اور شب و روز کی گریہ وزاری۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ سنن ابنِ ماجہ میں ہے کہ جب اِس قدر تکلیف دہ ایام گزرنے کے بعد توبہ قبول ہوئی تو آپ سجدے میں چلے گئے۔ اَلفاظ یہ ہیں: لَمَّا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ خَرَّ سَاجِدًا ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے ان (حضرت کعب بن مالک رضی اللہُ عنہ) کی توبہ قبول فرمائی تو وہ سجدے میں چلے گئے۔[3]

دُنیا کی زندگی کا ساز و سامان اور آیت کا دوسرا حصہ: ﴿مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھالو۔

---

1 ..... سبل الھدی والرشاد، 4/51۔

2 ..... دارمی، 1/406، حدیث: 1462۔

3 ..... ابن ماجہ، 2/163، حدیث: 1393۔

www.dawateislami.net

آیت میں لوگوں کی نفسانیت، ناشکری، دُنیا کو سب کچھ سمجھ لینے پر تنبیہ اور ناراضی کے طور پر فرمایا کہ دُنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھالو۔ یعنی ابھی تو تمہیں اِختیار ہے کہ خدا کی بندگی اِختیار کر لو یا دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھ کر اس کی لذتوں میں کھوئے رہو لیکن بالآخر تمہیں لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اور تب ہم تمہارے اَعمال کا بدلہ دیں گے۔ یہ دُنیا کی لذتیں اور اس کے مزے میں کھو جانا ہی وہ بنیادی چیز ہے جو بندے کو خدا کی اِطاعت سے دور لے جاتی ہے۔ جو اس حقیقت کو سمجھ کر سنبھل گیا وہ کامیاب ہو گیا ورنہ ان ہی لذتوں میں ڈوب جانا ہلاکت کے گڑھے میں جا گراتا ہے۔

دُنیاوی زندگی کے مال و متاع کی ناپائیداری:

دُنیا کی زندگی کا سازو سامان کیا ہے اور اس کی ناپائیداری کتنی ہے؟ اسے قرآنِ مجید میں بار بار بیان کیا گیا اور نہایت دِلنشین اَنداز میں مثالوں کے ذَریعے سمجھایا گیا ہے۔ چنانچہ عنوان میں بیان کردہ آیت سے اگلی ہی آیت میں اسے بیان فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (پ11، یونس:24)

ترجمہ: دنیا کی زندگی کی مثال تو اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین سے اُگنے والی چیزیں گھنی ہو کر نکلیں جن سے انسان اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی خوبصورتی پکڑ لی اور خوب آراستہ ہو گئی اور اس کے مالک سمجھے کہ (اب) وہ اس فصل پر قادر ہیں تو رات یا دن کے وقت ہمارا حکم آیا تو ہم نے اسے ایسی کٹی ہوئی کھیتی کر دیا گویا وہ کل وہاں پر موجود ہی نہ تھی۔ ہم غور کرنے والوں کیلئے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں۔

اِس آیت میں اس شخص کی مثال بیان فرمائی ہے جو دُنیا کی لذتوں میں گم ہو کر اپنی آخرت سے بے پَروا ہو جاتا ہے۔ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمان سے اُترنے والے پانی کی وجہ سے زمین کی پیداوار بہت گھنی ہو جاتی ہے کیونکہ جب بارش ہوتی ہے تو اس کے سبب زمین سے رنگ برنگے پھول، خوبصورت بیلیں، خوش ذائقہ پھل اور ان کے علاوہ طرح طرح کی اَجناس پیدا ہوتی ہیں حتّٰی کہ جب باغات اور کھیتوں کا مالک پھلوں سے لَدے ہوئے درختوں اور ہری بھری، لہلہاتی فصلوں کو دیکھتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا، پھر وہ اس پیداوار سے فوائد حاصل کرنے سے متعلق بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے، اس کا دل ان منصوبوں میں ہی مشغول ہوتا ہے اور یوں وہ بالکل غافل ہوتا ہے اور اسی حالت میں خدا کی طرف

www.dawateislami.net

سے دن یا رات میں کسی وقت ان پُرکشش باغوں اور کھیتوں پر ژالہ باری، آندھی یا طوفان وغیرہ کوئی بڑی آفت نازل ہو جاتی ہے جس سے یہ باغات اور فصلیں ایسے تباہ ہو جاتے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں اور ان کا مالک حسرت زدہ اور شدید غم میں مبتلا ہو کر بس ہاتھ مَلتا ہی رہ جاتا ہے۔[1]

دُنیوی زندگی اُمیدوں کا سبز باغ ہے:

آیت میں بہت بہترین طریقے سے دِل میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ دُنیوی زندگانی اُمیدوں کا سبز باغ ہے، اس میں عمر کھو کر جب آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں اس کو مراد حاصل ہونے کا اِطمینان ہوتا ہے اور وہ کامیابی کے نشے میں مست ہو جاتا ہے تو اچانک اس کو موت آ پہنچتی ہے اور وہ تمام نعمتوں اور لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دُنیا کا طلب گار جب بالکل بے فکر ہوتا ہے اس وقت اس پر عذابِ اِلٰہی آتا ہے اور اس کا تمام سازوسامان جس سے اس کی اُمیدیں وابستہ تھیں، غارت ہو جاتا ہے۔[2]

اِنسان دُنیاوی مصائب میں پھنس کر دُعائیں مانگتا اور خدا سے فرمانبرداری کے وعدے کرتا ہے لیکن جب خدائے رحمٰن ورحیم، بندے کی گریہ وزاری پر رحم فرماتا اور مصیبت سے امن وسکون دیتا ہے تو سرکش اِنسان اس کی شکر گزاری کرنے کے بجائے ناشکری اور نافرمانی کرنے لگتا ہے پھر وہی گناہ، وہی اِعتراضات، وہی ناشکری اور وہی بدعہدی، اَلغرض اپنی بے بسی کو بھول جاتا اور پرانی روش پر چل پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سمجھاتے ہوئے خدائے رحمٰن فرمارہا ہے کہ تمہارا اِس طرح سرکشی کرنا تمہارے حق میں ہلاکت کا سبب ہے۔ اگر تم نے اپنی حرکتوں سے باز نہیں آنا تو کچھ روز دُنیوی زندگی میں یہاں کے سامان سے نفع اٹھالو، پھر تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تب ہم تمہیں تمہارے بُرے اَعمال پوری تفصیل سے بتائیں گے اور ان کی سزا دیں گے۔

کاش ہم سدھر جائیں:

کاش کہ ہم اس چیز کو اپنے عقیدے سے آگے عمل کی دُنیا میں شامل کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال و اَعمال سے غافل نہیں، دُنیا میں جو کچھ عمل کریں گے اس کے حساب کے لئے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے لہٰذا دُنیا کی محبت میں

1 ..... تفسیر کبیر، پ11، یونس، تحت الآیۃ:24، 6/236-237۔
2 ..... تفسیر خازن، پ11، یونس، تحت الآیۃ:24، 2/310 ملخصًا۔

www.dawateislami.net

ڈوب کر آخرت کو فراموش کرنے والے کے لئے ہلاکت ہے کہ کس طرح وہ مر جاتا ہے اور دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے اسے چھوڑ جاتا ہے۔ دُنیا اسے ذَلیل و رُسوا کرتی اور دھوکے میں مبتلا کرتی ہے لیکن یہ دُنیا ہی میں ڈوبا رہتا ہے حتی کہ آدمی کی موت کا وعدہ آپہنچتا ہے۔ اِسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ(۱) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَؕ(۲)﴾ (پ30، التکاثر:1-2) ترجمہ: زیادہ مال جمع کرنے کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا۔

دُنیا کی زندگی کے بعد کیا ہو گا؟

دُنیا آخرت کی کھیتی ہے، اس میں جو بوئیں گے وہی کاٹیں گے، جس نے نافرمانی میں زندگی بسر کی اور رَحمتِ الٰہی اس کے شامل حال نہ رہی تو وہ برزخ میں سخت تکالیف میں مبتلا ہو گا۔ تو چاہئے کہ دُنیاوی زندگی کو قبر و آخرت کی تیاری میں بسر کیا جائے نہ کہ صرف دُنیا بنانے اور سنوارنے میں۔ اپنی اِصلاح کے لیے آیاتِ بالا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی یہ دو اَحادیثِ مبارکہ پیشِ نظر رکھیں تو قبر و حشر کی تیاری کرنا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، ان میں سے دو لوٹ آتی ہیں اور ایک (اس کے ساتھ) رہ جاتی ہے۔ اس کے اہلِ خانہ، مال اور عمل ساتھ جاتے ہیں، اہلِ خانہ اور مال لوٹ آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔[1] اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں: ایک دِن رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم سے دَریافت فرمایا: تم جانتے ہو کہ تمہاری، تمہارے اہل و عیال، مال اور اَعمال کی مثال کیسی ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ اِرشاد فرمایا: تمہاری، تمہارے اہل و عیال، مال اور اعمال کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے تین بھائی ہوں، جب اس کی موت کا وقت قریب آئے تو وہ اپنے تینوں بھائیوں کو بلائے اور ایک سے کہے: تم میری حالت دیکھ رہے ہو، یہ بتاؤ کہ تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟ وہ جواب دے: میں تمہارے لئے اتنا کر سکتا ہوں کہ فی الحال تمہاری تیار داری کروں، تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری حاجات اور ضروریات کو پورا کروں، پھر جب تمہارا اِنتقال ہو جائے تو تمہیں غسل دے کر کفن پہناؤں اور لوگوں کے ساتھ مل کر تمہارا جنازہ اٹھاؤں کہ کبھی میں کندھا دوں اور کبھی اور شخص، جب (تمہیں دفن کر کے) واپس آؤں تو جو کوئی تمہارے بارے میں پوچھے اس کے سامنے تمہاری بھلائی ہی بیان کروں۔ یہ بھائی دَر حقیقت اس شخص کے اہل و عیال ہیں۔ یہ

---

1 ..... بخاری، 4/ 250، حدیث: 6514۔

www.dawateislami.net

فرمانے کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم سے پوچھا: اِس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی: ہم اِس میں کوئی بھلائی نہیں پاتے۔ اس کے بعد اِرشاد فرمایا: پھر وہ اپنے دوسرے بھائی سے کہے: تم بھی میری حالت دیکھ رہے ہو، تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟ تو وہ جواب میں کہے: میں اس وقت تک تمہارا ساتھ دوں گا جب تک تم زندہ ہو، جونہی تم دُنیا سے رُخصت ہو گئے تو ہمارے راستے جدا جدا ہو جائیں گے کیونکہ تم قبر میں پہنچ جاؤ گے اور میں یہیں دُنیا میں رہ جاؤں گا۔ یہ بھائی اصل میں اس شخص کا مال ہے، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم نے عرض کی: یارسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، ہم اسے بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مزید اِرشاد فرمایا: پھر وہ شخص اپنے تیسرے بھائی سے کہے: تم بھی میری حالت دیکھ رہے ہو اور تم نے میرے اہل و عیال اور مال کا جواب بھی سن لیا ہے، بتاؤ تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟ وہ اُسے تسلی دیتے ہوئے کہے: میرے بھائی، میں تو قبر میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہیں وحشت سے بچاؤں گا اور جب حساب کا دن آئے گا تو میں تیرے میزان میں جا بیٹھوں گا اور اسے وزن دار کر دوں گا۔ یہ اس کا عمل ہے، اِس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم نے عرض کی: یارسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، یہ تو بہت اچھا دوست ہے۔ رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: حقیقت یہی ہے۔[1]

فکرِ آخرت اور آیت کا تیسرا حصہ: ﴿ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۴۲﴾ پھر تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے تو اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اِرشاد فرماتا ہے: ﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى۝۳۶﴾ (پ29، القیامۃ:36) ترجمہ: ”کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔“ ہمیں آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جیسے چاہیں زندگی گزاریں، جو چاہیں عمل کریں اور اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں، شب و روز گزاریں، نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی طرف سے کچھ چیزوں کا پابند کیا گیا ہے اور کچھ چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور زندگی گزارنے کے لئے ہمیں ایک دائرۂ کار عطا کیا گیا ہے، جس میں رہ کر ہمیں اپنی زندگی کے اَیّام پورے کرنے ہیں اور ہمارے سامنے یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ہمیں مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور اپنے اَعمال کا حساب دینا ہے

1 ..... کنز العمّال، 8 / 318، حدیث: 42974، الجزء: 15۔

www.dawateislami.net

اور پھر دُنیا میں جیسے اَعمال کئے ہوں گے ویسی جزا بھی ملے گی۔

خلاصہ کلام:

(1)اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے شدید مصیبت سے رَحمت کی طرف منتقل ہونے اور اس کے بعد کافروں کی سرکشی، خود فریبی اور انکارِ حق کی طرف لوٹ جانے کا ذِکر کیا ہے۔

(2)مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور خوشحالی کے وقت بھول جانا حقیقت میں کافروں کا طریقہ ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج کل مسلمان بھی عملی اِعتبار سے اِس میں مبتلا ہیں۔

(3)دُنیاوی زندگانی اُمیدوں کا سبز باغ ہے، اِس میں عمر کھو کر موت سے غافل ہونا سراسر خسارہ ہے۔

(4)دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس میں جو بوئیں گے وہی کاٹیں گے جس نے نافرمانی میں زندگی بسر کی تو قبر و حشر میں سخت عذاب میں مبتلا ہو گا۔

(5)ہمیں دُنیا میں بے ہدایت اور بے لگام نہیں چھوڑا گیا کہ جیسے چاہیں زندگی گزاریں اور جو چاہیں اَعمال کریں، بلکہ شریعت کی صورت میں بہت سے کام کرنے کا حکم دیا ہے اور کئی چیزوں سے منع کیا ہے۔ان اَحکام کی بجاآوری ہی میں نجات ہے۔

محاسبہ:

خوشی اور غم، دونوں زندگی کا حصہ ہیں، مگر صرف غم، مصیبت اور پریشانی کی حالت میں اپنے رب کو یاد کرنا اور خوشحالی کے وقت خدا کو بھول جانا کافروں کا طریقہ ہے، بندۂ مؤمن کا شیوہ نہیں۔ مسلمان ہر حال میں اپنے خدا کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ وہ اپنی عمر غفلتوں میں کھو کر آخرت کو داؤ پر نہیں لگاتا، وہ ہر دَم اپنی اُخروی زندگی کے متعلق فکر مند رہتا ہے۔ آیئے ہم بھی اپنی زندگی میں ایک مومن کی سوچ تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

(1)زندگی کے خوشی اور غم کے مواقع پر ہم کس قدر یادِ الٰہی میں وقت صرف کرتے ہیں؟

(2)جس طرح پریشانی میں خدائے رحمٰن و رحیم کو یاد کرتے ہیں، کیا اُسی طرح خوشی میں بھی اُس رب کریم کو یاد رکھتے ہیں؟

(3)کیا ہمارا عمل یہ تو نہیں کہ غم کے ایام میں تو مصلے سے اُٹھتے نہیں اور خوشحالی میں اُس پر بیٹھتے نہیں؟

www.dawateislami.net

(4) کیا ہم نے اَنبیاءِ کرام علیہمُ السّلام کی زندگیوں کے خوشی و غمی کے واقعات کا مطالعہ کر کے سبق حاصل کیا؟

(5) کیا ہم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ جب انبیاءِ کرام علیہمُ السّلام کو مصائب سے نجات ملتی تو اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں کیسے رجوع کرتے؟

(6) ہماری زندگی کی لگام شیطان کے ہاتھ میں ہے یا شریعت کے ہاتھ میں؟

(7) کیا ہم خوشی کے موقع پر "سب چلتا ہے" جیسے خلافِ شرع نعرے لگانے والے تو نہیں؟

(8) کیا ہم اپنے سفرِ آخرت کے زادِ راہ یعنی اعمالِ صالحہ کی تیاری کے لیے فکر مند رہتے ہیں؟

(9) ہم اپنی اَولادوں کو مستقبل بنانے کے مشورے تو صبح شام دیتے ہیں، کیا "آخرت" کے اَبدی مستقبل کی تیاری کا ذہن بھی دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:8 عظمتِ قرآن کی چار جہتیں

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِۙ-وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ(۵۷) (پ11، یونس:57)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت آگئی۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس رُشد و ہدایت، رَحمت و برکت، شِفائے ظاہری و باطنی اور دِلوں میں اِنقلاب برپا کر دینے والی، مؤثر نصیحتوں کا عظیم مجموعہ، قرآنِ حکیم کی صورت میں تشریف لا چکا ہے، جو تمہیں بُرے کاموں سے روکتا، اُن سے نفرت دِلاتا اور بُرائیوں کے ہولناک اَنجام سے ڈرا کر اچھے کاموں کی ترغیب دِلاتا ہے۔ یہ قرآن دِلوں کی ہلاکت خیز بیماریوں مثلاً جہالت، گمراہی، عقائدِ باطلہ، شکوک و شبہات اور اَخلاقِ ذَمیمہ سے شِفا بخشتا ہے۔ یہ قرآن اہلِ ایمان کے لیے عملی طور پر نفع بخش ہدایت ہے کہ اُنہیں خدا تک پہنچاتا ہے اور یہ قرآن رَحمت کی صورت میں آیا ہے کہ اِس کا پڑھنا، سننا، عمل کرنا سب رَحمت ہے اور عمل کرنے والوں کو خدا کی رَحمتوں کا حق دار بناتا ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

قرآن کی چار صفات:

اِس آیت میں قرآنِ کریم کے خدا کی طرف سے نازل ہونے اور اس کے نصیحت، شِفا، ہدایت اور رَحمت ہونے کا بیان ہے۔

اٹھ کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی۔

”مَوْعِظَةٌ“ (نصیحت) کسے کہتے ہیں؟

(1)... ”مَوْعِظَةٌ“ کے معنیٰ ہیں وہ بات یا چیز جو اِنسان کو پسندیدہ چیز کی طرف بلائے اور خطرے سے بچائے۔

www.dawateislami.net

(2)... ”مَوْعِظَةٌ“ نیکی کی ایسی نصیحت جس سے دِل میں نرمی پیدا ہو۔[1] (3)... اور تفسیر جمل میں فرمایا کہ ”مَوْعِظَةٌ“ کا معنٰی ہے وعظ و نصیحت یعنی مُکَلَّف کے سامنے نیک اَعمال جو اس کیلئے فائدہ مند ہیں اور بُرے اَعمال جو اس کے لئے نقصان دِہ ہیں، بیان کرکے اسے نصیحت کرنا۔[2] اور قرآنِ کریم سے یہ فائدہ اِنتہائی اَحسن طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔

قرآن کے وعظ و نصیحت کے مختلف اَسالیب:

زمین سے پھل پانے کے لئے زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے تاکہ بیج ڈالا جاسکے اور زمین تک ہوا، پانی، روشنی پہنچ سکے، یونہی دِل کی کھیتی میں اِیمان کا بیج ڈالنے اور اس سے اَعمالِ صالحہ کا پھل پانے کے لئے دِل کو نرم کرنے کی ضرورت ہے اور ”قرآنِ پاک“ اپنے دِل نشیں وعظ و نصیحت سے دِلوں کو نرم کرتا ہے۔ گناہوں اور غفلت کے سبب مخلوق کی زیادہ تر تعداد کے دِلوں کی حالت تو ویسی ہے، جو آیتِ مبارکہ میں یوں بیان فرمائی گئی:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (پ 1، البقرۃ:74)

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے تو وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

قرآنِ مجید اِسی سختی کو دور کرتا اور اسے قبولِ حق کے لئے نرم بناتا ہے۔ قرآنِ مجید میں نصیحت کے رنگ بہت منفرد اور متنوع ہیں۔ اگر صرف اسی کے متعلق اَسالیبِ قرآن جمع کئے جائیں تو اعجازِ قرآن کی یہ جہت ہی اِیمان تازہ کر دیتی ہے۔ آیئے چند اَسالیب پر کلام کرتے ہیں۔

نصیحت کا ایک اُسلوب:

قرآنِ مجید کی نصیحت کا ایک اُسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اِنسان کو اس کی حقیقت یاد کراتا ہے کہ بندے کی تخلیق کیسے کی گئی؟ پھر اللہ تعالٰی نے ناتواں اِنسان پر اپنی رَحمتوں کی کیسی بارش برسائی؟ اِن سب کے ذِکر کے ساتھ قرآن، بندے کو جھنجھوڑ کر خدا کی طرف راغب کرتا ہے، مثلاً ایک جگہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ(۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ(۷) فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ

ترجمہ: اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک

1 ..... تفسیر خازن، پ 11، یونس، تحت الآیۃ:57، 2/320۔
2 ..... جمل، پ 11، یونس، تحت الآیۃ:57، 3/372۔

www.dawateislami.net

رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ (پ30، الانفطار:6تا8) بنایا پھر اعتدال والا کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا کہ اِنسان کی حالت و کیفیت ایسی تھی کہ وہ کوئی قابلِ ذِکر شے نہ تھا، فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ (پ29، الدھر:1) ترجمہ: بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ وہ کوئی ذکر کے قابل چیز نہ تھا۔

لیکن پھر اسی ناقابلِ ذِکر شے کو اپنی مہربانیوں سے عظیم نعمتوں سے سرفراز کیا، چنانچہ فرمایا:

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (پ29، الملک:23) ترجمہ: تم فرماؤ: وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اور صرف اِس کے وجود میں اپنی نعمتیں ہی وَدیعت نہیں فرمائیں، بلکہ زمین کی جملہ پیداوار اِنسان کے لئے وَقف فرما دی، چنانچہ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (پ 1، البقرۃ:29) ترجمہ: وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے بنایا۔

اور صرف زمین ہی نہیں بلکہ آسمان پر جاری نظام، سورج، چاند، ستارے اور دِن رات کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ وَسیع و عریض نظام پیدا کرنے میں اِنسان ہی مقصودِ کائنات ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾ (پ 13، ابراہیم:33) ترجمہ: اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا۔

اور فرمایا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (پ21، لقمان:20) ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کو اللہ نے تمہارے لیے کام میں لگا رکھا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔

گویا یوں نصیحت کی جارہی ہے کہ اے اِنسان! تمہاری اوقات یہ تھی کہ قابلِ ذِکر شے بھی نہ تھا کہ پہلے تو تیرا وجود ہی نہ تھا، پھر وجود کی اِبتدا بھی ہوئی تو ایک معمولی سے قطرے سے، لیکن خدائے مہربان نے تجھ پر اِس قدر مہربانی فرمائی کہ ایک طرف تو تجھے ایک خوب صورت، سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والا بھرپور اِنسان بنایا، دوسری طرف

www.dawateislami.net

زمین و آسمان کی نعمتیں تجھ پر نچھاور کر دیں جن سے دِن رات تم نفع اُٹھا رہے ہو۔ اِن تمام مہربانیوں کے باوجود کس چیز نے تجھے دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ تو خدا پر ایمان لانے، اس کی ہدایت پر عمل کرنے، اس کی بارگاہ میں جھک جانے اور اس کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنے سے دور ہے۔

مذکورہ اُسلوبِ قرآنی کو ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ قرآنِ مجید کے نصیحت فرمانے کا انداز کیسا خوبصورت، دِلکش اور مؤثر ہے۔

نصیحت کا دوسرا اُسلوب:

نصیحت دِلوں میں اُتر جانے والی خیر کی باتوں کا نام ہے اور قرآنِ مجید کے اَسالیبِ نصیحت میں ایک اَنداز یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ وقوعِ قیامت کی ہولناکی، اس وقت برپا ہونے والے زَلزلے کی ہیبت، آسمان و زمین کے پھٹ جانے، پہاڑوں کے اُڑنے، سمندروں کے خشک ہونے اور مخلوق کے مر جانے پھر اُن کے دوبارہ زندہ کئے جانے، پریشان حال ہو کر میدانِ قیامت میں جمع ہونے، جہنم کی آوازیں سننے، شدید گرمی میں حساب کا اِنتظار کرنے، پھر خدا کی بارگاہ میں پیش ہونے، حساب دینے، اَعمال دیکھنے، شرمندہ ہونے اور جنت یا جہنم میں جانے کا دِلوں کو لرزا دینے اور روح کو ہِلا دینے والے ایسے مَناظر کا بیان ہے کہ اِس سے بڑھ کر دِلوں کو متأثر کرنے والی شاید ہی کوئی دوسری نصیحت ہو۔

وقوعِ قیامت کا منظر ایک جگہ یوں بیان فرمایا:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲
وَ اِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ۝۳ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴
وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶
وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝۸
بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰
وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲
وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

(پ30، التکویر: 1 تا 14)

ترجمہ: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے جھڑ پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے اور جب سمندر سلگائے جائیں گے اور جب جانوں کو جوڑا جائے گا اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، کس خطا کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا؟ اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی اور جب جنت قریب لائی جائے گی (تو) ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی۔

www.dawateislami.net

دُنیا کے کام بنانے کے لئے دُنیا کی کر نسی روپے پیسے ہیں جبکہ آخرت کی کامیابی کے لئے کر نسی نیکیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ﴾ (پ28، الحشر:18) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔

دُنیا کے عزیز ترین رِشتے دار بھی قیامت کے دِن ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے۔ چنانچہ اس وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَىٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾ (پ30، عبس:33 تا37)

ترجمہ: پھر جب وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ آئے گی، اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس دن ایک ایسی فکر ہو گی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا کر دے گی۔

اور قیامت کے دِن ذَرّے ذَرّے کا حساب ہونے کے متعلق فرمایا: ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾﴾ (پ30، الزلزال:7-8) ترجمہ: تو جو ایک ذَرّہ بھر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔ اور جو ایک ذَرّہ بھر برائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔

نصیحت کا تیسرا اُسلوب:

قرآنِ مجید میں نصیحت کا ایک اُسلوب یہ بھی ہے کہ صالحین کی زبان سے ان کے زمانے کے لوگوں یا اولاد کو کی گئی نصیحت کو قرآنِ مجید میں بیان فرمایا گیا، چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ (پ1، البقرۃ:132)

ترجمہ: اور ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا ہے تو تم ہر گز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

اور ایک جگہ یوں نصیحت ذِکر فرمائی کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتوں کا ذِکر کیا، چنانچہ فرمایا:

یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ

ترجمہ: اے میرے بیٹے! برائی اگر رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں، اللہ اسے لے آئے

www.dawateislami.net

اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾ (پ21، لقمان:16تا19)

گا بیشک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبر دار ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور تجھے جو مصیبت آئے اس پر صبر کر، بیشک یہ ہمت والے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے بات کرتے وقت اپنا رخسار ٹیڑھا نہ کر اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چل، بیشک اللہ کو ہر اکڑنے والا، تکبر کرنے والا ناپسند ہے اور اپنے چلنے میں درمیانی چال سے چل اور اپنی آواز کچھ پست رکھ، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ اور دِلوں کی شفا۔

”شفاء“ سے مُراد:

اِس آیت میں فرمایا کہ قرآن دِلوں کی شِفا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (پ15، بنی اسرائیل:82) ترجمہ: ”اور ہم قرآن میں وہ چیز اُتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔“ صدرُ الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃُ اللہِ علیہ کے فرمان کا خلاصہ ہے کہ قرآنِ کریم ظاہری و باطنی دونوں اِعتبار سے شِفا ہے کیونکہ اِس سے باطنی اَمراض، گمراہی اور جہالت دور ہوتے ہیں، باطل عقائد، رَذیل اَخلاق اس کے ذَریعے ختم ہوتے ہیں اور عقائدِ حقہ، معارفِ اِلٰہیہ، صفاتِ حمیدہ اور اَخلاقِ فاضلہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ یہ کتابِ مجید ایسے علوم و دَلائل پر مشتمل ہے جو وہم پر مَبنی چیزوں کو اور شیطانی ظلمتوں کو اپنے اَنوار سے نیست و نابُود کر دیتے ہیں نیز یہ ظاہر کے لئے بھی شِفا ہے اور اس کا ایک ایک حرف برکات کا گنجینہ و خزانہ ہے، جس سے جسمانی اَمراض اور جادو، آسیب دور ہوتے ہیں۔

قرآنِ مجید کا باطن کے لئے شِفا کا ذَریعہ ہونا:

قرآنِ مجید نے اپنے ماننے والوں کے باطن کو شِفا بخشی اور انہیں باطنی اَمراض مثلاً تکبر، اَنانیت، فخر و غرور، ظلم، تعصب، شجاعت کے بے مقصد اِستعمال، جاہلانہ حمیت، اَحمقانہ غیرت اور معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے نفرت و عداوت وغیرہا بُری خصلتوں سے کیسے نجات دی؟ اس کے لیے عرب کی زندگی اور نزولِ قرآن کے برپا ہونے والے

www.dawateislami.net

اِنقلاب یعنی صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو قرآنِ مجید کا باطن کے لئے شِفا ہونا، روشن ہو کر سامنے آجائے گا۔ صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ (پ4، آلِ عمران:103)

ترجمہ: اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ پیدا کر دیا پس اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جن میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اے مسلمانو! یاد کرو کہ جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دُشمن تھے اور تمہارے درمیان طویل عرصے کی جنگیں جاری تھیں حتّٰی کہ اوس اور خَزْرَج میں ایک لڑائی ایک سو بیس سال جاری رہی اور اس کے سبب رات دن قتل و غارت کی گرم بازاری رہتی تھی لیکن اسلام کی بدولت عداوت و دُشمنی دور ہو کر آپس میں دِینی محبت پیدا ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ذَریعے اللہ تعالیٰ نے تمہاری دُشمنیاں مٹا دیں اور جنگ کی آگ ٹھنڈی کر دی اور جنگجو قبیلوں میں اُلفت و محبت کے جذبات پیدا کر دیئے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا، ورنہ یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچے ہوئے تھے اور اگر اسی حال پر مر جاتے تو جہنم میں پہنچتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے صدقے دولتِ ایمان عطا کر کے اس تباہی سے بچالیا۔

قرآن نے عرب قوم کو کیسی عظیم شفا عطا فرمائی اس کے لئے ذرا مرض کی نوعیت ملاحظہ کریں، شاعر لکھتا ہے:

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر، واں شرارا — تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا — کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں — یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

پھر اس قوم کی حالت سدھارنے کے لئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تشریف لائے اور اپنے ساتھ شفائے کاملہ قرآنِ مجید لائے۔

www.dawateislami.net

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اٹھ کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

قرآنِ مجید میں جسمانی اَمراض کی بھی شِفا موجود ہے:

یاد رہے کہ قرآنِ کریم کی حقیقی شفا تو روحانی اَمراض سے ہے، لیکن جسمانی اَمراض کی بھی اِس میں شِفا موجود ہے اور سرکارِ دوعالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اَقوال واَفعال سے ثابت ہے، اِس کی دو مثالیں دَرج ذیل ہیں:

(1)... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعض صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم عرب کے کسی قبیلے میں گئے، اُس قبیلے کے لوگوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی۔ اسی دَوران قبیلے کے سردار کو ایک بچھو نے ڈنک مار دیا تو وہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے پاس آکر کہنے لگے کہ کیا تم میں سے کسی کے پاس دَوا ہے یا تم میں کوئی دَم کرنے والا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم نے کہا: تم نے چونکہ ہماری مہمان نوازی نہیں کی، اِس لئے ہم اس وقت تک دَم نہیں کریں گے جب تک تم اس کی اُجرت نہ دو گے۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے لئے بکریوں کا ایک ریوڑ مقرر کیا، پھر (ایک صحابی رضی اللہُ عنہ نے) سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا اور اپنے تھوک کی چھینٹیں اس پر ڈالیں، تو وہ تندرست ہو گیا۔ (قبیلے کے سردار کو شفا ملنے پر) قبیلے کے لوگ (معاوضے کے طور پر) بکریاں لے کر آئے تو صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم نے کہا: ہم اُس وقت تک یہ بکریاں نہیں لیں گے جب تک (ان کے بارے میں) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے پوچھ نہ لیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مسکرائے اور اِرشاد فرمایا: تمہیں کس نے بتایا تھا کہ یہ دَم ہے؟ ان بکریوں کو لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکال لو۔[1]

1 ..... بخاری، 4/30، حدیث: 5736۔

www.dawateislami.net

(2)... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس مرض میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی روح قبض کی گئی تھی، اس مرض میں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دَم فرماتے تھے اور جب طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو میں وہ سورتیں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر دَم کیا کرتی اور خود آپ کے ہاتھ کو پھیرتی کیونکہ وہ (میرے ہاتھ سے زیادہ) بابرکت ہے۔[1]

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۝۵۷﴾ اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت آگئی۔

اِس حصے میں قرآنِ کریم کی صفت ہدایت بیان فرمائی ہے، کیونکہ قرآنِ پاک گمراہی سے نکالتا اور راہِ حق دِکھاتا ہے اور قرآن کی ہدایت و رحمت تو سب کے لئے ہے کہ جو بھی اس سے فائدہ اُٹھانا چاہے اُٹھالے لیکن چونکہ فائدہ صرف ایمان والے اٹھاتے ہیں تو بطورِ خاص مومنوں کے لئے ہی رحمت فرمایا۔[2]

قرآنِ مجید کی شانِ ہدایت ایک جگہ یوں بیان فرمائی:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۝۱ (پ13، ابراہیم:1)

ترجمہ: یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے اجالے کی طرف، اس (اللہ) کے راستے کی طرف نکالو جو عزت والا، سب خوبیوں والا ہے۔

ایک جگہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ۝۲ (پ1، البقرۃ:2)

ترجمہ: وہ بلند رتبہ کتاب جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس میں ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ (پ2، البقرۃ:185)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔)

قرآن اِنسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے ہدایت:

اِنسان کی زندگی، اس کے عقائد، مراسمِ عبادات، قلبی کیفیات، اچھی اخلاقیات، معاشرتی تعلقات، کاروباری معاملات

---

1 ..... بخاری، 4/34، حدیث: 5751۔

2 ..... تفسیر خازن، پ11، یونس، تحت الآیۃ: 57، 2/320 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

اور خاندانی حالات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید نے اِن تمام اُمور میں کامل اور بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے جائیں تو ہر صفحے پر آپ کو اِنسانی زندگی کی کسی نہ کسی مُعاملے میں رہنمائی ضرور ملے گی، کیونکہ قرآن تو ہے ہی کتابِ ہدایت۔ ذیل میں صرف چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

قرآنِ مجید کی عقائد کے متعلق ہدایت:

قرآنِ مجید کا سب سے بڑا موضوع عقائد ہے کیونکہ یہی عمل کی اَساس اور نجات کی بنیاد ہے۔ قرآنِ مجید میں عقائدِ اسلامیہ کو کھول کھول کر بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ اِختصار کے ساتھ اِیمان کی بنیادی چیز کو یوں بیان فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ (پ5، النساء:136)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل کی (ان سب پر ہمیشہ) ایمان رکھو اور جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کو نہ مانے تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

عبادات میں ہدایت:

عبادت مقصدِ زندگی ہے اور عبادت کے طریقے خدا کے بتانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت، ذِکر، دُعا اور دُرُود، سب عبادات ہی کی مختلف اَقسام ہیں۔ اِن تمام عبادات کی رہنمائی کرنے والی قرآنِ مجید میں سینکڑوں آیات ہیں۔ کثیر آیات سے ہر باعمل مسلمان واقف ہے۔ یہاں چند آیات پیش کی جاتی ہیں:

ایک جگہ فرمایا:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ (پ1، البقرۃ:43)

ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

ایک جگہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ (پ17، الحج:77)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور اچھے کام کرو اس امید پر کہ تم فلاح پاجاؤ۔

www.dawateislami.net

ایک جگہ فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ (پ15، الکھف:28)

ترجمہ: اور اپنی جان کو ان لوگوں کے ساتھ مانوس رکھ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔

کاروباری و مالی معاملات میں ہدایت:

زندگی گزارنے کے لئے کوئی ذَریعہ معاش ہونا ضروری ہے۔ قرآنِ مجید میں معاش کے حلال و حرام اَحکام بہت تاکید و وضاحت سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک جگہ باہمی مُعاملات میں وعدہ و عہد کی پابندی کے متعلق فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (پ6، المائدۃ:1)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمام عہد پورے کیا کرو۔

ایک جگہ رزقِ حلال کے متعلق فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (پ2، البقرۃ:172)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اور ایک مقام پر تجارت کی جائز صورتیں اپنانے اور حرام طریقوں سے بچنے کے متعلق فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (پ5، النساء:29)

ترجمہ: اے ایمان والو! باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ البتہ یہ (ہو) کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

ایک جگہ مالِ حرام کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (پ4، النساء:10)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

مالی معاملات میں امانت دار ہونا نہایت ضروری ہے، اس کے متعلق فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (پ5، النساء:58)

ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں ان کے سپرد کرو۔

اخلاقیات میں ہدایت:

اچھا اَخلاق اِنسان کا زیور، خوش گوار زندگی کی بنیاد اور اچھے معاشرے کی بنیادی اِقدار میں سے ہے اور دینِ اسلام

www.dawateislami.net

کی خوبصورتی یہ ہے کہ یہ دینِ آداب اور دینِ اخلاق و اخلاقیات ہے۔ قرآنِ مجید میں اَخلاقیات کی دُنیا میں کامل رہنمائی فرمائی ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۳۴ (پ24، حٰمٓ السجدۃ:34)

ترجمہ: اور اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کو بھلائی کے ساتھ دور کر دو تو تمہارے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہو گی وہ اس وقت ایسا ہو جائے گا کہ جیسے وہ گہرا دوست ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍۚ۱۸ (پ21، لقمان:18)

ترجمہ: اور لوگوں سے بات کرتے وقت اپنا رخسار ٹیڑھا نہ کر اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چل، بیشک اللہ کو ہر اکڑنے والا، تکبر کرنے والا ناپسند ہے۔

اور فرمایا:

وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًاۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۳۷ (پ15، بنی اسرائیل:37)

ترجمہ: اور زمین میں اتراتے ہوئے نہ چل بیشک تو ہر گز نہ زمین کو پھاڑ دے گا اور نہ ہر گز بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ جائے گا۔

معاشرتی تعلقات میں ہدایت:

اِنسان مُعاشرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ اِنسانی زندگی اِجتماعیت کا تقاضا کرتی ہے اور اِنسانوں کے قرب سے اُنس پاتی ہے جبکہ تنہائی سے وَحشت محسوس کرتی ہے لیکن معاشرے میں رہنے کے لئے کچھ اُصولوں کی پابندی ضروری ہے ورنہ یہی معاشرتی زندگی جان کا وبال اور روح کا عذاب بن جاتی ہے۔ آیئے اچھی معاشرت کے چند اُصولوں کے متعلق قرآنِ مجید کی ہدایتِ کاملہ کا مطالعہ کریں۔

دِل و زبان کے اَفعال و حرکات کے متعلق فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور (پوشیدہ باتوں کی) جستجو نہ کرو اور ایک

www.dawateislami.net

بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ (پ26، الحجرات:12)

دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں ناپسند ہو گا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔

حُسنِ کلام کے متعلق فرمایا: ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (پ 1، البقرۃ:83) ترجمہ: اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

رِشتے داروں، مُعاشرے کے غریب وضرورت مند اور عام لوگوں کے متعلق فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ (پ 5، النساء:36)

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس بیٹھنے والے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلام لونڈیوں (کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔)

خاندانی اُمُور میں ہدایت:

معاشرتی زندگی میں سب سے زیادہ قریب اِنسان کے ماں باپ اور بیوی بچے ہوتے ہیں، اِس لئے ان کے متعلق قرآنِ مجید نے جداگانہ تاکیدی ہدایات عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ (پ 15، بنی اسرائیل:23)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے خوبصورت، نرم بات کہنا۔

اور بیویوں کے متعلق یوں ہدایت فرمائی:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾ (پ 2، البقرۃ:228)

ترجمہ: اور عورتوں کے لئے بھی مَردوں پر شریعت کے مطابق ایسے ہی حق ہے جیسا (ان کا) عورتوں پر ہے اور مَردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

اور پورے گھر کے بارے میں فرمایا:

www.dawateislami.net

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (پ 28، التحریم:6)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

قرآن کے رَحمت ہونے کی صورتیں:

قرآنِ مجید کا پڑھنا، سننا، دیکھنا، چھونا، سمجھنا، سکھانا اور عمل کرنا سب رَحمت ہے۔ خدائے رَحمٰن و رحیم عزوجل نے رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر مخلوق پر رَحمت و شفقت، ہدایت و نصیحت کے لئے قرآنِ مجید نازل فرمایا۔

شریعت، طریقت اور حقیقت کی طرف اِشارہ:

علامہ صاوی رحمۃُ اللہِ علیہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿مَوْعِظَةٌ﴾ کا معنٰی یہ ہے کہ نفع دینے والی چیزوں یعنی اچھے اَعمال کی ہدایت اور نقصان دینے والی چیزوں یعنی بُرے اَعمال سے ڈرانا۔ ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾، ﴿مَوْعِظَةٌ﴾ کی صفت ہے اور اِرشاد فرمایا: ﴿وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ اِس میں سینوں سے مُراد دِل ہیں اور معنٰی یہ ہے کہ قرآن وعظ و نصیحت کرنے والا ہے اور اسی کے ذَریعے دِلوں کے اَمراض یعنی کینہ، حسد، بغض اور بُرے عقائد سے شِفا نصیب ہوتی ہے۔ اور اِرشاد فرمایا: ﴿وَ هُدًى﴾ یعنی نور جو کہ کامل مسلمانوں کے دِلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے ذَریعے وہ حق و باطل میں اِمتیاز کر لیتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں: اِس آیت میں شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کی طرف اِشارہ ہے۔ شریعت کی طرف اِشارہ آیت کے اِس حصے: ﴿مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ میں ہے، کیونکہ شریعت سے ظاہری طہارت حاصل ہوتی ہے اور طریقت کی طرف اِشارہ آیت کے اِس حصے: ﴿وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ میں ہے کیونکہ طریقت باطن کو ہر نامناسب چیز سے پاک کرتی ہے۔ جبکہ حقیقت کی طرف اِشارہ آیت کے اِس حصے: ﴿وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۵۷﴾ میں ہے، کیونکہ حقیقت ہی کے ذَریعے دِلوں میں ان اَنوار کی تجلیات پھیلتی ہیں جن کے ذَریعے چیزیں اپنی حقیقت کے مطابق نظر آتی ہیں۔ جب دِلوں میں ان اَنوار کی تجلیات آ جائیں تو پھر ہر چیز میں اللہ تعالٰی کی قدرت دِکھائی دیتی ہے اور ہر چیز علمِ ذوقی کے اِعتبار سے اس کے قریب ہو جاتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت طریقت کا ثمرہ ہے اور حقیقت، طریقت اور شریعت کو مضبوطی سے تھامنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، اِسی لئے کہا گیا ہے کہ حقیقت شریعت کے بغیر باطل ہے اور شریعت حقیقت کے بغیر بیکار ہے۔[1]

---

1 ..... صاوی، پ11، یونس، تحت الآیۃ: 57، 3/876-877۔

www.dawateislami.net

خلاصہ کلام:

(1)اِس آیت میں قرآنِ کریم کے آنے اور اس کے نصیحت، شفا، ہدایت اور رَحمت ہونے کا بیان ہے۔

(2)دِل کی کھیتی میں اِیمان کا بیج ڈالنے اور اس سے اَعمالِ صالحہ کا پھل پانے کے لئے دِل کو نرم کرنے کی ضرورت ہے اور قرآن وعظ و نصیحت سے دِلوں کو نرم کرتا ہے۔

(3)قرآن کے وعظ و نصیحت کے مختلف اَسالیب ہیں جن میں چند یہ ہیں: اِنسان کو اس کی حقیقت اور عطا کردہ نعمتیں یاد دِلا کر نصیحت کی گئی۔ قیامت کی تیاری کے حکم اور اس کی منظر کشی کے ذَریعے نصیحت فرمائی گئی۔ صالحین کی زبان سے نصیحتوں کے بیان سے اِصلاح فرمائی گئی۔

(4)قرآنِ کریم ظاہری و باطنی دونوں اِعتبار سے شِفا ہے کیونکہ اِس سے باطنی اَمراض، گمراہی اور جہالت دور ہوتے ہیں، باطل عقائد، رَذیل اَخلاق اس کے ذَریعے ختم ہوتے ہیں اور عقائدِ حقہ، معارفِ اِلٰہیہ، صفاتِ حمیدہ اور اَخلاقِ فاضلہ حاصل ہوتے ہیں اور قرآنِ مجید، ظاہر و جسم کے لئے بھی شِفا ہے اور اس کا ایک ایک حرف برکات کا گنجینہ و خزانہ ہے، جس سے جسمانی اَمراض اور جادو، آسیب دور ہوتے ہیں۔

(5)قرآنِ کریم کی صفت، ہدایت بھی بیان فرمائی گئی ہے، کیونکہ وہ گمراہی سے بچاتا اور راہِ حق دِکھاتا ہے اور ایمان والوں کے لئے رَحمت اِس لئے فرمایا کہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(6)ایک اِنسان کی مکمل زندگی، اس کے عقائد، مراسمِ عبادات، قلبی کیفیات، اچھی اخلاقیات، معاشرتی تعلقات، کاروباری معاملات اور خاندانی حالات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید نے اِن تمام اُمور میں کامل اور بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔

(7)قرآن کا پڑھنا، سننا، دیکھنا، چھونا، سمجھنا، سکھانا اور عمل کرنا سب رحمت ہے۔

(8) قرآنِ مجید شریعت، طریقت اور حقیقت سمیت اِطاعتِ خداوندی اور معرفتِ الٰہی کے جملہ راستوں میں رہنمائی کرتا ہے۔

محاسبہ:

قرآنِ مجید کی شان "نورِ مبین" ہے، یہ ہمارے دِلوں کے زنگ دور کرتا اور اُس میں شمعِ ایمان اور نورِ ایقان کو جِلا

www.dawateislami.net

بخشتا ہے۔ قرآن کی جتنی بھی شانیں بیان کر دی جائیں، کم ہیں۔ اب ذرا خود پر غور کریں۔

(1) ہم نے نورِ ایمان سے خود کو کتنا منور کیا؟

(2) قرآن شِفا ہے، ہم نے اس کے ذَریعے اپنے دِلوں کو کس قدر بُرے اَخلاق کے اَمراض سے نجات دِلائی؟

(3) کیا ہم نے اس نور و نصیحت سے جہالت دور کر کے اپنے سینے عقائدِ حقہ، معارفِ اِلٰہیہ، صفاتِ حمیدہ اور اَخلاقِ فاضلہ سے مزین کئے؟

(4) جب قرآن ہدایت ہے تو کیا ہم نے اس کی رہنمائی سے خود کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کی؟

(5) اِس عظمتوں والی کتاب کا پڑھنا، سننا، دیکھنا، چھونا، سمجھنا، سکھانا اور عمل کرنا، سب رحمت و عبادت ہے۔ ہم نے اپنے روز و شب میں یہ عبادت کس قدر ذوق و شوق سے ادا کی؟

(6) جب قرآن اہلِ ایمان کے لیے بطورِ خاص ہدایت و رحمت ہے تو ہم نے اِس سے دُنیا و آخرت کی رحمتیں حاصل کرنے کا کس قدر اِہتمام کیا؟

(7) ہم نے نورِ قرآن کی روشنی سے اپنے کردار اور باطن کو کس قدر روشن کیا؟

(8) کیا ہم قرآن پڑھ اور سمجھ کر اپنے معاشرتی، تجارتی اور خاندانی اَخلاقیات کو سنوارتے ہیں؟

یہ تمام سوالات حقیقت میں قرآن کے حقوق کی مختلف صورتیں ہیں جن کی اَدائیگی ہر بندۂ مومن پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی تعلیمات سیکھنے، سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:9 دینِ حق کے اقرار اور باطل سے انکار کا صاف اعلان

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے اِرشاد فرماتا ہے:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۖۗ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾

(پ 11، یونس:104-105)

ترجمہ: تم فرماؤ: اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو تو (جان لو کہ) میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو البتہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان نکالے گا اور مجھے حکم ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں۔ اور یہ کہ ہر باطل سے جدا رہ کر اپنا چہرہ دین کے لئے سیدھا رکھو اور ہر گز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

اجمالی تفسیر:

اے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! تم اِن منکروں سے علی الاعلان فرمادو کہ اے لوگو! اگر اب بھی تم میرے لائے ہوئے دینِ حق کے بارے میں شک کا شکار ہو، تو تم اِس خام خیالی میں نہ رہنا کہ میں تمہارے دینِ باطل کو قبول کرلوں گا۔ میں کبھی بھی اُن بے بس باطل خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ میں تو اُس عظمت و شان والے قادرِ مطلق خدا کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے، وہی تمہیں مارتا اور زندہ کرتا ہے اور مجھے حکم خداوندی یہی ہے کہ ہمیشہ اس ایمان پر ثابت قدم رہوں اور ہر باطل سے الگ رہ کر دینِ اسلام اور توحیدِ الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہوں اور کبھی اہلِ شرک کے گروہ میں شامل نہ ہوں۔

آیت پر تفصیلی کلام:

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ﴾ تم فرماؤ: اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو۔

اِس آیت کا ظاہر اِس بات پر دَلالت کرتا ہے کہ کفار کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دین کی حقانیت کے متعلق شک تھا اور دوسری بات یہ کہ کفار یہ سمجھتے تھے محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے دینِ ابراہیمی چھوڑ کر دوسرا دین بنالیا ہے۔ ان کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کافروں سے فرمادیں کہ اگر تم لوگ میرے دین کو نہیں جانتے تو

www.dawateislami.net

میں تمہیں تفصیلاً بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح نکال کر تمہیں موت دے گا۔ مجھے یہ حکم ہے کہ میں اہلِ ایمان میں سے رہوں اور ہر باطل سے جدا رہ کر اپنا چہرہ اللہ کی عبادت کے لئے سیدھا رکھوں اور ہر گز ہر گز شرک کا اِرتکاب نہ کروں۔ اور یہی حقیقی دینِ ابراہیمی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام دینِ توحید کے علمبردار تھے، نہ کہ شرک و باطل کے۔ یہی مضمون قرآنِ مجید میں مختلف اَنداز میں کئی جگہ بیان فرمایا گیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا﴾ (پ14، النحل:120) ترجمہ: ”بیشک ابراہیم تمام اچھی خصلتوں کے مالک (یا) ایک پیشوا، اللہ کے فرمانبردار اور ہر باطل سے جدا تھے۔“ اور فرمایا: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا﴾ (پ7، الانعام:79) ترجمہ: ”میں نے ہر باطل سے جدا ہو کر اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے۔“ اور فرمایا: ﴿لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۪ۙ(۲)﴾ (پ30، الکافرون:2) ترجمہ: میں ان کی عبادت نہیں کرتا جنہیں تم پوجتے ہو۔

کفار کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دین میں شک کرنے کا معنی:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفارِ مکہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دِین کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے تو پھر شک کیسا؟ شک تو اُس صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ دو باتوں کے درمیان متردد ہوں، کسی ایک جانب مائل نہ ہوں جبکہ کفار تو خالص اِنکار کی جانب ہی تھے۔ ایسی صورت میں آیت میں یہ فرمانے کا مطلب کیا ہوا کہ ”اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے۔“ اِس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو مختلف کافروں کی مختلف حالتیں تھیں جیسا کہ قرآنی آیات، سیرتِ نبوی اور تاریخی واقعات سے یہ بات واضح ہے تو یہاں تردد و شک والوں سے کلام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بالکل شروع میں تو کفار دینِ محمدی کو مطلقاً باطل ہی خیال کرتے تھے لیکن جب انہوں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھ پر ظاہر ہونے والی نشانیاں اور معجزات دیکھے تو وہ شک میں پڑ گئے اور متردد ہو گئے جیسا کہ ان کی آپس کی باتوں سے واضح ہوتا ہے جو سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں تو یہاں اس وقت کے اعتبار سے کلام فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کافروں سے فرمائیں کہ اگر تم میرے اس دین کے متعلق شک میں ہو جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں تو تمہارا اس میں شک کرنا غلط ہے کیونکہ میرا دین تو دینِ ابراہیمی ہے اور تم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہو لہٰذا تمہیں تو میری پیروی کرنی چاہیے۔

www.dawateislami.net

”مِنْ دِیْنِیْ“ میں دو اِحتمال ہیں:

یہاں میرے دِین میں شک کے اَلفاظ ہیں، اِس میں دو اِحتمال ہیں: ایک یہ کہ اگر تم کافروں کو میرے دین کے حق اور صحیح ہونے میں شک ہے، اِسی مفہوم کے اِعتبار سے اوپر تفسیر گزری ہے۔ الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں کو خود میرے اپنے دین پر قائم رہنے میں شک ہے کہ پتہ نہیں خود بھی اس دین پر قائم رہیں گے یا آگے جا کر خود ہی اسے چھوڑ دیں گے اور کافروں کے شرک والے دین کو اِختیار کر لیں گے۔ اِس دوسرے مفہوم کے اِعتبار سے بھی کافروں کو نہایت وضاحت سے کہہ دیا گیا ہے کہ اے کافرو، تمہاری یہ آرزو ہر گز پوری نہ ہو گی کیونکہ میں کبھی بھی ان بتوں کی پوجا نہ کروں گا، جن کی تم کرتے ہو۔

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تو (جان لو کہ) میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔

یہاں ترتیب یہ ہے کہ پہلے فرمایا کہ میں تمہارے جھوٹے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا، پھر فرمایا، بلکہ میں اللہ کی عبادت کروں گا۔ گویا عبادت کے بیان سے پہلے بتوں کی پوجا کی نفی کی گئی اور خدا کی عبادت کا ذِکر بعد میں کیا گیا۔ اِس نفی کو مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ایک مقرر شدہ بات ہے کہ جب تختی میں نقوشِ صحیحہ بنانے ہوں تو پہلے نقوشِ فاسدہ کو زائل کیا جاتا ہے، لہٰذا عبادتِ الٰہی کے بیان سے پہلے غیر اللہ کی پوجا جو ان کفار کے دِلوں میں نقش تھی اس کو زائل کیا اس کے بعد عبادتِ الٰہی کا بیان فرمایا۔ یہ تقدیم و تاخیر دوسروں کے اِعتبار سے تھی ورنہ خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا مُعاملہ تو یہ تھا کہ اِعلانِ نبوت سے پہلے صرف موحد یعنی توحید کے ماننے والے ہی نہ تھے بلکہ خدا کی اعلیٰ دَرجے کی معرفت رکھنے والے تھے بلکہ حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قلبِ اطہر کا نقش دائماً ابداً پاکیزہ ترین تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بتوں کی پوجا سے بیزاری:

آیت میں فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم باطل معبودوں کی عبادت نہ کرتے تھے بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، سورۃُ الکافرون میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے، اِرشاد فرمایا: ﴿لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۝۲﴾ (پ30، الکافرون:2) ترجمہ: میں ان کی عبادت نہیں کرتا جنہیں تم پوجتے ہو۔

www.dawateislami.net

ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ(۵۶)

(پ 7، الانعام: 56)

ترجمہ: تم فرماؤ: مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں اس کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ تم فرماؤ، میں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلتا۔ (اگر یوں ہوتا) تو میں بھٹک جاتا اور ہدایت یافتہ لوگوں سے نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بتوں کی عبادت سے ایسے دور تھے کہ اِعلانِ نبوت کے بعد تو بتوں سے بیزاری واضح ہی واضح ہے، اِس اِعلان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص کی فطرتِ سلیمہ اور جوہرِ نبوت کی حامل ہستی کو ایسا بنایا کہ بچپن میں بھی کبھی کسی بت کی تعظیم نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ہمیشہ حفاظت رہی اور آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سینۂ اقدس سے وہ شے ہی نکال دی گئی جو شیطان کے اثرات کو قبول کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہُ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بچّوں کے ساتھ موجود تھے کہ جبریلِ امین علیہ السّلام آئے اور آپ کا سینہ چاک کر کے دِل نکالا اور دِل میں سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر عرض کی: ”هٰذَا حَظُّ الشَّیْطَانِ مِنْكَ آپ کے اندر یہ شیطان کا حصہ تھا“، پھر مبارک دِل کو آبِ زَم زَم سے دھویا اور سی کر واپس رکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مبارک سینے پر اس کا نشان دیکھا کرتا تھا۔[1]

یہاں شیطان کے حصے سے مراد یہ ہے کہ اِنسان کے بدن میں یہ حصہ اِنسان کے بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد شیطان کے وَسوسے قبول کرنے کا ذَریعہ ہوتا ہے۔ اِس عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے رَسُولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وجودِ اطہر سے وہ حصہ خارج کر دیا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب دس سال کی عمر کو پہنچے تو دوبارہ سینۂ اقدس کھول کر اس میں سے حسد و کینہ کی بنیادیں ختم کر کے شفقت و رَحمت سے معمور کر دیا گیا۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم فرماتے ہیں: میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جا رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے سر کے اوپر دو آدمیوں (یعنی جبرائیل و میکائیل علیہما السّلام) کو دیکھا، ایک نے دوسرے سے پوچھا: کیا یہی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: ہاں، ان دونوں نے مجھے پکڑ کر لٹایا اور میرے پیٹ کو

1 ..... مسلم، ص88، حدیث: 413۔

www.dawateislami.net

چاک کر دیا، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کا دل چیر و اور اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو، میرا دل چیرا گیا اور اس میں سے خون کے لَوتھڑے جیسی چیز نکال کر پھینک دی گئی، پھر اس فرشتے نے کہا: ان کے دِل میں شفقت اور رَحمت داخل کر دو، دوسرے فرشتے نے میرے سینے میں چاندی جیسی کوئی چیز داخل کی اور اپنے پاس سے کوئی پِسی ہوئی چیز نکال کر اس پر چھڑک دی، پھر میرے پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا: آپ تشریف لے جائیے۔[1]

رفعِ ذکرِ جلالت پہ اَرفع دُرود شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام
دل سمجھ سے ورا ہے مگر یوں کہوں غنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام

بچپن کے شقِ صدر کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ بدرُ الدین عینی رحمۃُ اللہِ علیہ (سالِ وفات:855ھ/1451ء) لکھتے ہیں: پہلی دَفعہ شقِ صدر جو بچپن شریف میں ہوا تھا اُس میں حکمت یہ تھی کہ آپ کی پرورش کامل ترین اَحوال میں ہو اور آپ شیطان سے معصوم رہیں، یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہُ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے سینہ اقدس سے جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا گیا اور کہا، یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا۔[2] اور مفسر قرآن، حکیمُ الاُمّت مفتی احمد یار خان رحمۃُ اللہِ علیہ (سالِ وفات:1391ھ/1971ء) آیتِ مبارکہ: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴾ (پ30، الم نشرح:1) کے تحت لکھتے ہیں: خیال رہے کہ حُضور (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) کا سینہ مبارک 3 یا 4 بار چاک کر کے قلبِ مبارک دھویا گیا، اوّل: بی بی حلیمہ دائی کے ہاں تاکہ دِل میں کھیل کود کی رَغبت نہ ہو، پھر شروعِ شباب (یعنی جوانی کے آغاز) میں تاکہ جوانی کی غفلت نہ آنے پائے۔[3]

اِسی حفاظتِ الٰہی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ہمیشہ بتوں اور بت پرستی سے دور رکھا۔ آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا، بلکہ چھوا تک نہیں، بلکہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت عبدُ اللہ رضی اللہُ عنہ تک آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے تمام آباء و اجداد بھی موحد تھے، سب کفر و شرک کے اندھیروں سے محفوظ تھے، خود اِرشاد فرماتے ہیں: لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْقُلُنِيْ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ اِلَى الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے

1 ..... مسند امام احمد، 8/54، حدیث:21317۔
2 ..... عمدۃ القاری، 11/600، تحت الحدیث:3887۔
3 ..... نور العرفان، پ30، الم نشرح، تحت الآیۃ:1، ص984۔

www.dawateislami.net

پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا۔[1]

بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اہلِ خانہ بتوں کے میلے میں جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہمیشہ اِنکار فرما دیتے۔ ایک مرتبہ اہلِ خانہ نے بہت زیادہ اِصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے زبردست اَنداز میں آپ کی حفاظت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ایک مرتبہ بتوں کی تعظیم کے لئے نہیں بلکہ ویسے ہی بتوں کے قریب ہونے لگے تو ایک نورانی شخص ظاہر ہوا اور اس نے زور سے کہا: اے محمد! علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام پیچھے ہو جایئے، اس کو نہ چھوئیں، حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہُ عنہا کہتی ہیں اس کے بعد نبی پاک علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کبھی ان کے تہوار میں نہیں گئے، یہاں تک کہ آپ نے اِعلانِ نبوت فرمادیا، اسی طرح نبی پاک علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی حیاتِ مبارکہ پاک وصاف اور شرک ومعاصی سے بے داغ رہی۔[2]

اور صرف یہی نہیں بلکہ رِوایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اِعلانِ نبوت سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، اگرچہ عبادت کی کیفیت کے متعلق اَحادیثِ طیبہ میں کوئی صراحت مذکور نہیں، اِسی وجہ سے اِس بارے میں علماءِ کرام کے اَقوال مختلف ہیں، مثلاً کسی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے، بعض نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی شریعت کے مطابق، ایک قول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام، ایک قول حضرت نوح علیہ السّلام، ایک قول حضرت آدم علیہ السّلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرنے کا بھی منقول ہے، نیز ایک قول بغیر کسی تعیین کے ماقبل کسی شریعت کے مطابق عبادت کرنے کا منقول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اِس بارے میں توقف اور سکوت کیا جائے۔ البتہ علماءِ کرام کی ایک تعداد کے نزدیک اِعلانِ نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم غارِ حرا میں قیام ومراقبہ اور ذِکر وفکر کے طور پر اللہ کریم کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: اَحادیثِ طیبہ میں نبی کریم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی اِعلانِ نبوت سے قبل کی عبادت کی کیفیت کے متعلق کوئی ایسی صراحت مذکور نہیں، جس پر ہم ٹھہر سکیں، لیکن امام ابنِ اسحاق رحمۃُ اللہِ علیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہر سال ایک ماہ کے لیے غارِ حرا تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت و ریاضت کرتے اور بعض نے اس عبادت کو ذِکر وفکر پر محمول کیا ہے اور علامہ اسحاق فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ عبادت مختلف چیزوں پر مشتمل ہوتی تھی، مثلاً لوگوں سے کنارہ کشی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کنارہ کشی کی تھی جو ہر چیز سے الگ

---

1 ..... الخصائص الکبریٰ، 1/64۔

2 ..... دلائل النبوۃ للبیہقی، 1/138۔

www.dawateislami.net

تھلگ ہو کر توجہ اِلَی اللہ پر مشتمل تھی۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے شرک سے اِجتناب و براءت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اسلام سے قبل اگرچہ ہر طرف کفر و شرک پھیلا ہوا تھا، لیکن اس وقت بھی کچھ اَفراد ایسے تھے جو توحید کے علم بَردار اور شرک سے بیزار تھے اور اِعلانِ نبوت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ایسے ہی حضرات کو اپنا دوست بنایا ہوا تھا، یہ سب نہایت ہی بلند اَخلاق، عالی مرتبہ، ہوش مند اور باوقار لوگ تھے۔ اِن میں سب سے زیادہ مقرب حضرت ابو بکر رضی اللہُ عنہ تھے، جو برسوں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہُ عنہ بھی ہمیشہ بتوں سے مجتنب رہے۔[2] اِسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہُ عنہا کے چچازاد بھائی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہُ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رَئیس تھے، یہ بھی اِعلانِ نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مخصوص اَحباب میں سے تھے اور توحید کے قائل تھے۔[3] یونہی زید بن عمرو بن نفیل بھی ایک ہستی ہیں، جو علی الاعلان شرک و بت پرستی سے اِنکار، اور زمانہ جاہلیت کی مشرکانہ رَسموں سے نفرت کا اِظہار کرتے تھے، یہ حضرت عمر رضی اللہُ عنہ کے چچازاد بھائی ہیں، شرک و بت پرستی کے خلاف اِعلانیہ مذمت کی بنا پر ان کا چچا ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے ان کو مکہ سے شہر بدر کر دیا تھا اور ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا، مگر یہ ہزاروں اِیذاؤں کے باوجود عقیدۂ توحید پر پہاڑ کی طرح ڈَٹے ہوئے تھے۔[4] اِعلانِ نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ زید بن عمرو بن نفیل کو بڑا خاص تعلق تھا اور کبھی کبھی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وحی نازل ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مقام "بلدح" میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سامنے دَستر خوان پر کھانا پیش کیا، جب حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کھانے سے اِنکار کر دیا، تو زید بن عمرو بن نفیل کہنے لگے کہ میں بتوں کے نام پر ذَبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا، میں صرف وہی ذَبیحہ کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذَبح کیا گیا ہو، پھر قریش کے ذَبیحوں کی بُرائی بیان کرنے لگے اور قریش کو مخاطب کر کے کہنے

---

1 ..... فتاویٰ حدیثیہ، ص207۔

2 ..... سیرت مصطفیٰ، ص99 ملخصًا۔

3 ..... اسد الغابہ، 2/58۔

4 ..... سیرت نبویہ لابن ہشام، ص92 ملخصًا۔

www.dawateislami.net

لگے کہ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے گھاس اُگائی، پھر اے قریش! تم بکری کو اللہ کے غیر (بتوں) کے نام پر ذَبح کرتے ہو؟[1]

پہلی آیت کا تیسرا حصہ: ﴿وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْۚ﴾ البتہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان نکالے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور خالص عبادتِ الٰہی:

باطل معبودوں کی پوجا سے اِنکار کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے خالص عبادتِ الٰہی کا اِظہار بیان کیا گیا اور قرآنِ مجید کی کثیر آیات میں اِس مضمون کا اِعادہ کیا گیا ہے، ایک مقام پر فرمایا: ﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْۙ﴾ (پ 23، الزمر: 14) ترجمہ: ”تم فرماؤ: میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں خالص اس کا بندہ ہو کر۔“ ایک جگہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشْرِكَ بِهٖؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ﴾ (پ 13، الرعد: 36) ترجمہ: تم فرماؤ: مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے پھرنا ہے۔

﴿اَلَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْۚ﴾ کے ساتھ رب تعالیٰ کی صفت بیان کرنے کی وجوہات:

آیت میں فرمایا: ﴿اَلَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْۚ﴾ یعنی میں اس رب کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری اَرواح قبض کرتا ہے۔ یہاں اللہ پاک کی صفت ”موت دینے والا“ بیان کی گئی ہے۔

اِس مقام پر خصوصی طور پر اِس صفت کو بیان کرنے میں چند حکمتیں ہیں:

ایک حکمت تو یہ ہے کہ موت جیسی ہیبت ناک شے کا مالک ہونے میں خدا کی عظمت کا اِظہار ہے کیونکہ وہی ہستی ہے جو پہلے مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتی ہے، پھر انہیں موت دیتی ہے اور وہی انہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا، یعنی سارا کارخانۂ زندگی، نظامِ حیات و موت، سلسلہ وجود و عدم اسی کے دَستِ قدرت میں ہے اور خدا کی عظمت و قدرت، مالکیت و خالقیت کے بیان کے لئے اِس مضمون کو قرآنِ مجید میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا گیا ہے، ایک جگہ اِرشاد فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ۫ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْؕ﴾ (پ 17، الحج: 66) ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر

---

1 ..... بخاری، 2/567، حدیث: 3826۔

www.dawateislami.net

وہ تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ موت اِنتہائی ہیبت ناک ہے، جیسا کہ ہر شخص بخوبی جانتا ہے اور قرآنِ عظیم میں بھی اسے بہت زور دار انداز میں بیان فرمایا گیا، چنانچہ اِرشاد فرمایا: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝۱۹﴾ (پ26،ق:19) ترجمہ: ”اور موت کی سختی حق کے ساتھ آگئی، یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔“ چونکہ یہاں کافروں کو بتوں کی پوجا سے سختی سے منع کر کے خدا کی عبادت کی طرف بلانا مقصود تھا اور یہ مقامِ تنبیہ و زجر (ڈانٹ) ہے تو موت کا ذِکر کرنا بہت مناسب تھا۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ کفار خود عذاب کا مطالبہ کرتے تھے اور اس کے جلدی اترنے کا تقاضا کرتے تھے۔ موت کے ذِکر سے انہیں جواب دیا گیا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! تم انہیں فرمادو کہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں ہلاک کرنے اور تمہارے خلاف میری مدد کرنے پر قادر ہے۔

پہلی آیت کا چوتھا حصہ: ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ۝۱۰۴﴾ اور مجھے حکم ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں۔

اَعمالِ جوارح کی اَہمیت:

عبادت کا ایک معنٰی خدا کو معبود ماننا ہے اور دوسرا معنٰی اُمورِ عبادت مثلاً نماز، سجدہ، تلاوت، ذِکر اللہ اور دُعا وغیرہا مختلف اَعمال بھی ہیں۔ دوسرے معنٰی کے اِعتبار سے عبادت، اَعمالِ جوارح یعنی اَعضائے بدن کے اَفعال ہیں، لہٰذا آیت میں اَعمالِ عبادت کے ذِکر کے بعد ”مومنین“ کے لفظ سے اِیمان و معرفت کا ذِکر فرمایا، اِس میں اِشارہ ہے کہ جب تک ظاہر اَعمالِ صالحہ سے مزین نہ ہو اس وقت تک قلب میں پورے طریقے سے اِیمان و معرفت کا نور داخل نہیں ہوتا، نیز عبادات اور نیک اَعمال، ایمان و معرفت کے نور کے لئے ایسے ہیں جیسے شمع کے لئے شیشے کا فانوس۔ اگر شمع سے شیشہ ہٹادیا جائے تو وہ اس چراغ کی طرح ہو جاتی ہے جو ہواؤں کے سامنے ہو اور تیز ہوائیں اسے چند لمحوں میں بجھادیں۔ ایسے ہی جو شخص عبادات اور نیک اَعمال کا عادی نہیں ہوتا اس کا ایمان خطرے میں رہتا ہے کیونکہ عبادت سے ایمان کو قوت ملتی ہے اور غفلت سے ایمان کمزور ہوتا ہے۔

دوسری آیت کا پہلا حصہ: ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ﴾ اور یہ کہ ہر باطل سے جدا رہ کر اپنا چہرہ دین کے لئے سیدھا رکھو۔

اقامۃ الوجہ یعنی چہرہ سیدھا رکھنے کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے دین پر خلوص اور اِستقامت کے ساتھ عمل کیا جائے

www.dawateislami.net

اور تمام اَدیانِ باطلہ سے جدا رہ کر سچے دین، اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

”حَنِیْفًا“ کے معنیٰ:

حنیف کے معنیٰ ہیں: ”تمام جھوٹے دِینوں سے پاک صاف اور ہر باطل سے جدا۔“ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًاۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ (پ8، الانعام: 161)

ترجمہ: تم فرماؤ، بیشک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمائی، (یہ) مضبوط دین ہے جو ہر باطل سے جدا ابراہیم کی ملت ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

اِظہارِ بندگی اور اِعلانِ حق کی اَہمیت:

خدا کی بندگی کا اِقرار، ظاہر و باطن کو اس کی بارگاہ میں جھکانے، قبولِ حق کا اِعلان اور باطل سے اِعراض و اِنکار اس قدر اَہم اور خدا کو پسند ہے کہ ایک تو قرآنِ مجید میں اِس مضمون کو بار بار بیان کیا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اِعترافِ بندگی، اِعلانِ حق اور اِنکارِ باطل اِس کثرت سے فرماتے تھے کہ ہر نماز سے پہلے باقاعدہ اِس معنیٰ و مفہوم کی آیتِ قرآنی سے مستفاد الفاظ ادا کرتے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہُ الْکَرِیم فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ پڑھا کرتے تھے: وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ میں نے ہر باطل سے جدا ہو کر اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمان ہوں۔[1]

اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین پر صحیح عمل میں باطل سے بیزاری اور اہلِ باطل سے دوری بہت ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی خود کو دین پر عمل پیرا سمجھے، لیکن بدعقیدہ لوگوں سے بلا ضرورت میل جول رکھے، ان کے بارے میں نرمی اور صلح کلیت کا شکار ہو جائے۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا سراسر موم ہو جا یا پھر سنگ ہو جا

1 ..... مسلم، ص304، حدیث: 1812۔

www.dawateislami.net

باطل دُوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

دوسری آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵﴾ اور ہر گز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

آیت کا پہلا مفہوم، شرکِ جلی:

اَنبیاءِ کرام علیہمُ السّلام سے کفر و شرک کا صدور شرعی طور پر محال ہے، یعنی ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا یہ عام لوگوں سے خطاب ہے، عام مخاطبین کے اِعتبار سے معنی یہ ہے کہ اسلام چھوڑ کر شرک میں نہ جا پڑنا اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جانا۔ یہی بات ایک دوسری آیت میں فرمائی:

وَ لَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۸۷ (پ20، القصص:87)

ترجمہ: اور ہر گز وہ تمہیں اللہ کی آیتوں سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ تمہاری طرف نازل کی جا چکی ہیں اور اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ہر گز شرک والوں میں سے نہ ہونا۔

آیت میں پہلے: ﴿فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (ترجمہ: میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔) میں مذکور ہو جانے کے بعد شرک نہ کرنے کا حکم تاکید مزید اور تصریح مبین کے طور پر ہے۔

آیت کا دوسرا مفہوم، شرکِ خفی:

بعض علما نے یہ فرمایا ہے کہ آیت کے اِس جملے میں بتوں کی پوجا سے ممانعت کا بیان نہیں ہے، کیونکہ یہ بات تو پہلے ہی اس فرمان: ﴿فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (ترجمہ: میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔) میں مذکور ہو چکی، لہٰذا بعد میں شرک نہ کرنے سے پہلے والے "شرکِ حقیقی و جلی" سے زائد معنیٰ لیا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ جس نے اپنے مولیٰ تعالیٰ، اس کے اَسماء و صفات اور اس کے مستحق عبادت ہونے کو پہچان لیا تو اب اس کیلئے مناسب نہیں کہ وہ غیر کی طرف اِلتفات کرے اور اگر اس نے ایسا کیا تو یہ شرک ہو گا، یہ وہ ہے جسے اَصحابِ قلوب، صوفیاءِ کرام شرکِ خفی کہتے ہیں جو کبھی ریاکاری کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی اس سے کم تر دَرجے کے اِعتبار سے کہ غیر کی طرف محض میلان پایا جاتا ہے۔

خلاصہ معنیٰ: آیت کے دونوں معنوں کو سامنے رکھتے ہوئے مفہوم یہ بنے گا کہ اے مخاطب! اِعتقاد اور عمل دونوں میں سے کسی میں بھی شرک والوں میں سے نہ ہونا۔

www.dawateislami.net

خلاصہ کلام:

(1)اِس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کافروں کے دین کو کلی طور پر مسترد کرتے ہوئے، خدا پر ایمان اور اسی کی عبادت کا واضح الفاظ میں اِعلان فرمادیں۔

(2)کفارِ مکہ کی ایک تعداد تو بتوں پر اندھے اِعتقاد کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دین کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھتی تھی، لیکن کچھ صاحبِ فہم شروع ہی سے سمجھتے تھے کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی باتیں دُرُست ہیں۔ ایسوں میں ایمان تو خوش نصیبوں نے قبول کیا لیکن بقیہ تردد میں بھٹکتے رہے۔ اسی طرح شروع میں تو کفار دینِ محمدی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو مطلقاً باطل ہی خیال کرتے تھے لیکن جب انہوں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھ پر ظاہر ہونے والی نشانیاں اور معجزات دیکھے تو وہ شک میں پڑ گئے اور متردد ہو گئے۔

(3)نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بتوں کی عبادت سے ایسے دور تھے کہ اعلانِ نبوت کے بعد تو بتوں سے بیزاری واضح ہی واضح ہے، اِس اعلان سے پہلے بھی اللہ تعالٰی نے اپنے بندۂ خاص کی فطرتِ سلیمہ اور جوہرِ نبوت کی حامل ہستی کو ایسا بنایا کہ بچپن میں بھی کبھی کسی بت کی تعظیم نہیں کی، بلکہ اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ہمیشہ حفاظت رہی۔

(4)حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا سینہ مبارک 3 یا 4 بار چاک کر کے قلبِ مبارک دھویا گیا، اوّل: بی بی حلیمہ دائی کے ہاں تاکہ دل میں کھیل کود کی رغبت نہ ہو، پھر شروعِ شباب (یعنی جوانی کے آغاز میں) میں تاکہ جوانی کی غفلت نہ آنے پائے۔

(5)اعلانِ نبوت سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ تعالٰی کی عبادت کیا کرتے تھے، اگرچہ عبادت کی کیفیت کے متعلق اَحادیثِ طیبہ میں کوئی صراحت مذکور نہیں، اِس بارے میں علماءِ کرام کے اَقوال مختلف ہیں۔ البتہ علماءِ کرام کی ایک تعداد کے نزدیک اعلانِ نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم غارِ حرا میں قیام و مراقبہ اور ذِکر و فکر کے طور پر اللہ کریم کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

(6)عبادت کا معنٰی خدا کو معبود ماننا بھی ہے اور اُمورِ عبادت مثلاً نماز، سجدہ اور دُعا کی اَدائیگی بھی ہے۔ دوسرے معنٰی کے اِعتبار سے عبادت اَعمالِ جوارح یعنی اَعضائے بدن کے اَفعال ہیں تو آیت میں اس کے بعد اِیمان و معرفت کا ذکر فرمایا، اس میں اس طرف اِشارہ ہے کہ جب تک ظاہر اَعمالِ صالحہ سے مزین نہ ہو اس وقت تک قلب میں پورے طریقے سے ایمان و معرفت کا نور حاصل نہیں ہوتا۔

(7)خدا کی بندگی کا اِقرار، ظاہر و باطن کو اس کی بارگاہ میں جھکنے، حق کا اعلان اور باطل کا انکار اس قدر اہم ہے کہ

www.dawateislami.net

قرآنِ مجید میں اِس مضمون کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔

(8)انبیاءِ کرام علیہمُ السّلام سے کفر و شرک کا صدور شرعی طور پر محال ہے یعنی ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا قرآنِ مجید کی ایسی آیات جن میں انبیاءِ کرام علیہمُ السّلام کو مشرکین میں سے نہ ہونے کا حکم ہے، وہ حقیقت میں عام لوگوں سے خطاب ہے یعنی عام مخاطبین سے کہا جارہا ہے کہ اسلام چھوڑ کر شرک میں نہ جا پڑنا اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جانا۔

محاسبہ:

دینِ اسلام پر قائم رہتے ہوئے، دین بیزار اور گمراہ لوگوں سے خود کو دور رکھنا بنیادی اسلامی تقاضا ہے۔ آیتِ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو مخاطب فرما کر دَر حقیقت اُمَّتِ مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر حال میں دینِ اسلام پر ڈٹے رہو۔ اِس حکمِ الٰہی کے تناظر میں خود سے چند سوال ضرور کیجیے!

(1)کیا کسی مقام پر اپنے مسلمان ہونے کی خبر دیتے ہوئے ہمیں شرم اور جھجک تو نہیں ہوتی؟

(2)کیا اپنی ذات، اَحباب اور اہل و عیال میں دِینی تعلیمات بتاتے ہوئے مداہنت کا شکار تو نہیں ہوتے؟

(3)کیا ہم اپنے قول و عمل میں اَحکامِ خداوندی کو مطلوب و مقصود بناتے ہیں یا مرضی کے دین پر چلنے کے خواہاں ہیں؟

(4)کیا ہم جوارح یعنی اپنے جسمانی اَعضاء کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دیئے ہوئے اَحکامات کے مطابق اِستعمال کرتے ہیں؟

(5)کیا ہم نے اپنی نیتوں کو شرکِ خفی یعنی ریاکاری اور دِکھاوے سے پاک رکھا یا لوگوں کو بتا، دِکھا کر عمل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں؟

(6)کیا ہم مشکلات میں پھنسے لوگوں کی مدد کرتے ہوئے تصویریں بنوانے اور دُنیا کو دِکھانے کے شوقین تو نہیں؟

(7)کیا ہمیں ایسی عبادت و ریاضت اور نماز روزے کا شوق ہے، جو ریاکاری سے بالکل پاک ہو؟

(8)کیا ہمارے تعلقات، مراسم، رِشتے داریوں اور دوستیوں کا معیار "محبتِ الٰہی" ہے؟ یعنی کیا ہمارے یہ سب تعلقات خدا کی رضا کے لیے ہیں؟

(9)کیا ہمارے عقائد و نظریات میں پختگی، اِستقامت اور اس کی حفاظت کے لئے غیروں کو سننے سے گریز ہے یا ہر ایرے غیرے کو سننے، سمجھنے کا مرض لاحق ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تقاضوں پر عمل کرنے اور رِیاکاری سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آیت نمبر:10 ہدایت کا فائدہ اور گمراہی کا نقصان

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْۚ-فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖۚ-وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَاؕ-وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ(۱۰۸)

(پ11، یونس:108)

ترجمہ: تم فرماؤ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا تو جو ہدایت حاصل کرلے تو وہ اپنے فائدے کے لئے ہی ہدایت حاصل کر رہا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اپنے ہی نقصان کو گمراہ ہوتا ہے اور میں تم پر کوئی نگران نہیں۔

اجمالی تفسیر:

اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، تم فرماؤ کہ اے اہلِ مکہ اور اے دُنیا بھر کے اِنسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے قرآن، اِسلام اور خدا کے رَسُول، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو جس نے اُن سے ہدایت کا شرف پایا، اس نے اپنے فائدے کیلئے ہی ہدایت کو حاصل کیا کیونکہ دُنیا و آخرت میں ہدایت کا فائدہ و ثواب اسے ہی ملے گا جبکہ جس نے کفر اِختیار کیا اور گمراہی میں رہا تو اس سے خداوند قدوس یا رَسُولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اِس سے پاک ہے کہ اُسے کوئی نفع یا نقصان پہنچے اور رَسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ان کے تبلیغِ دین پر ثواب مل ہی جائے گا، خواہ کوئی ان کے پیغام کو نہ بھی قبول کرے، لہٰذا جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو وہ اپنے ہی نقصان کو گمراہ ہوتا ہے اور اس کی گمراہی کا وبال اسی کی جان پر ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ بندے کی ہدایت اور گمراہی میں کوئی دوسرا شریک نہیں بلکہ ہر جان اپنے کمائے ہوئے اَعمال میں گِروی رکھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو مزید فرمایا کہ لوگوں سے فرمادیں کہ میں تم پر کوئی نگران نہیں کہ تمہیں ہدایت حاصل کرنے پر مجبور کروں۔[1]

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْۚ﴾ تم فرماؤ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا۔

---

1 ..... صاوی، پ11، یونس، تحت الآیۃ:108، 3/896۔

www.dawateislami.net

حق کا معنی:

قرآنِ کریم میں، حق کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے، جیسے قرآنِ پاک میں ہے: ﴿ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ﴾ (پ7، الانعام:62) ترجمہ: ”پھر انہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا جو ان کا مالکِ حقیقی ہے۔“ حق کا لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لئے بھی ہے چنانچہ قرآن میں فرمایا: ﴿اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ (پ3، آلِ عمران:86) ترجمہ: ”(یہ) رسول سچا ہے۔“ قرآن و اسلام کے متعلق فرمایا: ﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ (پ15، بنی اسرائیل:81) ترجمہ: ”اور تم فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔“ اور قرآنِ مجید کے متعلق فرمایا: ﴿اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۙ﴾ (پ22، سبا:6) ترجمہ: ”جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے۔“ دینِ اسلام کے بارے میں فرمایا: ﴿دِيْنِ الْحَقِّ﴾ (پ28، الصف:9) ترجمہ: ”سچے دین (کے ساتھ خدا نے اپنا رسول بھیجا۔)“ وقوعِ قیامت کا خدائی وعدہ بھی حق ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ (پ11، یونس:55) ترجمہ: ”بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔“ کائنات کے حکمت کے ساتھ بامقصد تخلیق کے متعلق فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ (پ14، النحل:3) ترجمہ: ”اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بنایا۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے لفظِ ”حق“ کے ساتھ دینِ اسلام کی کثیر چیزوں کو تعبیر فرمایا جو اس معنیٰ و مفہوم میں ہیں کہ یہ چیزیں یقینی طور پر موجود اور حقیقت کے مطابق ہیں یا کچھ چیزیں یقینی طور پر وجود میں آئیں گی جن کا ماننا حقیقت کے مطابق ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہما سے رِوایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے اٹھتے تو کہتے: ”اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ“ اے اللہ، حمد تیرے ہی لیے ہے کہ تو آسمان و زمین کا نور ہے، حمد تیرے ہی لیے ہے کہ تو آسمان و زمین کا تھامنے والا ہے، حمد تیرے ہی لیے ہے کہ تو آسمان و زمین کا اور جو کچھ اس میں ہے سب کا رب ہے۔ تو سچ ہے، تیرا وعدہ سچا ہے اور تیرا قول سچا ہے، تیری ملاقات سچی ہے، جنت سچ ہے اور دوزخ سچ ہے، سارے اَنبیاء سچے ہیں اور قیامت سچ ہے۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے ہی جھکا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر بھروسا کیا، تیری ہی طرف رجوع کیا، تیرے ہی سامنے اپنا جھگڑا پیش کرتا اور تجھ ہی سے اپنا

www.dawateislami.net

فیصلہ چاہتا ہوں۔[1]

یہاں آیت میں حق اِس معنیٰ میں ہے کہ کسی چیز کا اِس طرح موجود، واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے پر انکار نہ کیا جاسکے۔ آیت میں حق سے مراد قرآن ہو سکتا ہے جس کی خبریں صادق اور جس کی حقانیت اس کے داخلی وخارجی دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہے یا حق سے مراد دینِ اسلام ہے، جس کا حق ہونا دلائل سے ثابت، جس کی تعلیمات کا حکمت سے لبریز ہونا عقل اور تجربے سے واضح ہے، یا حق سے مراد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہیں کہ آپ کی رسالت کی حقانیت، قرآن کے نزول، معجزات کی کثرت اور کردار کی عظمت سے ثابت ہے۔

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَاؕ﴾ تو جو ہدایت حاصل کرلے تو وہ اپنے فائدے کے لئے ہی ہدایت حاصل کر رہا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اپنے ہی نقصان کو گمراہ ہوتا ہے۔

بندے کی ہدایت اور خدا کی بے نیازی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اِحسان فرمایا ہے کہ انہیں پیدا فرما کر جس طرح ان کی جسمانی ضروریات کا سامان مہیا کیا، اسی طرح ان کی باطنی، اَخلاقی ضروریات پوری کرنے کے لئے اَنبیاء ورُسُل علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل فرمایا۔ خدا کے اس اِحسان فرمانے میں خدا کو کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ اس سے پاک ہے کہ بندوں کے عمل سے خدا کو فائدہ یا نقصان پہنچے۔ بندوں کا اچھا عمل اُنہی کے لئے فائدے مند اور برا عمل انہیں کے لئے نقصان دہ ہے۔ خدا بے نیاز اور حاجت سے پاک ہے جبکہ بندے خدا کی بارگاہ میں محتاج ہیں۔ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ واضح فرمائی۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

فرمایا کہ ہدایت کا نفع ہدایت پانے والے کو ہے اور گمراہی کا نقصان صرف گمراہ کو، چنانچہ مذکورہ بالا آیت ہی کی طرح ایک جگہ فرمایا:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَاؕ (پ15، بنی اسرائیل:15)

ترجمہ: جس نے ہدایت پائی اس نے اپنے فائدے کیلئے ہی ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا تو اپنے نقصان کو ہی گمراہ ہوا۔

ایک جگہ فرمایا کہ خدا کا شکر ادا کرنے کا فائدہ شکر کرنے والے کو ہے اور ناشکری کا نقصان بھی صرف ناشکرے کو

---

1 ..... بخاری، 4/573، حدیث:7499۔

www.dawateislami.net

ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ (پ19، النمل:40)

ترجمہ: اور جو شکر کرے تو وہ اپنی ذات کیلئے ہی شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ ہے، کرم فرمانے والا ہے۔

اور فرمایا:

وَ مَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ (پ 21، لقمان:12)

ترجمہ: اور جو شکر ادا کرے تو وہ اپنی ذات کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے، حمد کے لائق ہے۔

یہی معاملہ مجاہدہ و تزکیہ نفس کا ہے، چنانچہ ایک جگہ فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اِنسان اپنے باطنی رَذائل، بُرے خصائل ختم کرکے پاکیزہ فضائل اور اچھے اَخلاق اِختیار کرے، نیکی کی راہ پر چلے، ریاضت و مجاہدہ اِختیار کرے، رضائے الٰہی کے لئے بھرپور کوشش کرے، تو یہ سب کچھ اسی کے لئے مفید و نفع بخش ہے، جبکہ بُری عادتوں، بُری خصلتوں اور بُرے اَعمال کا نقصان اسی پر لوٹے گا، چنانچہ فرمایا:

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾ (پ20، العنکبوت:6)

ترجمہ: اور جو کوشش کرے تو اپنے ہی فائدے کیلئے کوشش کرتا ہے، بیشک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

ایک جگہ تزکیہ نفس کے متعلق فرمایا:

وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ (پ22، الفاطر:18)

ترجمہ: اور جس نے پاکیزگی اختیار کی تو بیشک اس نے اپنی ذات کے لئے ہی پاکیزگی اختیار کی اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

ایک جگہ خیر و شر کے متعلق مطلقاً فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَاؕ (پ24، حٰمٓ السجدۃ:46)

ترجمہ: جو نیکی کرتا ہے وہ اپنی ذات کیلئے ہی کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے تو اپنے خلاف ہی کرتا ہے۔

ایک جگہ عہد کی خلاف ورزی کے متعلق فرمایا:

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖۚ (پ26، الفتح:10)

ترجمہ: تو جس نے عہد توڑا تو وہ اپنی جان کے خلاف ہی عہد توڑتا ہے۔

یہی معاملہ سخاوت و بخل کا ہے کہ اگر کوئی سخاوت کرے، راہِ خدا میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اپنے فضل و رحمت سے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کو قرض دینا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ خدا کا دیا ہوا مال، خدا کے حکم پر اپنے

www.dawateislami.net

فائدے ہی کے لئے خرچ کرنا ہے اور صرف اس ظاہری دینے میں رحمتِ خداوندی کی بارش یہ ہے کہ دس گنا، ستر گنا، سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زائد، اللہ کریم بدلہ عطا فرمائے گا۔ تو حقیقت میں سخاوت کا فائدہ صرف اپنی ذات کو ہے جبکہ بخل کا نقصان بھی خود ہی کو ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ (پ2، البقرۃ:245)

ترجمہ: ہے کوئی جو اللہ کو اچھا قرض دے تو اللہ اس کے لئے اس قرض کو بہت گنا بڑھا دے۔

اور فرمایا:

وَ مَنْ یَّبْخَلُ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ (پ26، محمد:38)

ترجمہ: اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان سے بخل کرتا ہے۔

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝۱۰۸﴾ اور میں تم پر کوئی نگران نہیں۔

آیت کا یہ حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے منصبِ نبوت کی ذِمَّہ داری کو واضح کرتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذِمَّہ داری صرف لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچانا ہے۔ انہیں منوا کر چھوڑنا اور ان کی نگرانی کرنا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تبلیغِ دین کے معاملے میں نہایت محنت فرماتے اور دِل و جان سے اس کے لئے کوشش کرتے۔ محنت و کوشش تو ذِمَّہ داری کا تقاضا اور حُسنِ عمل کی دلیل تھی، لیکن رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کافروں کے ایمان نہ لانے پر وفورِ شفقت کی وجہ سے بہت رنجیدہ ہوتے۔ اس لئے قرآنِ مجید میں متعدد جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا غم دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، تمہاری ذِمَّہ داری خدا کا پیغام پہنچانا ہے، اس سے زیادہ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اس کیفیتِ غم کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یوں بیان فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝۶ (پ15، الکھف:6)

ترجمہ: اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو ہو سکتا ہے کہ تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کو ختم کر دو۔

اور ایک جگہ فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝۳ (پ19، الشعراء:3)

ترجمہ: (اے حبیب!) کہیں آپ اپنی جان کو ختم نہ کر دو اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ایک جگہ فرمایا:

www.dawateislami.net

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ (پ22، الفاطر:8) ترجمہ: تو حسرتوں کی وجہ سے ان پر تمہاری جان نہ چلی جائے۔

اِن کیفیات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف اوقات میں، قرآنِ مجید کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو تسلی دی، چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ (پ30، الغاشیۃ:21-22)

ترجمہ: تو تم نصیحت کرو تم تو نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم کچھ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔

یعنی اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، آپ کی یہ ذِمَّہ داری نہیں کہ آپ انہیں مسلمان کر کے ہی چھوڑیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اَحسن طریقے سے پہنچا دینا آپ کا کام ہے۔ اِس کے بعد اگر سارے لوگ کافر رہیں تو آپ کا کچھ نہیں بگڑتا، جیسے اگر سورج سے کوئی روشنی نہ لے یا بادل سے فیض نہ لے تو اس سے سورج یا بادل کا نقصان نہیں ہے۔ یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ آپ انہیں جبراً مسلمان نہ کریں بلکہ اسلام کی تعلیمات پہنچا کر قبول کرنے یا نہ کرنے کا اِختیار ان پر چھوڑ دیں۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ (پ7، الانعام:66)

ترجمہ: اور تمہاری قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہی حق ہے۔ تم فرماؤ: میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ (پ7، الانعام:107)

ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تمہیں ان پر نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر نگران ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (پ25، الشوریٰ:48)

ترجمہ: تو اگر وہ منہ پھیریں تو ہم نے تمہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا تم پر صرف تبلیغ کی ذمے داری ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ

ترجمہ: تم فرماؤ: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمے وہی تبلیغ ہے جس کی ذمے داری کا بوجھ ان

www.dawateislami.net

مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾

(پ 18، النور:54)

پر رکھا گیا ہے اور تم پر وہ (اطاعت) لازم ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا ہے اور اگر تم رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمے صرف صاف صاف تبلیغ کر دینا لازم ہے۔

مبلغ کے لیے چند نصیحتیں:

مذکورہ بالا آیت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تسکین و تسلی فرمائی گئی ہے اور اس کے ذریعے امت کے تمام مبلغین کو درس دیا گیا ہے کہ لوگوں کے نہ ماننے یا تکلیفیں دینے کی وجہ سے دین کی تبلیغ اور نیکی کی دعوت میں تنگدل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ نیکی کی دعوت کا کام ہی ایسا ہے کہ اس میں عام طور پر تکالیف ضرور آتی ہیں۔ اسی لئے تمام اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے بے پناہ تکلیفیں اٹھائیں جن کے واقعات قرآنِ پاک میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا آگ میں ڈالا جانا، اپنے ملک سے ہجرت کرنا، لوگوں کا آپ کو تنگ کرنا۔ یونہی حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا ہجرت کرنا، فرعون کا آپ کے مقابلے میں آنا، آپ کو جادوگر قرار دینا، آپ کو گرفتار کرنے کے منصوبے بنانا۔ یونہی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا بے پناہ تکلیفیں اٹھانا، لوگوں کا آپ کے راستے میں کانٹے بچھانا، آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنانا، آپ کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کرنا، آپ کو جادوگر، کاہن، شاعر کہنا اور آپ سے جنگ کرنا وغیرہ یہ ساری چیزیں اِس بات کی دلیل ہیں کہ راہِ تبلیغ میں تکالیف آنا ایک معمول کی چیز ہے اور انہیں برداشت کرنا اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کی سنت ہے۔

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہدایت کا فائدہ اور گمراہی کا نقصان خود بندے کو ہی ہوتا ہے۔

(2) قرآن حق ہے کہ اس کی خبریں سچی ہیں اور اس کی حقانیت اس کے داخلی و خارجی دلائل سے ثابت ہے۔ دینِ اسلام حق ہے کہ اس کا حق ہونا دلائل سے ثابت اور اس کی تعلیمات کا حکمت سے لبریز ہونا عقل اور تجربے سے واضح ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حق ہیں کہ آپ کی رسالت کی حقانیت، قرآن کے نزول، معجزات کی کثرت اور کردار کی عظمت سے ثابت ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اِحسان فرمایا ہے کہ انہیں پیدا فرما کر جس طرح ان کی جسمانی ضروریات کا سامان مہیا کیا، اسی طرح ان کی روحانی اور اخلاقی ضروریات پوری کرنے کے لئے اَنبیاء و رُسُل علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو بھیجا اور آسمانی

www.dawateislami.net

کتابوں کو نازل فرمایا۔

(4)رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذِمَّہ داری صرف لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچانا ہے۔ انہیں منوا کر چھوڑنا اور ان کی نگرانی کرنا نہیں، لیکن رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کافروں کے ایمان نہ لانے پر وفورِ شفقت کی وجہ سے بہت رنجیدہ ہوتے۔ اس لئے قرآنِ مجید میں متعدد جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تسلی اور رنج دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں۔

(5)نیکی کی دعوت کا کام ایسا ہے کہ اس میں تکالیف ضرور آتی ہیں۔ اسی لئے تمام انبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے بے پناہ تکلیفیں اٹھائیں اور ان کے واقعات قرآنِ پاک میں بکثرت موجود ہیں۔

محاسبہ:

اِنسان اپنی اچھائی یا بُرائی کا ذِمَّہ دار خود ہے۔ نیکی کرے تو اپنا بھلا ہے اور بُرائی کا اِرتکاب کرے تو اپنا نقصان ہے، لہٰذا ہمیں اپنا اِحتساب کرنا چاہیے کہ

(1)جب ہدایت مُفید اور گمراہی نقصان دہ ہے، تو ہم نے اِس حقیقی فائدے اور حقیقی نقصان کی کتنی پروا کی؟

(2)جس دِین کو پہنچانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بے اِنتہا تکلیفیں برداشت کیں، اُس دین پر عمل کرنے کے لیے ہم نے کتنی کوشش کی؟

(3)اگر ہمارے گھروں میں دِینی احکام کی واضح خلاف ورزی ہو رہی ہو، تو ہم نے بحیثیتِ سربراہ اہلِ خانہ کو کس قدر سمجھایا اور دین پر چلایا؟

(4)ہم نے ہادیِ دوعالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت اور زندگی کا کتنا مطالعہ کیا؟ کہ جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ ہمارے لیے نشانِ ہدایت ہے۔

(5)ہدایت یعنی صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے ہدایت یافتہ لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کرنا بہت مفید ہے، ہم نے اُن ہستیوں کی زندگیوں سے کیا ہدایت حاصل کی؟

(6)کیا ہم نے تزکیہِ باطن، تصفیہِ قلب، عرفانِ الٰہی اور خوفِ خداوندی کے جذبات وکیفیات پر غور کیا؟ کہ کیا ہمارے اندر یہ اِحساسات موجود ہیں اور ہم سیدھی راہ پر ہیں یا اِن چیزوں کا ہمیں کبھی خیال بھی نہیں آیا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزرانے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

www.dawateislami.net

آیت نمبر: 11 قیامت کا دِلوں کو دہلا دینے والا منظر

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْۚ-اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ(۱) یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ(۲) (پ17، الحج:1-2)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے (تو یہ حالت ہو گی کہ) ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن ہے یہ کہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہے۔

مختصر تفسیر:

پہلی آیت میں اللہ عزوجل سے ڈرنے اور تقویٰ اِختیار کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ تقویٰ ہی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے اِنسان اپنے اَعمال واَخلاق کی اِصلاح کرتا ہے اور چونکہ تقویٰ اور خوفِ خداوندی پر سب سے زیادہ اُبھارنے والی چیز قیامت ہے لہٰذا اِس کا ذِکر کیا گیا۔ قیامت کی ہَولناکیاں، بارگاہِ خداوندی میں پیشی اور حساب نیز دِیگر اَحوال و مناظرِ قیامت پیشِ نظر رہیں تو آدمی حق تلفی، ظلم و ستم اور دِیگر گناہوں سے دور رہے گا۔ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کے عذاب سے ڈرو اور اس کی اِطاعت میں مشغول ہو جاؤ، بیشک قیامت کا زلزلہ جو قیامت کی علامات میں سے ہے بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اس زلزلے کو دیکھو گے تو یہ حالت ہو گی کہ اس کی ہیبت سے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور اس دن کی ہولناکی سے ہر حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم لوگوں کو دیکھو گے تو ایسا لگے گا جیسے وہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے لوگوں کے ہوش جاتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا شدید ہے۔[1]

شانِ نزول:

بعض مفسرین فرماتے ہیں: یہ دونوں آیات غزوۂ بنی مصطلق میں رات کے وقت نازل ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اِن کی تلاوت فرمائی تو وہ ساری رات بہت روئے اور جب صبح ہوئی تو

1 ..... خازن، پ17، الحج، تحت الآیۃ: 1، 3/298 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

بوجھل دِلوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے جانوروں سے زینیں تک نہ اُتاریں اور جس جگہ ٹھہرے وہاں خیمے نصب نہ کئے اور غلبۂ خوفِ قیامت کی وجہ سے ہانڈیاں تک نہ پکائیں اور مسلسل غم واندوہ اور فکر مندی کی حالت میں رہے۔[1]

تفصیلی کلام:

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

اِس آیتِ مبارکہ میں تمام بنی آدم کو خطاب کیا گیا ہے اور سب کو تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ کافروں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور اَعمالِ صالحہ کریں اور مسلمانوں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اَعمالِ صالحہ بجالائیں۔ ہر ایک کو اس کے مطابق تقویٰ کا حکم ہو گا۔

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝۱﴾ بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔

تقوے کا حکم دینے کے فوراً بعد قیامت کے زلزلے کا ذِکر اِس بات کی طرف اِشارہ ہے کہ تقویٰ حاصل کرنے کے لئے قیامت کی ہولناکیوں کا یاد کرنا بہت مفید ہے۔ قیامت کو جس قدر یاد کریں گے، اسی قدر دِل نرم، نیکیوں کی طرف مائل اور گناہوں سے دور ہو گا۔

قیامت کے زلزلے کی قرآن میں منظر کشی:

آیت میں فرمایا کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ زلزلہ کسی شے کے شدت سے حرکت کرنے کو کہتے ہیں۔ قیامت کا زلزلہ نہایت ہولناک ہے کہ اس وقت زمین میں اِنتہائی شدید زلزلہ آئے گا، جس سے زمین پر موجود ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی، دُنیا فنا ہو جائے گی اور زمین و آسمان کا سارا نظام لپیٹ دیا جائے گا۔ اس زلزلے کے متعلق ایک جگہ فرمایا:

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ(۴) وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ(۵) فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ(۶) (پ27، الواقعۃ:4 تا 6)

ترجمہ: جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی اور پہاڑ خوب چُورا چُورا کر دیئے جائیں گے تو وہ ہوا میں بکھرے ہوئے غبار جیسے ہو جائیں گے۔

ایک جگہ فرمایا:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ(۱۳) وَّ حُمِلَتِ

ترجمہ: پھر جب صور میں (پہلی مرتبہ) ایک پھونک ماری جائے گی

1 ..... تفسیر روح البیان، پ17، الحج، تحت الآیۃ: 2، 6/3۔

www.dawateislami.net

الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَیَوْمَىٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ (پ29، الحاقۃ:13 تا 15)

اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک دم چورا چورا کر دیئے جائیں گے تو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔

ایک جگہ فرمایا:

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ یَّوْمَىٕذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ (پ30، النازعات:6 تا 9)

ترجمہ: جس دن تھرتھرانے والی تھرتھرائے گی۔ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔ دل اس دن خوفزدہ ہوں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

ایک جگہ فرمایا:

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ﴿۱۴﴾ (پ29، المزمل:14)

ترجمہ: جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرائیں گے اور پہاڑ ریت کا بہتا ہوا ٹیلہ ہو جائیں گے۔

ایک جگہ فرمایا:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ (پ30، الزلزال:1)

ترجمہ: جب زمین تھرتھرا دی جائے گی جیسے اس کا تھرتھرانا طے ہے۔

یہاں زلزلے کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کا زلزلہ ہے جب مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر کی طرف روانہ کرنے کا وقت ہو گا۔

دوسری آیت کا پہلا حصہ: ﴿یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ﴾ جس دن تم اسے دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔

فرمایا کہ قیامت کی دہشت کا یہ عالَم ہو گا کہ اگر اس وقت حاملہ یا مُرضعہ (دودھ پلانے والی) عورتیں ہوتیں تو ان کے حمل گر جاتے اور بچوں کو بھول جاتیں۔ [1] ورنہ اس دن نہ کسی کو حمل ہو گا نہ کوئی بچہ شیر خوار ہو گا کیونکہ قیامت سے چالیس سال پہلے ولادت بند ہو چکی ہو گی۔ یونہی اس زلزلے سے مراد میدان محشر کی طرف روانگی کے وقت برپا ہونے والا زلزلہ ہے تو بھی حمل وغیرہ نہ ہونا واضح ہے۔ قیامت کے وقوع سے پہلے اور قیامت کے واقع ہو جانے کے بعد دونوں اوقات کے حالات نہایت ہولناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت کی دہشت کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا:

1 ..... تفسیر روح البیان، پ17، الحج، تحت الآیۃ:2، 6/2 ملخصًا

www.dawateislami.net

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ (پ29، المزمل:17-18)

ترجمہ: پھر اگر تم کفر کرو تو اس دن کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ آسمان اس کی وجہ سے پھٹ جائے گا، اللہ کا وعدہ ہو کر رہنا ہے۔

یعنی اے لوگو، اگر دُنیا میں تمہاری گرفت نہ بھی کی گئی تو قیامت کے اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جس کی ہولناکی کا عالَم یہ ہے کہ وہ اپنی شدت اور دہشت سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور آسمان اپنی عظمت و قوت کے باوجود اس دن کی شدت کی وجہ سے پھٹ جائے گا، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے قیامت قائم ہونے کا جو وعدہ دیا ہے وہ ہو کر رہنا ہے۔

ایک جگہ قیامت میں آنکھوں کی حالت یوں بیان فرمائی:

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ (پ17، الانبیاء:97)

ترجمہ: اور سچا وعدہ قریب آگیا تو جبھی اس وقت کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی کہ ہائے ہماری خرابی! بیشک ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے۔

معنی یہ ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو اس وقت اس دن کی ہَولناکی اور دہشت سے کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی! بیشک ہم دُنیا کے اندر اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے کہ رسولوں کی بات نہ مانتے تھے اور انہیں جھٹلاتے تھے۔[1]

دوسری آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾﴾ اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن ہے یہ کہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہے۔

معنی یہ ہے کہ تم لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ گھبراہٹ کی وجہ سے نشے جیسی کیفیت میں ہوں گے حالانکہ حقیقت میں نشے میں نہیں ہوں گے۔ یہ عام مخلوق کے متعلق فرمان ہے۔ اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام اور ان کے سچے متبعین تو بڑے اعزاز کے ساتھ میدانِ محشر میں حاضر ہوں گے۔

زلزلہ قیامت کو عذاب فرمانے کی وجہ:

آیت میں فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾﴾ لیکن ہے یہ کہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہے۔

---

1 ..... خازن، پ17، الحج، تحت الآیۃ:97، 3/295۔

www.dawateislami.net

اِس پر سوال یہ ہے کہ یہ زلزلہ تو نیک و بد سب کے لئے ہے اور نیکوں پر تو عذاب نہیں ہو گا، لہٰذا اسے مطلقاً عذاب کیوں قرار دیا گیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اس زلزلے کو دو وجہ سے عذاب فرمایا گیا: ایک یہ کہ وہ زلزلہ شدتِ اَذیت میں مثلِ عذاب ہو گا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے دُنیا میں اگر ایک طرف گناہگاروں کو تکالیف پیش آتی ہیں تو دوسری طرف نیک بھی مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں حالانکہ نیکوں کے حق میں یہ مصیبتیں عذاب نہیں، ثواب ہوتی ہیں، نیز لغوی اعتبار سے ہر تکلیف کو عذاب کہہ دیا جاتا ہے۔

دوم یہ کہ اس وقت دنیا میں کوئی مومن مسلمان نہ ہو گا، سب بد کار، شریر، سرکش اور کافر ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں پر ہی قیامت قائم ہو گی چنانچہ حدیثِ مقدس کا اِرشاد ہے: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى اَشْرَارِ الْخَلْقِ ترجمہ: قیامت بدترین مخلوق پر ہی قائم ہو گی۔ یعنی اس وقت صرف بدترین لوگ ہی زندہ ہوں گے اور وہ یقیناً کافر ہوں گے۔ جب زلزلے کا وقوع صرف کافروں پر ہے تو کفار کی ہر سزا اور تکلیف کو عذاب ہی کہا جاتا ہے، وہ دُنیاوی ہو یا اُخروی خواہ اُس سے کوئی مرے یا مرے تو نہیں لیکن ذِلت و تکلیف کا شکار ہو۔ یہ زلزلہ قیامت کی اِبتدا کا پہلا عذاب ہے، آگے تو اس سے بھی بڑے بڑے عذاب ہیں۔[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہُ عنہ نے بیان کیا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السّلام سے فرمائے گا۔ اے آدم! وہ عرض کریں گے: میں حاضر ہوں اے رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد میں سے دوزخی گروہ کو جدا کر کے نکالو۔ وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! دوزخیوں کا کتنا گروہ نکالوں؟ حکم ہو گا، راوی فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ہر ہزار آدمیوں میں نو سو ننانوے۔ (یعنی ہزار میں سے صرف ایک جنتی اور باقی سب جہنم میں۔) یہ ایسا وقت ہو گا کہ (اگر کوئی) حاملہ (ہو تو اس) کا حمل گر جائے اور بچہ بوڑھا ہو جائے اور اس وقت تم لوگوں کو نشے جیسی کیفیت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب شدید ہے۔ صحابہ کرام علیہمُ الرّضوان پر یہ بات بہت شاق گزری (یعنی خوفِ آخرت سے دل شدید بوجھل ہو گئے) ان کے چہروں کے رنگ بدل گئے (یعنی خوف سے پیلے پڑ گئے)۔ اس وقت رَسُولِ رَحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: یاجوج ماجوج کے نو سو ننانوے کے (مقابل) تم میں سے ایک آدمی (پڑے گا یعنی تم لوگ جنت میں جاؤ گے اور جہنم میں جانے والی بڑی تعداد یاجوج ماجوج کی ہو

---

1 ..... تفسیر نعیمی، پ17، الحج، تحت الآیۃ: 1، 17/575 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

گی۔)غرض تم لوگ حشر کے دن دوسرے لوگوں کی نسبت(جو دوزخی ہوں گے)ایسے ہوگے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک بال کالا ہوتا ہے یا جیسے کالے بیل کے جسم پر ایک دو بال سفید ہوتے ہیں اور مجھ کو امید ہے تم لوگ سارے جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہوگے باقی تین حصوں میں اور سب اُمتیں ہوں گی، یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ تم تہائی ہوگے، ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا، پھر فرمایا: نہیں بلکہ آدھا حصہ ہوگے، آدھے حصہ میں اور اُمتیں ہوں گی۔ ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا۔[1]

قیامت کے ناموں کے معانی اور ان کی وجہ تسمیہ:

قیامت کا دِن بہت ہولناک ہے، اِس قدر کہ ہم پوری طرح اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ افسوس کے دنیا میں غفلت کی زندگی ہمارا شِعار بن چکا ہے اور اُس دن کے متعلق سوچتے ہی نہیں، جو یقیناً آنے والا ہے اور جس دن ایسے مناظر دیکھنے پڑیں گے جو نہ کبھی دیکھے ہوں گے اور نہ سوچے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر مہربانی کرتے ہوئے بار بار قیامت کی یاد دِلائی ہے اور قیامت کو مختلف ناموں سے ذِکر فرمایا ہے۔ یہاں قیامت کے ناموں میں سے 10 نام اور ان کے معانی بیان کرتے ہیں تاکہ کسی طرح ہمارا دل چوٹ کھائے اور فکرِ آخرت میں مشغول ہو جائے۔

(1)"یَوْمُ الْاٰزِفَةِ"یعنی قریب آنے والا دن: قیامت کا دن قریب ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی ہو، وہ قریب ہے، اِس اِعتبار سے اسے "یَوْمُ الْاٰزِفَة"یعنی قریب آنے والا دن کہتے ہیں۔

(2)"یَوْمُ الْوَعِیْد"یعنی عذاب کی وعید کا دن: دنیا میں قیامت کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اِس اِعتبار سے اسے "یَوْمُ الْوَعِیْد"یعنی عذاب کی وعید کا دن کہتے ہیں۔

(3)"یَوْمُ الْبَعْث"یعنی مرنے کے بعد زندہ کرنے کا دن: اس دن اللہ پاک سب کو دوبارہ زندہ فرمائے گا، اِس لئے وہ "یَوْمُ الْبَعْث"یعنی مرنے کے بعد زندہ کرنے کا دن ہے۔

(4)"یَوْمُ الْخُرُوْج"یعنی نکلنے کا دن: اس دن لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے، اِس لئے وہ "یَوْمُ الْخُرُوْج"یعنی نکلنے کا دن ہے۔

(5،6)"یَوْمُ الْجَمْع"اور "یَوْمُ الْحَشْر"یعنی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کا دن: اس دن اللہ کریم سب لوگوں کو حشر

---

1 ..... بخاری، 3/277، حدیث: 4741۔

www.dawateislami.net

کے میدان میں جمع فرمائے گا، اِس لئے وہ "یَوْمُ الْجَمْع" اور "یَوْمُ الْحَشْر" یعنی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کا دن ہے۔

(7) "یَوْمُ الْمَشْهُوْد" یعنی حاضری و پیشی کا دن: اس دن تمام مخلوق حاضر ہو گی، اِس لئے وہ "یَوْمُ الْمَشْهُوْد" یعنی حاضری کا دن ہے۔

(8) "یَوْمُ الْحِسَاب" یعنی حساب کا دن: اس دن مخلوق کے اَعمال کا حساب ہو گا، اِس لئے وہ "یَوْمُ الْحِسَاب" یعنی حساب کا دن ہے۔

(9) "یَوْمُ الدِّیْن" یعنی بدلے اور انصاف کا دن: اس دن بدلہ دیا جائے گا اور انصاف کیا جائے گا لہٰذا وہ "یَوْمُ الدِّیْن" یعنی بدلے اور انصاف کا دن ہے۔

(10) "یَوْمُ الْعَظِیْم" یعنی بڑا دن: دہشت، حساب اور جزا کے اِعتبار سے وہ بڑا دن ہے، اِس لئے اسے "یَوْمُ الْعَظِیْم" یعنی بڑا دن کہتے ہیں۔

قیامت کے ذِکر سے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کا حال:

مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ جب یہ دونوں آیات نازل ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے سامنے ان کی تلاوت فرمائی تو وہ ساری رات بہت روئے اور جب صبح ہوئی تو بوجھل دِلوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے جانوروں سے زینیں تک نہ اُتاریں اور جس جگہ ٹھہرے وہاں خیمے نصب نہ کئے اور غلبۂ خوفِ قیامت کی وجہ سے ہانڈیاں تک نہ پکائیں اور مسلسل غم واندوہ اور فکر مندی کی حالت میں رہے۔[1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ ایک دن قیامت، میزان، جنت و دوزخ، ملائکہ کے صفیں باندھنے، آسمانوں کو لپیٹنے، پہاڑوں کے اُڑنے، سورج کے لپیٹے جانے اور ستاروں کے بکھرنے کے بارے میں غور و فکر کرنے لگے۔ پھر فرمایا: میرے لیے یہ بہتر اور پسندیدہ تھا کہ میں اس سبزے میں سے سبزہ ہوتا۔ چوپائے میرے اوپر آتے اور مجھے کھا جاتے اور میں پیدا نہ کیا جاتا۔ تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (پ27، الرحمٰن:46) (ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔)[2]

---

1 ..... تفسیر روح البیان، پ17، الحج، تحت الآیۃ:2، 6/3۔

2 ..... در منثور، پ27، الرحمٰن، تحت الآیۃ:46، 7/706۔

www.dawateislami.net

یہ ان ہستیوں کا حال ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور ان میں سے بعض کو دنیا میں ہی زبانِ رسالت سے جنت کی بشارت مل چکی ہے، لہٰذا ہمیں تو قیامت کی شدت، ہیبت، ہولناکی اور سختی سے کہیں زیادہ ڈرنا چاہئے کیونکہ ہمارے ساتھ نہ تو کوئی ایسا وعدہ فرمایا گیا ہے جیسا صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کے ساتھ فرمایا گیا اور نہ ہی دنیا میں ہمیں جنت کی ایسی بشارت مل چکی ہے، لیکن افسوس کہ فی زمانہ قیامت سے لوگوں کی غفلت عروج پر نظر آتی ہے اور نجانے کس اُمید پر لوگ قیامت کے بارے میں بے فکر ہیں؟ امام محمد غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: اے مسکین! اس دن کے لیے تیاری کرلے جس دن تو دیکھے گا کہ آسمان پھٹ گئے، ستارے جھڑ گئے، روشن ستاروں کی چمک ماند پڑ گئی، سورج کی روشنی لپیٹ دی گئی، پہاڑ چلنے لگے، پانی لانے والی اونٹنیاں کھلی پھرنے لگیں، جنگلی جانور جمع ہو گئے، سمندر اُبلنے لگے، روحیں بدنوں سے جا ملیں، جہنم کی آگ بھڑکائی گئی، جنت قریب لائی گئی، پہاڑ اُڑائے گئے اور زمین پھیلائی گئی اور جس دن تم دیکھو گے کہ زمین میں زلزلہ برپا ہو گا، زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی اور لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے تاکہ اپنے اَعمال (کا بدلہ) دیکھیں اور جس دن زمین اور پہاڑ اٹھا کر پٹخ دیئے جائیں گے، اس دن عظیم واقعہ رونما ہو گا اور آسمان پھٹ جائیں گے حتّٰی کہ ان کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں گی، فرشتے ان کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن تمہارے رب عزوجل کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہو گا۔ اس دن تم سب کو پیش ہونا ہو گا اور تمہاری کوئی بھی بات پوشیدہ نہ ہو گی، جس دن پہاڑ چلیں گے اور تم زمین کو کھلی ہوئی دیکھو گے، جس دن زمین کانپے گی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑنے والی گرد بن جائیں گے، جس دن انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کے گالوں (ٹکڑوں) کی طرح ہو جائیں گے، اس دن ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حمل والی کا حمل گر جائے گا اور تم لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھو گے، حالانکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہو گا۔ جس دن یہ زمین و آسمان دوسری زمین میں بدل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ واحد و قہار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جس دن پہاڑ اڑا کر بکھیر دیئے جائیں گے اور صاف زمین باقی رہ جائے گی، اس میں کوئی ٹیڑھا راستہ (موڑ وغیرہ) اور ٹیلے نہیں ہوں گے، جس دن تم پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھو گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، جس دن آسمان پھٹ کر گلابی لال چمڑے کی طرح ہو جائیں گے۔ جس دن ہر شخص اپنے اچھے عمل کو سامنے پائے گا اور برے عمل کو بھی اور وہ چاہے گا کہ اس برے عمل اور اس (شخص) کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو۔ جس دن ہر نفس اس چیز کو جان لے گا جو وہ

www.dawateislami.net

لایا ہو گا اور جو آگے بھیجا یا پیچھے چھوڑا وہ سب حاضر ہو گا۔ جس دن زبانیں گُنگ ہوں گی اور باقی اَعضا بولیں گے، یہ وہ عظیم دن ہے جس کے ذِکر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر بڑی عمر کے آثار ظاہر کر دیئے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہُ عنہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، آپ پر بڑی عمر کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے سورہ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے ایسا کر دیا ہے۔“ ”اس جیسی دوسری سورتوں“ سے مراد سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (وغیرہ) ہیں۔ تو اے قرآن پڑھنے والے عاجز انسان! تیرا قرآنِ مجید پڑھنے سے صرف اتنا حصہ ہے کہ تو اس کے ساتھ زبان کو حرکت دے دے، اگر تو قرآنِ مجید میں جو کچھ پڑھتا ہے اس میں غور و فکر کرتا تو اس لائق تھا کہ ان باتوں سے تیرا کلیجا پھٹ جاتا۔[1]

قیامت کی تیاری اور ہماری حالت:

آخرت پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس دن کی تیاری کر لیں لیکن افسوس! کفار کی غفلت تو اپنی جگہ، مسلمانوں کی غفلت اور سُستی کا حال دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بھی اس اِنتظار میں ہیں کہ قیامت قائم ہو جائے تو ہی اس کے بارے میں کچھ سوچیں گے۔ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ﴿۱﴾ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۙ﴿۲﴾ لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ (پ17، الانبیاء: 1-3)

ترجمہ: لوگوں کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ جب ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے ہی سنتے ہیں۔ ان کے دل کھیل میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور غفلت کا سبب کیا ہے؟ وہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا، فرمایا: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾﴾ (پ30، التکاثر: 1-2) ترجمہ: زیادہ مال جمع کرنے کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا۔

یادِ آخرت کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا معمول:

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رات کے دو تہائی حصے گزر جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اٹھتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ (قیامت کا) پہلا نفخہ آن پہنچا اور دوسرا نفخہ اس کے پیچھے

[1] ..... احیاء العلوم، 5/274۔

www.dawateislami.net

آئے گا۔ موت آپہنچی ہے اور موت اپنی ان تکالیف کے ساتھ آپہنچی ہے جو اس میں ہیں۔[1] مراد یہ ہے کہ قیامت قریب ہے، جو کرنا ہے کرلو اور موت تمہارے سر پہ کھڑی ہے اس لئے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرلو۔

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہُ عنہ نے ارشاد فرمایا: اپنے نفس کا محاسبہ کرو اِس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور وزن کیے جانے سے پہلے اپنے عمل کا خود وزن کرو اور بہت بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ۔[2]

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم — چپکے چپکے، رَفتہ رَفتہ، دَم بدم
سانس ہے اک راہ روئے ملکِ عدم — دفعتاً اک روز یہ جائے گا تھم
ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے — کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں:

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

اپنے اعمال کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض ہی کر سکتے ہیں:

یاالٰہی! ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو — جب پڑے مشکل، شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یاالٰہی! جب پڑے محشر میں شور دار و گیر — امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی! جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے — صاحب کوثر، شہ جود و سخا کا ساتھ ہو
یاالٰہی! گرمی محشر سے جب بھڑکیں بدن — دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی! نامہ اعمال جب کھلنے لگیں — عیب پوشِ خلق ستار خطا کا ساتھ ہو
یاالٰہی! جب چلوں تاریک راہِ پل صراط — آفتابِ ہاشمی، نورُ الہدیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی! جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے — دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

خلاصہ کلام:

(1) اِن آیات میں خدا سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ قیامت کے زلزلے اور اس کی ہولناکی کا بیان ہے۔

---

1 ..... ترمذی، 4/207، حدیث: 2465۔
2 ..... احیاء العلوم، 5/128۔

www.dawateislami.net

(2)خوفِ خدا ہی وہ مؤثر حالت و کیفیت ہے جس سے انسان کے اَعمال و اَخلاق کی اِصلاح ہوتی ہے۔ حکمت کی بنیاد اور آخرت کی نجات خدا کے خوف میں پوشیدہ ہے۔

(3)کافروں کو تقوے کا حکم اِس معنٰی میں ہے کہ وہ ایمان لائیں اور اَعمالِ صالحہ کریں اور مسلمانوں کیلئے تقویٰ یہ ہے کہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اَعمالِ صالحہ بجالائیں۔ ہر ایک کو اس کے مطابق تقویٰ کا حکم ہو گا۔

(4)زلزلہ کسی شے کے شدت سے حرکت کرنے کو کہتے ہیں۔ قیامت کا زلزلہ نہایت ہولناک ہے کہ اس وقت زمین میں اِنتہائی شدید زلزلہ آئے گا، جس سے زمین پر موجود ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی، دنیا فنا ہو جائے گی اور زمین و آسمان کا سارا نظام اس وقت لپیٹ دیا جائے گا۔

(5)قیامت کی دہشت کا یہ عالَم ہو گا کہ اگر اس وقت حاملہ یا دودھ پلانے والی عورتیں ہوتیں تو ان کے حمل گر جاتے اور بچوں کو بھول جاتیں، ہاں یہ ہے کہ قیامت کے وقوع کے دن نہ کسی کو حمل ہو گا، نہ کوئی بچہ شیر خوار ہو گا کیونکہ قیامت سے چالیس سال پہلے ولادت بند ہو چکی ہو گی۔

(6)قیامت کے زلزلے کو دو وجہ سے عذاب فرمایا گیا، ایک یہ کہ وہ زلزلہ شدتِ اَذیت میں مثلِ عذاب ہو گا، دوسرا یہ کہ اس وقت دنیا میں کوئی مومن مسلمان نہ ہو گا، سب بدکار، شریر، سرکش اور کافر ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں پر ہی قیامت قائم ہو گی اور کفار کی ہر سزا عذاب ہی ہے۔ نیز لغوی اِعتبار سے ہر تکلیف کو عذاب کہہ دیا جاتا ہے۔

(7)قیامت کے معین وقت و تاریخ کی تحقیق میں پڑنا بے فائدہ ہے۔ اس کی بجائے بندہ قیامت کی تیاری کرے۔

محاسبہ:

قیامت کا آنا قطعی اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں جابجا اس کی ہولناکیاں بیان کر کے ہمیں آخرت کا خوف دِلایا گیا، مگر

(1)کیا ہم قیامت اور اُس کی ہولناکیوں کے بارے میں فکر مند ہیں؟

(2)کیا ہم نے احوالِ قیامت بیان کرنے والی آیات کو بغور پڑھ اور سمجھ کر اپنی آخرت بہتر کرنے کی سوچ بیدار کی؟

(3)کیا ہم نے کبھی قیامت کے خوفناک مناظر کا سوچ کر قیامت کی سختیوں سے پناہ کی دعا مانگی؟

(4)اَحادیث میں جن اَعمال کی برکت سے قیامت کی سختیوں سے نجات ملنے کی بشارت ہے، کیا ہم اُن اَعمال و اَذکار

www.dawateislami.net

کو اپنی زندگی کا حصہ بناتے ہیں؟

(5) قیامت میں ہر قریبی رِشتہ، پرایا ہو جائے گا اور صرف اچھے عمل ہی فائدہ دیں گے، کیا ہم اچھے اَعمال بجالانے والے ہیں؟

(6) اَحوالِ قیامت کو یاد کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنَّت ہے؟ کیا ہم اِس سنت پر عمل کرتے ہیں؟

(7) اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم قیامت سے ڈرتے ہیں، تو کیا اِس ڈر کی وجہ سے عبادات کی طرف ہمارے لگاؤ میں اضافہ ہوا یا ہماری زندگی حسبِ معمول گناہوں کے راستے پر رواں دواں ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت سے ڈرنے، اس کی تیاری کرنے کی توفیق دے اور قیامت کی ہولناکیوں سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:12 تخلیقِ اِنسانی کے مَراحل کا بیان اور وقوعِ قیامت پر اِستدلال

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْــٴًـاؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝ (پ17، الحج:5)

ترجمہ: اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے دن اُٹھنے کے بارے میں کچھ شک ہو تو (اس بات پر غور کرلو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر پانی کی ایک بوند سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی سے جس کی شکل بن چکی ہوتی ہے اور ادھوری بھی ہوتی ہے تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کو ظاہر فرمائیں اور ہم ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہتے ہیں اسے ایک مقرر مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمہیں بچے کی صورت میں نکالتے ہیں پھر (عمر دیتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب سے نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ (بالآخر) جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو زمین کو مرجھایا ہوا دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ (تروتازہ ہو کر) لہلہاتی ہے اور بڑھتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوبصورت سبزہ اگاتی ہے۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! اگر تم قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک کرتے ہو اور اُسے ناممکن سمجھتے ہو، تو ہماری (اللہ تعالیٰ کی) عظیم قدرت پر غور کرو جس کی ایک مثال تمہاری اپنی تخلیق ہے کہ ہم نے تمہاری اصل یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے بعد جب سلسلہِ نسل جاری ہوا تو ہم نے تمہیں نطفہ سے پیدا کیا، پھر نطفہ کو "علقہ" یعنی جمے ہوئے خون کی شکل دی اور پھر تمہیں "علقہ" سے اگلی شکل "مضغہ" یعنی گوشت کی بوٹی سے پیدا کیا، کہ بعض اوقات اُس بوٹی میں اَعضائے جسمانی مکمل بن چکے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ناقص اور نامکمل وجود ہوتا ہے۔ یہ بیانِ ساخت اور ترتیبِ تخلیق تمہیں اِس لیے بتائی کہ تمہارے سامنے اپنی شانِ قدرت ظاہر کریں کہ تم پہلی دفعہ کی تخلیق سے بروزِ قیامت دوبارہ پیدا ہونے کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ مزید ہماری شانِ قدرت یہ ہے کہ ہم جس نطفے کو چاہیں، ایک متعین مدت تک رحمِ مادر میں روک کر رکھتے ہیں اور گرنے نہیں دیتے اور جسے ٹھہرانا نہ ہو، اُسے گرا دیتے ہیں۔ پھر مخصوص مدت

www.dawateislami.net

کے بعد تمہیں بچے کی صورت میں اِس دنیا میں لے آتے ہیں، جس کے بعد تمہاری زندگی، اپنی عمر کے مختلف مراحل تک پہنچتی ہے، پھر تم کمالِ قدرت یعنی جوانی کی عمر کو پہنچتے ہو، اس کے بعد کوئی تو بڑی عمر پانے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی وہ ہے جسے ہم انتہائی بڑھاپے کی عمر تک پہنچاتے ہیں کہ اس کا حافظہ اور سمجھ ایسے کمزور ہو جاتے ہیں کہ کچھ جاننے کے باوجود بھی کچھ نہیں جانتا سمجھتا، لہٰذا جب خدا ایک انسان پر مختلف حالتیں طاری کرتا اور عمر کے آخری حصے میں پھر اِبتدائی عمر کی کیفیات طاری کر سکتا ہے، تو گلی سڑی ہڈیوں کو بھی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔

ایک ماں کے چھوٹے سے وجود میں ہونے والے مذکورہ تغیرات کے علاوہ، زمین کے وسیع و عریض وجود میں ہونے والے اِنقلابات کی مثال بھی تمہارے سامنے ہے کہ تم زمین کو مُردے کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتے ہو، تو ہم اُس مردہ زمین پر پانی برساتے ہیں تو وہ سبزے سے لہلہانے، بڑھنے اور پھلنے لگتی ہے، پھر وہی زمین اللہ کے حکم سے ہر قسم کا تر و تازہ اور خوبصورت سبزہ اگاتی ہے، لہٰذا جو خدا مردہ زمین زندہ کرنے پر قادر ہے، وہ مرنے والوں کے متفرق اَجزا کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ؕ﴾ اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے دن اُٹھنے کے بارے میں کچھ شک ہو تو (اس بات پر غور کر لو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر پانی کی ایک بوند سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی سے جس کی شکل بن چکی ہوتی ہے اور ادھوری بھی ہوتی ہے تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کو ظاہر فرمائیں۔

اِس آیت میں ان لوگوں کو بطورِ خاص دلائل سے سمجھایا جا رہا ہے جو قیامت کی زندگی کے منکر ہیں۔ اس کی پہلی دلیل یہ بیان فرمائی کہ اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے دن اٹھنے کے بارے میں کچھ شک ہو تو اِس بات پر غور کر لو کہ ہم نے تمہاری نسل کی اصل یعنی تمہارے جَدِّ اعلیٰ، حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اُن کی تمام اولاد کو منی کے قطرے سے پیدا کرنے کا سلسلہ شروع کیا کہ وہ قطرہ جمے ہوئے خون میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر اس سے گوشت کی بوٹی کی ایک شکل بن جاتی ہے، جو ادھوری بھی ہوتی ہے، اس پورے سلسلے سے انسان کو پیدا کیا جاتا ہے۔ انسان کی پیدائش کا حال اس لیے بیان فرمایا گیا تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کو ظاہر فرمائیں اور تم اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے کمال کو جان لو

www.dawateislami.net

اور اپنی پیدائش کے ابتدائی حالات پر نظر کر کے سمجھ لو کہ جو قادرِ برحق، بے جان مٹی اور معمولی سے قطرے میں اتنے اِنقلاب کر کے جاندار آدمی بنا دیتا ہے، وہ مرے ہوئے انسان کو زندہ کر دے تو یہ اُس کی قدرت سے کیا بعید ہے؟[1]

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ﴾ اور ہم ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

اِنسان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلیل قائم کرنے کے بعد پیدائش کے بعد کا حال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہم ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہتے ہیں اسے ولادت کی مقررہ مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں بچے کی صورت میں نکالتے ہیں، پھر تمہیں عمر دیتے ہیں، تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تمہاری عقل و قوت کامل ہو، پھر تم میں کوئی بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب سے نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کو اتنا بڑھاپا آجاتا ہے کہ عقل و حواس بجا نہیں رہتے اور بالآخر ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کی نظر کمزور، عقل ناقص اور فہم و سمجھ کم ہو جاتی ہے اور جو باتیں اسے معلوم ہوتی ہیں، وہ بھی بھول جاتا ہے۔[2]

اِنتہائی ضعیفی کی عمر میں عقل و حواس ختم ہونے سے محفوظ لوگ:

اِس آیت میں بڑھاپے کے وقت اِنسان کی جو حالت بیان کی گئی، اُس سے اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام محفوظ تھے، کیونکہ اگر اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام بھی بڑھاپے میں اِس حال کو پہنچ جایا کرتے تو ان پر تبلیغ فرض نہ رہتی اور نبوت سَلب کر لی جاتی کیونکہ اِس صورت میں دورانِ تبلیغ غلطی کا اِحتمال تھا، لیکن چونکہ وہ حضرات آخری دَم تک صاحبِ وحی نبی رہے اور زوالِ نبوت محال ہے، اس لیے وہ اس حال سے محفوظ تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خاص اولیاءِ کرام کو بھی اس حال سے جدا رکھتا ہے اور ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اِنتہائی ضعیفی کے عالَم میں اِس حال سے بچا لیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص تلاوتِ قرآن کا عادی ہو گا وہ اِس حالت کو نہ پہنچے گا (کہ اس کی عقل اور حواس قائم نہ رہیں۔)[3] اور علامہ احمد بن محمد خَلُوَتی صاوِی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: علماءِ کرام پر بھی یہ حالت طاری نہیں ہوتی، بلکہ جیسے جیسے ان کی عمر میں اِضافہ ہوتا جاتا ہے، ان کی عقل بھی بڑھتی جاتی ہے۔[4]

---

1 ..... خازن، پ17، الحج، تحت الآیۃ:5، 3/299۔
2 ..... خازن، پ17، الحج، تحت الآیۃ:5، 3/300۔
3 ..... جلالین، پ17، الحج، تحت الآیۃ:5، ص279۔
4 ..... صاوی، پ17، الحج، تحت الآیۃ:17، 4/1327۔

www.dawateislami.net

البتہ اَولیا پر ایسے اَحوال کا طاری ہونا ان کی شان کے منافی نہیں، ایک تو اس وجہ سے ہے کہ ان پر ایسے عوارضِ بشری طاری ہونے میں کوئی شرعی خرابی لازم نہیں آتی، جیسے اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے اس حالت سے محفوظ رہنے کی حکمت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے اَولیا پر یہ حالت عمر کی زیادتی کی وجہ سے نہیں، بلکہ معارف واسرارِ الٰہیہ میں اِشتغال واِستغراق کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کئی اکابر اَولیاءِ کرام رحمۃُ اللہِ علیہم کی سوانح میں ایسی کیفیات کا تذکرہ ملتا ہے۔

دہریوں کے شبہات کا جواب:

اوپر مذکور آیت کا بنیادی مقصد قیامت کے منکروں کے شکوک کا اِزالہ اور قیامت کے اِمکان ووقوع پر دلیل قائم کرنا ہے۔ اس پر ہم ذرا تفصیل سے کلام کرتے ہیں۔ خدا اور قیامت کے منکر دہریے کہتے ہیں کہ موت کے بعد کی زندگی کو کیسے مان لیا جائے؟ یہ ممکن ہی نہیں کہ مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جانے کے باوجود کسی کو دوبارہ زندہ کیا جاسکے۔ یہ ایک عام شبہ ہے جو سابقہ اَنبیاء ورُسل علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے زمانے کے مشرکوں نے بھی پیش کیا اور آج تک کفار اُسی اعتراض کو دہراتے آرہے ہیں۔ البتہ موجودہ دہریوں نے اس میں اپنی عادت کے مطابق ذرا نیا اِضافہ کیا ہے اور وہ عادت یہ ہے کہ جہاں اسلام، دین اور قرآن کی کوئی بات سمجھ نہ آئے تو وہاں پر سائنس اور عقل کا حوالہ دے دیتے ہیں کہ جناب سائنس اور عقل کی روشنی میں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ایک جملہ ہے جسے موقع، بے موقع جوڑ کر اس کے بعد جو مرضی بول دیا جاتا ہے۔ غیب اور مابعد الطبیعات کے معاملات میں ہمیشہ اس جملے کا اِستعمال غلط ہوتا آیا ہے۔

اِس کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں قیامت کے حوالے سے اتنی تفصیل سے اور اتنے متنوع دلائل سے کلام فرمایا ہے کہ کوئی ذِی شعور آدمی اس کا اِنکار کر ہی نہیں سکتا۔ اسے چند مَراحل میں عرض کرتا ہوں:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ غلط عقیدہ کہ ”مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جب ایک مرتبہ مر گئے تو سب ختم ہو گیا“ یہ عقیدہ آج کا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے جو بھی اَنبیا اور رُسل آتے تھے اور اپنی قوموں کو قیامت کے بارے میں سمجھاتے تھے، تو وہ قومیں آگے سے یہی جواب دیتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانے میں کچھ لوگوں نے یہ جملہ کہا: ﴿وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ﴾ (پ25، الجاثیۃ:24) ترجمہ: ”اور انہوں نے کہا: زندگی تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔“ یہ کفار کا دعویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا: ﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ﴾ (پ25، الجاثیۃ:24) ترجمہ: ”اور

www.dawateislami.net

انہیں اس کا کچھ علم نہیں۔" کہ بس یہی زندگی ہے اور دوسری زندگی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ زمانہ ہمیں ہلاک کر دیتا ہے اور دوسرا کوئی نہیں ہے جو موت دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ﴾ (پ25، الجاثیۃ:24) ترجمہ: "وہ صرف گمان دوڑاتے ہیں۔" کیونکہ انہیں کس نے بتایا کہ زمانہ انہیں موت دیتا ہے اور ان کے پاس کیا دلیل ہے کہ خدا موت نہیں دیتا۔ ذرا اس کی دلیل تو دو۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (پ20، النمل:64) ترجمہ: "تم فرماؤ: اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔" یعنی اس بات پر دلیل دو کہ تمہیں زمانے نے مارا ہے اور خدا نے موت نہیں دی۔

موت کے بعد دوبارہ زندگی پر پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت میں دوبارہ زندگی ہو گی۔ اِس پر سوال ہے کہ کیسے ہو گی؟ کیونکہ لوگ تو مر کر مٹی میں مل جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور سارا وجود بکھر جائے گا، تو یہ سب دوبارہ کیسے وجود میں آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کو خود قرآن میں بیان کیا: ﴿قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ﴾ (پ23، یٰس:78) ترجمہ: "کہنے لگا: ایسا کون ہے جو ہڈیوں کو زندہ کر دے جبکہ وہ بالکل گلی ہوئی ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ﴾ (پ23، یٰس:79) ترجمہ: "تم فرماؤ: ان ہڈیوں کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور وہ ہر پیدائش کو جاننے والا ہے۔" یعنی خدا پیدائش کی ہر صورت اور طریقے کو دائمی طور پر خوب جاننے والا ہے کہ ایک قطرے سے پیدا کرنا ہے یا ہڈیوں سے پیدا کرنا ہے یا ہڈیوں میں موجود کسی خلیے سے پیدا کرنا ہے، خدا سب جانتا ہے۔ جو خدا ایک قطرے سے پیدا کر سکتا ہے، تو وہ ان ہی ذرات کو جوڑ کر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا؟ یہ ہے دلیل۔ اس کے مقابلے میں اے منکرو! تم کہتے ہو کہ "زمانہ مار دیتا ہے۔" یہ تو دعویٰ ہوا، دلیل کدھر ہے؟ وہ بتاؤ، کس مستند جگہ پڑھا یا مشاہدہ کیا کہ زمانہ مار دیتا ہے؟ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تو دعویٰ فرماتا ہے اور اس پر دلیل بھی دے رہا ہے کہ جس نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ پیدا کر دے گا، وہ تخلیق کے ہر طریقے کو جانتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت بیان فرماتا ہے: ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (پ21، لقمٰن:28) ترجمہ: "تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔" یعنی یہ اَربوں کھربوں انسانوں کا پہلی مرتبہ پیدا کرنا یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا تمہیں مشکل یا ناممکن لگتا ہو گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ایک بندے کو بنانا، یہ اس کی قدرت ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (پ14، النحل:77) ترجمہ: بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

www.dawateislami.net

موت کے بعد دوبارہ زندگی پر دوسری دلیل:

کفار کے ایک شبہ اور اِضطراب کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ (پ15، بنی اسرائیل:49)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟

انہیں تعجب اور حیرت تھی کہ مُردوں کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تم اس قادرِ مطلق کی قدرت پر ایک مرتبہ نظر تو ڈالو کہ اس کی قدرت کتنی عظیم ہے، فرمایا:

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (پ15، بنی اسرائیل:99)

ترجمہ: اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں، وہ اس پر قادر ہے کہ ان لوگوں کی مثل اور پیدا کر دے۔

تو جس نے آسمان و زمین بنائے، اتنا بڑا نظام قائم کیا، اس کے سامنے انسان کی تخلیق اور وجود کی کیا حیثیت ہے؟ جس خدا نے اتنی بڑی دنیا بنا دی ہے، چھ فٹ کے انسان کا وجود بنانا، اُس کے لیے کیا مشکل ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ (پ23، یٰس:81)

ترجمہ: کیوں نہیں! اور وہی بڑا پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

مزید فرمایا:

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ (پ23، یٰس:82)

ترجمہ: اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرماتا ہے، "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

لہٰذا دوبارہ پیدا کرنے میں کیا اِشکال ہیں۔ یہ جو بات سوال میں کی گئی کہ "عقلی اور سائنسی دلائل سے ثابت ہو گیا" کیا ثابت ہو گیا؟ کچھ بھی نہیں۔ سائنس یہ تو کہہ سکتی ہے کہ ابھی تک میں جاہل ہوں، ابھی تک اندھی ہوں اور ابھی اس دلیل تک پہنچ نہیں سکی کہ انسان دوبارہ زندہ کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتی کہ انسان دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ کتنی چیزیں تھیں جنہیں پہلے سمجھا جاتا تھا کہ نہیں ہو سکتیں جیسے "ایک ہزار ٹن لوہا ہوا میں اُڑتا ہوا سات ہزار کلو میٹر طے کر جائے،" کیا لوگ یہ مانتے تھے؟ نہیں، لیکن ہوائی جہاز بن کر ایسا ہو گیا۔ تو پہلے سائنس کی یعنی سائنس دانوں کی جہالت تھی، سائنس اِدراک نہیں کر سکی تھی، عقل وہاں تک پہنچ نہیں سکی تھی، لیکن پھر کیا ہوا؟ اِدراک ہو گیا اور شے کی سمجھ آ گئی۔ لہٰذا عقل اور سائنس اپنے اِدراک کی نفی کر سکتے ہیں، اپنی جہالت کا اِقرار و اِعتراف کر سکتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے

www.dawateislami.net

کہ خدا دوبارہ لوگوں کو پیدا نہیں کر سکتا۔ یقیناً وہ پیدا فرمائے گا، اس نے فرمایا اور برحق فرمایا اور اس پر دلائل دے دیئے کہ جس نے تمہیں ایک قطرے سے پیدا کر دیا اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا، وہ دوبارہ پیدا کیوں نہیں کر سکتا؟ جس نے سارے زمین و آسمان بنا دیئے، کیا اس کی اتنی قدرت نہیں ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا کر دے؟ لہٰذا اس کی قدرت ثابت ہے۔

جزا یا بدلے کا صحیح معنی اُخروی حیات میں ہی ممکن ہے:

یہاں ایک اور عقلی دلیل عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ اگر دوبارہ زندگی نہیں ہے تو بتائیں کہ اگر ایک بندہ ایک لاکھ اِنسانوں کو قتل کر دے، کیا اس قاتل سے ایک لاکھ لوگوں کے قتل کا پورا بدلہ لیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کو ایک لاکھ مرتبہ پھانسی دیں گے؟ یا اس کو ایک لاکھ مرتبہ عمر قید کی سزا دیں گے؟ یا اس کو ایک لاکھ مرتبہ زہر کا انجکشن لگائیں گے؟ نہیں، یہ ممکن نہیں۔ جس شخص نے گیس چیمبرز (Gas Chambers) میں لاکھوں لوگوں کو مار دیا اور بعد میں خودکشی کر کے مر گیا، اسے کیا سزا ملی؟ کچھ بھی نہیں۔ خودکشی تو اس نے خود کی تھی۔ اب وہ کیا صورت ہے کہ اسے اس کے گناہوں کا پورا پورا بدلہ دیا جا سکے؟ وہ صورت موت کے بعد کی زندگی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ہمیشہ کی زندگی دے گا اور بندے کو اس کی نیکیوں کی پوری پوری جزا دے گا اور گناہگار کو اپنے عدل و حکمت سے سزا دے گا۔ اگر قیامت نہ ہو تو اس کا مطلب ہوا کہ ایک انسان کا قتل اور ایک لاکھ کا قتل دونوں برابر ہیں؟

اس کے برعکس اگر ایک شخص نے ایک لاکھ انسانوں کی جان بچائی، تو اس کو ایک لاکھ کی جان بچانے کا کیا صلہ ملے گا؟ جس بندے نے پوری دنیا میں خیر پھیلائی، لاکھوں لوگوں کو راہِ راست پر لے آیا، ہزاروں لوگوں کو جرائم سے توبہ کروا دی، برائیاں چھڑوا دیں، اس کو کیا صلہ ملا؟ ایک ہار پہنا دیا، ایک میڈل گلے میں ڈال دیا، واہ واہ کر دی، تالیاں بجا دیں، تھوڑا سا کرسی پر اونچا کر کے بٹھا دیا، کچھ رقم اِنعام میں دے دی۔ یہ صلہ تو چھوٹے سے کاموں پر بھی مل جاتا ہے کہ یہاں کرکٹ، فٹ بال کا میچ جیتنے پر اس سے زیادہ صلہ و اِنعام ملتا ہے۔ پھر فرق کیا ہوا؟ کیا دونوں برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جب برابر نہیں تو صلہ و اِنعام بھی کماحقہ ہونا چاہیے۔ بلکہ دنیا میں خیر کا سرچشمہ بننے والے کو پورا صلہ مل ہی نہیں سکتا کہ اگر ڈھیر سارے پیسے بھی دے دیں تو وہ ان کا کیا کرے گا، کھا تو سکتا نہیں، لہٰذا وہ زندگی چاہیے جس میں یہ پورے بدلے سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے اور وہ آخرت کی زندگی ہے، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ موت کے بعد زندگی

www.dawateislami.net

نہیں ہے، تو دنیا میں نہ بھلائی کرنے کا کوئی خاص فائدہ ہے اور نہ برائی کرنے کا نقصان۔ جس کا جو مَن چاہے وہ کرے، کیوں! اس لیے کہ اس کو اچھائی کی پوری جزا نہیں ملنی اور برائی کی پوری سزا نہیں ملنی۔ لہٰذا عقل تقاضا کرتی ہے کہ بندہ اچھائی کرے تو اسے بھرپور صلہ ملے اور برائی کرے تو اسی کے مطابق سزا ملے۔ تو عقل کہتی ہے آخرت کی زندگی ہونی چاہیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝۱۱۵ (پ18، المؤمنون:115)

ترجمہ: تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟

اللہ تعالیٰ نے دنیا اور زندگی کو بامقصد پیدا فرمایا ہے اور وہ مقصد اسی وقت پورا ہوتا ہے جب اچھے کو اچھائی کا بدلہ پورا ملے اور برے کو برائی کا بدلہ ملے۔

تخلیقِ انسانی کے مراحل سے قرآن کی حقّانیت کا ثبوت:

قیامت کے وقوع کی بنیاد چونکہ خدا کی قدرت پر ہے، لہٰذا خدا کی قدرت کی جتنی وُسعت کا علم حاصل ہو گا، اُسی قدر قیامت پر ایمان لانا آسان ہو گا، پھر خدا کی قدرت کے مظاہر میں سے بھی "تخلیق پر قدرت" وقوعِ قیامت کے معنیٰ و مفہوم کے زیادہ قریب ہے۔ اِن حکمتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنی قدرت کو بیسیوں اَنداز میں بیان فرمایا اور خصوصاً خدا کے مخلوق کو پیدا کرنے کے مدارج و مراحل کو بہت تفصیل سے بار بار بیان فرمایا۔ قرآنِ مجید کی تخلیق کے متعلق آیات ایک طرف تو خدا کی قدرت اور قیامت کی حقّانیت پر دلالت کرتی ہیں، دوسری طرف یہی آیات خود قرآنِ مجید کی صداقت کی بھی عظیم دلیل ہیں، کیونکہ قرآن کے نزول کے وقت سائنس اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھی کہ تخلیق کے مراحل کو اس قدر مفصل بیان کر سکے۔ یہ تو دورِ جدید کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ نت نئی مشینوں کی اِیجاد اور طبی دُنیا میں اِنقلاب کے بعد اِنسانی تخلیق کے مراحل واضح طور پر سامنے آگئے، لیکن آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب سائنس کو ایسی معلومات کی خبر تک نہ تھی، اس وقت قرآنِ مجید کا اِنسان کی پیدائش سے پہلے مراحل کو اس قدر صراحت و وضاحت اور تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کر دینا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ "قرآن" خالقِ اَرض و سما کا سچا کلام ہے۔ جس خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے، اُسی خالق نے قرآن میں اِس پیدائش کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

آیئے قرآنِ مجید سے تخلیقِ انسانی کی کچھ تفصیلات پڑھتے ہیں:

www.dawateislami.net

انسانی تخلیق کے مراحل:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اِنسان کی تخلیق اور پیدائش کے اِن مَراحل کو "سورۃُ المؤمنون" میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ (پ18، المؤمنون:12تا14)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔ پھر اس کو ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پانی کی بوند بنایا۔ پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو جما ہوا خون بنا دیا پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر اسے ایک دوسری صورت بنا دیا تو بڑی برکت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اِن آیات میں اِنسانی تخلیق کے سات مراحل کا ذِکر ہے۔ جن میں سے پہلے کا تعلق اس کی سب سے پہلی اِبتدا سے ہے اور بقیہ چھ کا تعلق دُنیا میں پیدا ہونے سے پہلے رحمِ مادر کے مراحل سے ہے۔ مراحل کی ترتیب کچھ اِس طرح ہے: (1) چنی ہوئی مٹی سے خمیر کی تیاری (2) نطفہ (3) علقہ (4) مضغہ (5) عظام (6) لحم (7) خلقِ آخر یعنی نئی طرح مخلوق بنانا۔ آیئے اب ہم اِن مراحل کا اسی ترتیب کے ساتھ تفصیلاً مطالعہ کرتے ہیں۔

پہلا مرحلہ: اور بیشک ہم نے اِنسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔ (پ18، المؤمنون:12) مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں انسان سے مُراد حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف جگہوں سے چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔[1]

دوسرا مرحلہ: پھر اس کو ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پانی کی بوند بنایا۔ (پ18، المؤمنون:13)

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۲﴾ (پ29، الدھر:2)

ترجمہ: بیشک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا تاکہ ہم اس کا امتحان لیں تو ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔

ایک جگہ فرمایا:

---

1 ..... خازن، پ18، المؤمنون، تحت الآیۃ:12، 3/321۔

www.dawateislami.net

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآىٕبِ ۝۷ (پ30، الطارق:5 تا7)

ترجمہ: انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ اچھل کر نکلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا جو پیٹھ اور سینوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝۲۰ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝۲۱ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۲ فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝۲۳ (پ29، المرسلات:20 تا23)

ترجمہ: کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا؟ پھر اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک معلوم اندازے تک۔ تو ہم قادر ہیں تو ہم کیا ہی اچھے قدرت رکھنے والے ہیں۔

تیسرا مرحلہ: پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو جما ہوا خون بنا دیا۔(پ18، المؤمنون:14) مزید ایک جگہ یوں فرمایا گیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ (پ30، العلق:1-2)

ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔

چوتھا مرحلہ: جو کہ اِس آیت میں اِرشاد فرمایا گیا، وہ "مُضْغَہ" کا مرحلہ ہے۔ فرمایا: پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا۔(پ18، المؤمنون:14) اسی کو ایک جگہ فرمایا:

ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ (پ17، الحج:5)

ترجمہ: پھر گوشت کی بوٹی سے جس کی شکل بن چکی ہوتی ہے اور ادھوری بھی ہوتی ہے۔

پانچواں اور چھٹا مرحلہ: ہڈیوں اور گوشت کا بننا ہے، چنانچہ فرمایا گیا: پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔(پ18، المؤمنون:14)

آج کے علم الجنین (Embryology) کی جدید تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہی ترتیب ہوتی ہے، یعنی سب سے پہلے علقہ پھر مضغہ پھر ہڈیاں اور پھر اُن ہڈیوں پر گوشت کا لباس۔

ساتواں اور آخری مرحلہ: ترکیبِ عنصری کی تکمیل کے بعد انسانی صورت میں تبدیل کرنا اور ڈھالنا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

ترجمہ: پھر اسے ایک دوسری صورت بنا دیا تو بڑی برکت والا ہے

www.dawateislami.net

اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ (پ18، المؤمنون:14) وہ اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

پروفیسر "Keith L. Moore" انہی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

The interpretation of the verses in the Qur'an referring to human development would not have been possible in the 7th century A.D., or even a hundred years ago. We can interpret them now because the science of modern Embryology affords us new understanding. Undoubtedly there are other verses in the Qur'an related to human development that will be understood in the future as our knowledge increases۔

ترجمہ: اِنسانی نشو ونما سے متعلق قرآنِ مجید کی آیات میں موجود معلومات تک رسائی ساتویں صدی عیسوی میں کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ حتّٰی کہ ایک سو سال قبل بھی ہم اس کی تفصیلات وتوضیحات سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ جنینیات سے متعلق جدید سائنس کی روشنی میں ہی ہم کچھ تفصیلات معلوم اور بیان کر سکتے ہیں۔ بلاشک وشبہ قرآنِ کریم میں انسانی نشو ونما سے متعلق دِیگر آیات بھی ہیں کہ جس طرح بالتدریج ہمارا سائنسی علم بڑھتا جائے گا، اُسی علمی ترقی سے ہم مستقبل میں اُن آیات کی حقیقت کو سمجھ سکیں گے۔

(The Journal of the Islamic Medical Association, Vol.18, Jan-June 1986)

پروفیسر ڈاکٹر ٹی وی این پرساد کہتا ہے:

There are too many accuracies [in the Qur'an] and, like Dr. Moore, I have no difficulty in my mind that this is a divine inspiration or revelation which led him to these statements۔

ترجمہ: قرآنِ کریم میں بہت زیادہ صداقت ہے اور ڈاکٹر موور کی طرح میرے ذہن میں بھی کوئی اُلجھن نہیں ہے کہ یہ خدائی الہام یا وحی ہے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ان فرمودات تک رسائی دلائی اور آپ نے انہیں بطورِ وحی بیان فرمایا۔

(This is the truth, page:26, Publication: Al-Haramain Islamic foundation)

www.dawateislami.net

انسانی تخلیق کے مَراحل کا حدیث میں بیان:

اللہ تعالیٰ اِنسان کی پیدائش کس طرح فرماتا ہے اور اس کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف کس طرح منتقل کرتا ہے، اس کا کچھ بیان تو اس آیت میں ہوا اور اس کی مزید تفصیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، چنانچہ سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کی پیدائش کا مادہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی صورت میں رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت جما ہوا خون ہو جاتا ہے، پھر اتنی ہی مدت گوشت کی بوٹی کی طرح رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کا رزق، اس کی عمر، اس کے عمل، اس کا بدبخت یا سعادت مند ہونا لکھتا ہے، پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے۔[1]

اِس ساری تفصیل کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ انسان پر خدا کی قدرت ظاہر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے کمال کو جان لے اور اپنی پیدائش کے اِبتدائی حالات پر نظر کر کے سمجھ لے کہ جو قادرِ برحق، بے جان مٹی اور بے قدر پانی کے ایک قطرے میں اتنے اِنقلاب کر کے جاندار آدمی بنا دیتا ہے وہ مرے ہوئے انسان کو زندہ کر دے تو یہ اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً﴾ اور تو زمین کو مرجھایا ہوا دیکھتا ہے۔

مُردہ زمین کے زندہ ہونے سے اِستدلال:

یہاں سے مرنے کے بعد اٹھنے پر دوسری دلیل قائم کی جا رہی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے انسان! تو زمین کو مرجھایا ہوا اور خشک دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر لہلہاتی اور پروان چڑھتی ہے اور ہر قسم کا خوبصورت سبزہ اگاتی ہے تو جو قادر و برحق رب تعالیٰ مرجھائی ہوئی زمین کو سرسبز و شاداب کر سکتا ہے تو وہ ان بندوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے جن کے اجزا موت کے بعد بکھر چکے ہوں۔

وقوعِ قیامت کے اِمکان و قدرت پر دلائل میں سے ایک یہ دلیل بھی قرآنِ مجید میں بیسیوں مقامات پر موجود ہے اور بہت خوبصورت انداز میں اسے دہرایا اور سمجھایا گیا ہے کہ مردہ زمین کا زندہ ہونا یعنی بنجر اور خالی زمین کا خدا کی قدرت سے بارش کے پانی کے ذریعے زندہ ہونا یعنی سرسبز و شاداب ہو جانا ہر انسان کے مستقل مشاہدے میں ہے اور یہ مردہ زمین

---

1 ..... مسلم، ص1090، حدیث: 6723۔

www.dawateislami.net

کی زندگی، مردہ انسان کے قیامت میں زندہ ہونے کی بہت قریبی مثال ہے۔ آیئے قرآنِ مجید سے اس دلیل کے متعلق دِیگر آیاتِ مبارکہ کا بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ (پ14، النحل:65)

ترجمہ: اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس کے ذریعے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا۔ بیشک اس میں سننے والوں کے لئے نشانی ہے۔

آیت میں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس کے ذریعے زمین کو خشک اور بے سبزہ ہونے کے بعد سرسبزی و شادابی بخش کر زندہ کر دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، لیکن اس بات کو سمجھنا اُن لوگوں کا کام ہے جو دل سے سنتے ہیں اور سن کر سمجھتے اور غور کرتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو قادرِ برحق زمین کو اُس کی موت یعنی نَشو و نما کی قوت فنا ہو جانے کے بعد پھر زندگی دیتا ہے، وہ انسان کو اس کے مرنے کے بعد بے شک زندہ کرنے پر قادر ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾ (پ21، الروم:50)

ترجمہ: تو اللہ کی رحمت کے نشانات دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے بیشک وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی رحمت (بارش) نازل ہونے پر مُرَتَّب ہونے والے نشانات دیکھو کہ بارش زمین کو سیراب کرتی ہے، پھر اس سے سبزہ نکلتا ہے، سبزے سے پھل پیدا ہوتے ہیں اور پھلوں میں غذائیت ہوتی ہے اور اس سے جانداروں کے جسمانی نظام کو مدد پہنچتی ہے اور یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ یہ سبزے اور پھل پیدا کر کے کس طرح خشک ہو جانے والی زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے اور جس نے خشک زمین کو سرسبز کر دیا وہ بے شک مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جو اس کی قدرت کے تحت آنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مزید ایک مقام پر فرمایا:

وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ

ترجمہ: اور اللہ ہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں تو وہ ہوائیں بادل کو ابھارتی

www.dawateislami.net

اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۠(۹) (پ22، الفاطر:9)

ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں تو اس کے سبب ہم زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ فرماتے ہیں۔ یونہی حشر میں اٹھنا ہے۔

یعنی فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں تو وہ ہوائیں بادل کو ابھارتی ہیں، پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رَواں کرتے ہیں، جس میں سبزہ اور کھیتی نہیں اور خشک سالی سے وہاں کی زمین بے جان ہو گئی ہے، تو اس بادل سے نازل ہونے والی بارش کے سبب ہم زمین کو اس کے مرنے (یعنی خشک ہونے) کے بعد زندہ فرماتے ہیں اور اس کو سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں، اس سے ہماری قدرت ظاہر ہے اور جس طرح ہم خشک زمین کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں اسی طرح حشر میں مُردوں کو اٹھائیں گے۔

حضور سید المرسَلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ایک صحابی رضی اللہُ عنہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ مُردے کس طرح زندہ فرمائے گا؟ مخلوق میں اس کی کوئی نشانی ہو تو ارشاد فرمایئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تیرا کسی ایسے جنگل میں سے گزر ہوا ہے جو خشک سالی سے بے جان ہو گیا ہو اور وہاں سبزہ کا نام و نشان نہ رہا ہو، پھر کبھی اسی جنگل میں گزر ہوا ہو اور اس کو ہرا بھرا لہلہاتا پایا ہو؟ ان صحابی رضی اللہُ عنہ نے عرض کی: بیشک ایسا دیکھا ہے۔ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: ایسے ہی اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرے گا اور مخلوق میں یہ اس کی نشانی ہے۔[1]

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیتِ مبارکہ میں تخلیقِ اِنسانی کے مراحل اور اس سے قیامت کے وقوع پر جاندار اور دِل نشین دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ دلیل کی ترتیب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کا حال بیان کیا تاکہ لوگوں پر خدا کی قدرت ظاہر ہو اور وہ سمجھ لیں کہ جو قادرِ مطلق، بے قدر قطرے میں اتنے اِنقلاب برپا کر کے ذی روح انسان بنا دیتا ہے، وہ مردہ انسان کو زندہ کر دے تو یہ اُس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔

(2) بڑھاپے کی ایک حالت یہ ہے کہ عقل و حواس بجا نہیں رہتے اور نظر کمزور، عقل ناقص اور فہم و سمجھ کم ہو جاتی ہے، لیکن اِس حالت سے اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام محفوظ تھے۔

(3) خدا اور قیامت کے منکر کہتے ہیں کہ موت کے بعد کی زندگی کو کیسے مان لیا جائے؟ یہ ممکن ہی نہیں کہ مرنے

1 ..... مستدرک، 5/776، حدیث: 8725۔

www.dawateislami.net

کے بعد ریزہ ریزہ ہو جانے کے باوجود کسی کو دوبارہ زندہ کیا جاسکے۔ یہ ایک عام شبہ ہے جو پہلے زمانے کے مشرکوں نے بھی پیش کیا تھا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا:

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍؕ-وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ(۷۹) (پ23، یٰس:79)

ترجمہ: تم فرماؤ: ان ہڈیوں کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور وہ ہر پیدائش کو جاننے والا ہے۔

(4) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، عقل کا بھی تقاضا ہے کہ اگر دوبارہ زندگی نہیں ہے تو لاکھوں انسانوں کے قاتل کو تو برابر کی سزا ہی نہیں ملے گی۔ یوں ایک قاتل سو آدمیوں کو بھی قتل کر دے تو کیا ڈر؟ جرم کی پوری سزا کی صورت یہی ہے کہ موت کے بعد زندگی ہو، جس میں اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے مجرم کو پوری سزا دے۔

(5) قرآنِ مجید کی تخلیق کے متعلق آیات ایک طرف تو خدا کی قدرت اور قیامت کی حقّانیت پر دلالت کرتی ہیں، دوسری طرف یہی آیات خود قرآنِ مجید کی صداقت کی بھی عظیم دلیل ہیں، کیونکہ قرآن کے نزول کے وقت سائنس اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھی کہ تخلیق کے مراحل کو اس قدر مفصل بیان کر سکے۔

(6) آج کے علم الجنین (Embryology) کی جدید تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہے کہ انسانی تخلیق کی یہی ترتیب ہوتی ہے جو اوپر آیت میں بیان کی گئی ہے۔

(7) وقوعِ قیامت کے اِمکان و قدرت پر دلائل میں سے ایک یہ دلیل بھی قرآنِ مجید میں بیسیوں مقامات پر موجود ہے کہ مردہ زمین کا زندہ ہونا یعنی بنجر اور خالی زمین کا خدا کی قدرت سے بارش کے پانی کے ذریعے سرسبز و شاداب ہو جانا ہر انسان کے مستقل مشاہدے میں ہے اور یہ مردہ زمین کی زندگی، مردہ انسان کے قیامت میں زندہ ہونے کی بہت قریبی مثال ہے۔

محاسبہ:

اللہ تعالیٰ نے پیدائشِ انسانی کے حیران کُن انقلابات اور مراحل بیان فرما کر آخرت میں دوبارہ اٹھایا جانا ثابت کیا اور اس سے آگے کا بنیادی مقصد قیامت کی تیاری کی فکر دینا ہے۔ غور کریں کہ

(1) ہم اُس نئی زندگی اور آخرت کے حساب کے لیے کس قدر تیار ہیں؟

(2) کیا ہمارے پاس نیکیوں کا سرمایہ موجود ہے، جس سے کچھ اطمینان ہو کہ آخرت میں خدا کے حضور سرخرو ہو

www.dawateislami.net

جائیں گے ؟

(3)جب ہمارا دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان ہے، تو کیا ہم دوسری زندگی میں جہنم سے ڈرتے اور جنت کی رغبت رکھتے ہیں؟

(4)جس رب کریم نے ہمیں انتہائی اعلیٰ بناوٹ پر پیدا کیا، اُس قادرِ مطلق کے احکامات پر ہم کس قدر عمل پیرا ہیں؟

(5)کہیں ہم زندگی کی رونقوں میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے احکام بھول تو نہیں گئے؟

(6)ملحدوں، دہریوں، بے دینوں اور آخرت کے منکروں کی دوستیاں ایمان کے لئے تباہ کُن ہیں۔ کیا ایسے کسی بھی آدمی سے ہماری دوستی تو نہیں؟ کیا ہم ایسے شیطانوں کی باتیں اور تقریریں تو نہیں سنتے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں خوفِ آخرت اور اپنے احکامات پر عمل کرنے کا جذبہ عطا فرمائے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:13 سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا منصبِ انذار

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۹﴾ (پ17، الحج:49)

ترجمہ: تم فرمادو! اے لوگو! میں تو صرف تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

اجمالی تفسیر:

اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، تم اِن کافروں سے فرمادو کہ میں تمہیں واضح اور صاف طور پر برے اعمال کے نتائج اور عذابِ الٰہی سے متنبہ کرنے والا ہوں، کہ مجھے اللہ کے عذاب کا ڈر سنانے کے لیے ہی بھیجا گیا ہے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے فرمایا کہ اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، کافروں کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے مسلسل ڈراتے رہیں اور ان کی طرف سے جلد عذاب کے اِستہزائیہ مطالبے کی وجہ سے سمجھانا مَوقوف نہ کریں، بلکہ فرمادیں کہ مجھے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر سنانے کے لئے بھیجا گیا ہے اور تمہارا مذاق اڑانا مجھے اس سے نہیں روک سکتا۔[1]

فریضہِ اِنذار کی اِبتدا:

فریضہِ اِنذار اس وقت سے جاری ہے جب حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام زمین پر تشریف لائے۔ تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اور حضرت حوا رضی اللہُ عنہا کو زمین پر اتارتے ہوئے تمام نسلِ انسانی کو مخاطب کرتے ارشاد فرمایا تھا:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ (پ1، البقرۃ:38-39)

ترجمہ: ہم نے فرمایا: تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور وہ جو کفر کریں گے اور میری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

---

1 ..... تفسیر کبیر، پ17، الحج، تحت الآیۃ:49، 8/234۔

www.dawateislami.net

نسلِ انسانی کو یہ خدائی پیغام سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سنایا۔

فریضہ اِنذار اور جملہ اَنبیا علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام:

جب حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام زمین پر تشریف لائے تو آپ نے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دینِ حق کی تعلیم دی، جس کے نتیجے میں شروع میں تو سب ایک ہی دین کے پیروکار تھے، پھر حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں کے دِین میں اِختلاف پڑ گیا اور نتیجۃً لوگوں کی بڑی تعداد شرک میں پڑ گئی، جنہوں نے نیک لوگوں کے بت بنا کر انہیں پوجنا شروع کر دیا۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مبعوث فرمایا جو کافروں کی طرف بھیجے جانے والے پہلے رسول ہیں۔[1]

حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے ایمان لانے پر جنت کی بشارتیں اور کفر و شرک میں پڑے رہنے پر عذابِ الٰہی کی وعیدیں لوگوں کو سنائیں اور یہی بشارت و وعید کا سلسلہ اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کی طرف سے جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس تاریخ کو یوں بیان فرمایا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ (پ2، البقرۃ:213)

ترجمہ: تمام لوگ ایک دین پر تھے تو (ان کے آپس کے دین میں اختلاف کے بعد) اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے ہوئے اور ڈر سناتے ہوئے۔

تمام اَنبیا کا وصفِ مشترک:

معلوم ہوا کہ تبشیر و اِنذار تمام اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کا وصف مشترک رہا ہے، بلکہ اِنذار کا وصف اس قدر عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے لئے اسی وصف کو رسول و نبی کے الفاظ کے تقریباً مترادف کے طور پر قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ؕ۴۴ وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۴۵ (پ22، سبا:44-45)

ترجمہ: اور ہم نے انہیں کتابیں نہ دیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں اور نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا بھیجا اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا اور یہ لوگ تو اس (مال و دولت) کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان (پہلے لوگوں) کو دیا تھا پھر انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا انکار کرنا کیسا ہوا؟

---

1 ..... خازن، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 213، 1/150۔

www.dawateislami.net

دوسری جگہ فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ (پ22، سبا:34)

ترجمہ: اور ہم نے (جب کبھی) کسی شہر میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ تم جس (ہدایت) کے ساتھ بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔

تیسری جگہ فرمایا:

تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۬ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ﴿۹﴾ (پ29، الملک:8-9)

ترجمہ: معلوم ہوتا ہے کہ غضب سے پھٹ جائے گی، جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، بیشک ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے پھر ہم نے (انہیں) جھٹلایا اور ہم نے کہا: اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو بڑی گمراہی میں ہی ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ (پ22، الفاطر:42)

ترجمہ: اور انہوں نے اپنی قسموں میں حد بھر کی کوشش کر کے اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور تمام امتوں میں سے (ہر) ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے (لیکن) پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو اس نے ان کی نفرت میں ہی اضافہ کیا۔

اور فرمایا:

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۫ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ (پ12، ھود:25)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے فرمایا) میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں۔

اِن تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رَسولوں کے لئے لفظ "نذیر، ڈر سنانے والا" ہی بیان فرمایا ہے۔

لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لئے اَنبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو بھیجنے کی حکمت:

اَنبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بشارتوں اور وعیدوں کے ساتھ تشریف آوری کی حکمت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی

www.dawateislami.net

کہ خداوند کریم کسی قوم کو سمجھانے سے پہلے انہیں عذاب نہیں دیتا، چنانچہ فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (پ15، بنی اسرائیل:15)

ترجمہ: اور ہم کسی کو عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

اور فرمایا:

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ (پ20، القصص:46)

ترجمہ: لیکن تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے تاکہ تم اس قوم کو ڈراؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا یہ امید کرتے ہوئے کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اور فرمایا:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ (پ22، یٰس:6)

ترجمہ: تاکہ تم اس قوم کو ڈراؤ جس کے باپ دادا کو نہ ڈرایا گیا تو وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اَنبیا کی بعثت میں حکمت:

نیز یہ بھی حکمت ہے کہ بروزِ قیامت کافروں کے کفر پر عذاب کے وقت وہ یہ نہ کہیں کہ اے اللہ، ہماری طرف تو کوئی رسول آیا ہی نہیں جو ہمیں تیرے عذاب سے ڈراتا، تو ہمیں کیوں عذاب دیا جارہا ہے؟ اگر تیری طرف سے کوئی رسول آیا ہوتا تو ہم ضرور اس پر ایمان لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے تمام عذر ختم کرنے، ان پر حجت تمام کرنے اور خدا کا پیغام واضح طور پر پہنچادینے کے لئے مبشرین و منذرین یعنی خوشخبریاں اور وعیدیں سنانے والے انبیاء و رُسُل علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام مبعوث فرمائے اور اسی عظیم حکمت کے ساتھ سرکارِ دو عالم، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو بھیجا گیا، چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ (پ6، المائدۃ:19)

ترجمہ: اے کتاب والو! بیشک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے، وہ رسولوں کی تشریف آوری بند ہو جانے کے عرصہ بعد تم پر ہمارے احکام ظاہر فرمارہے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا آیا ہی نہیں تو بیشک تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تشریف لاچکا۔

www.dawateislami.net

ایک جگہ فرمایا:

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَؕ (پ13، ابراہیم:44)

ترجمہ: اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! تھوڑی دیر تک ہمیں مہلت دیدے تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کرلیں اور رَسولوں کی غلامی کرلیں۔

ہر اُمَّت کے لئے فریضہ اِنذار:

ہر اُمَّت کے فریضہ اِنذار کے لئے ہستیوں کو مبعوث کیا گیا چنانچہ اِرشاد فرمایا: ﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ﴾ (پ22، الفاطر:24) ترجمہ: ”اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔“ اور اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے اِنذار کے عملی اِظہار کا تذکرہ قرآنِ مجید میں بکثرت موجود ہے چنانچہ سورۂ اعراف، سورۂ یونس، سورۂ ھود اور سورۂ شعراء وغیرہ میں ایسے مضامین بکثرت موجود ہیں کہ اَنبیاء ورُسل علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اپنی اپنی قوموں کو دنیا میں عذابِ الٰہی، قیامت کی ہولناکی اور جہنم کی شدتوں سے بار بار خبردار کیا، لیکن اِنذار کے فریضے کی ادائیگی کے بعد مختلف قوموں کے اِنکار و سرکشی کی وجہ سے ان کا وہ انجام ہوا جسے ان ہی سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں اس کا خلاصہ بیان فرمایا:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًاۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَاۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (پ20، العنکبوت:40)

ترجمہ: تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کی وجہ سے (ہی) پکڑا تو ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو خوفناک آواز نے پکڑ لیا اور ان میں کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور ان میں کسی کو ڈبو دیا اور اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرے ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شانِ تبشیر و اِنذار:

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شانِ تبشیر و اِنذار کو قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر بیان فرمایا گیا بلکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جو وحی شروع میں کی گئیں ان میں اسی فریضہِ انذار کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا، چنانچہ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْۗ﴾ (پ29، المدثر:1-2) ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے۔ کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ۔

www.dawateislami.net

اعلانِ نبوت کے اِبتدائی دِنوں میں قریبی رِشتہ داروں کو عذابِ الٰہی کے متعلق متنبہ کرنا:

قریبی رِشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص حکم دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ(۲۱۴)﴾ (پ19، الشعراء:214) ترجمہ: ”اور اے محبوب! اپنے قریبی رِشتہ داروں کو ڈراؤ۔“ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنے قریبی رِشتے داروں کو جمع کرکے ایمان و توحید کی عظمتوں اور اس کے ترک پر عذاب کی وعیدوں سے متعلق سمجھایا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہُ عنہ نے کہا جب (سورۃُ الشعراء کی) یہ آیت اللہ تعالیٰ نے اتاری ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ(۲۱۴)﴾ ”اور اے محبوب! اپنے قریبی رِشتہ داروں کو ڈراؤ۔“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: قریش کے لوگو! یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ، تم لوگ اپنی اپنی جانوں کو (نیک اعمال کے بدل) مول لے لو (یعنی عذاب سے بچا لو) میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے عبد مناف کے بیٹو! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ! تو چاہے میرا مال مانگ لے، لیکن اللہ کے سامنے تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ (یعنی اللہ کی مرضی کے خلاف میں کچھ نہیں کر سکوں گا اور کسی کے کفر کے ہوتے ہوئے اس کی شفاعت نہیں کروں گا۔)[1]

نجات کی بنیادی شرط:

اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نجات کی سب سے بنیادی شرط اِیمان ہے۔ اِس کے بغیر قرابت داری کام نہیں آئے گی اور ایمان ہو تو رِشتے داری کا فائدہ ہو گا، جیسے سیدہ فاطمہ رضی اللہُ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں، حسنین کریمین رضی اللہُ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ یہ سب قرابت نبوی کی برکتیں ہیں، لیکن ایمان کی شرط کے ساتھ اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے تمام آباء واجداد توحید کے ماننے والے تھے اور یونہی سیدہ فاطمہ رضی اللہُ عنہا اور دِیگر شہزادیاں ہمیشہ ہی سے اہلِ توحید تھیں، یہ ہستیاں کبھی بھی شرک سے آلودہ نہیں ہوئیں۔

قرابت داروں کو ڈرانے والی آیت کا نزول اور حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی دعوتِ تبلیغ:

دوسری رِوایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہما فرماتے ہیں: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم

---

1 ..... بخاری، 2/238، حدیث: 2753۔

www.dawateislami.net

صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کوہِ صفا پر چڑھے اور آپ نے آواز دی: ”اے بنی فہر، اے بنی عدی، قریش کی شاخو! (اس آواز پر) تمام لوگ جمع ہو گئے اور جو خود نہ جا سکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ آکر بتائے کہ بات کیا ہے؟ ابولہب آیا اور بقیہ قریش بھی۔ (جب سب جمع ہو گئے تو) آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر میں تم لوگوں سے کہوں کہ وادی کے دوسری طرف ایک لشکرِ جرّار ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا مجھے سچا جانو گے؟ سب نے کہا: ہاں! کیونکہ ہم نے آپ سے ہمیشہ سچ ہی سنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس پر فرمایا: (پھر) میں تم لوگوں کو قیامت کے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو آگے آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب انکار کرتے ہوئے کہنے لگا: کیا ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے؟ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی: ﴿تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّؕ(۱) مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَؕ(۲)﴾ (پ30، اللھب:1-2) ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو ہی گیا۔ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی۔ [1]

نزولِ قرآن کا بنیادی مقصد:

لوگوں کو نیکی کی راہ پر چلانے اور برائی کے راستے سے ہٹانے کے لئے خدا کے عذاب سے انہیں خبر دار کرنا قرآنِ مجید کے نزول کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَاؕ (پ7، الانعام:92)

ترجمہ: اور یہ برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس لئے (اتری) تاکہ تم اس کے ذریعے مرکزی شہر اور اس کے ارد گرد والوں کو ڈر سناؤ۔

اور ایک جگہ فرمایا:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا(۹۷) (پ16، مریم:97)

ترجمہ: تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں ہی آسان فرما دیا تاکہ تم اس کے ذریعے متقیوں کو خوشخبری دو اور جھگڑالو لوگوں کو اس کے ذریعے ڈر سناؤ۔

اور نزولِ قرآن کے اس مقصد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے یوں بیان کروایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم آپ لوگوں سے یہ فرمائیں:

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ

ترجمہ: اور میری طرف اِس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں اس کے

---

1 ..... بخاری، 3/294، حدیث: 4770۔

www.dawateislami.net

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَؕ (پ7، الانعام:19) ذریعے تمہیں اور جن کو یہ پہنچے انہیں ڈراؤں۔

بشارت و اِنذار کا خاص اوصافِ نبوت میں سے ہونے کا بیان:

بشیر و نذیر اور مبشر و منذر ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے معروف اوصاف میں سے ہے، جسے قرآنِ مجید نے بطورِ خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شان اور پہچان کے طور پر بیان فرمایا، چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ﴿۴۵﴾ (پ22، الاحزاب:45)

ترجمہ: اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔

ایک جگہ فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ﴾ (پ22، الفاطر:24) ترجمہ: اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ خوشخبری دیتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے بھیجا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مرتبۂ اِنذار کی اِنفرادی خصوصیت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مرتبۂ اِنذار کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پوری دنیا ہی کے لئے اس منصب پر فائز ہو کر تشریف لائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ﴾ (پ13، الرعد:7) ترجمہ: ”(اے حبیب!) تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی ہو۔“ اور ایک جگہ اس سے بھی زیادہ وضاحت سے فرمایا:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (پ22، سبا:28)

ترجمہ: اور اے محبوب! ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

بشارتِ وعید سے کون فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

اِس ذِمّہ داری کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ بشارتوں اور وعیدوں سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ ایک طرف اس میں مشیتِ الٰہی کا عمل دَخل ہے کہ جن کی قسمت ہی میں کفر پر اڑے رہنا لکھا ہے وہ کسی بھی صورت ہدایت کی طرف نہیں آئیں گے اور انہیں وعظ و نصیحت اور بشارت و وعید سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا، چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ (پ1، البقرۃ:6)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جن کی قسمت میں کفر ہے ان کے لئے برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

www.dawateislami.net

دوسری طرف بشارت و وعید سے فائدہ اٹھانے کے لئے فرمایا گیا کہ مخاطَبین میں اتباعِ حق کا جذبہ اور خشیتِ الٰہی کا جوہر موجود ہو، چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِۚ-فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِیْمٍ(۱۱) (پ22، یٰس:11)

ترجمہ: تم تو صرف اسے ڈراتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بغیر دیکھے ڈرے تو اسے بخشش اور عزت کے ثواب کی بشارت دو۔

اور فرمایا:

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَؕ (پ22، الفاطر:18)

ترجمہ: (اے نبی!) تم انہی لوگوں کو ڈراتے ہو جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں۔

اور فرمایا:

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ(۱۸۸) (پ9، الاعراف:188)

ترجمہ: میں تو ایمان والوں کو صرف ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

”میں صرف ڈر سنانے والا ہوں“ جملے میں حصر کیوں؟

قرآنِ مجید میں متعدد جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو فرمایا گیا کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اِس حصر کی وجہ کیا ہے کہ میرا کام تو صرف یہی ڈر سنانا ہے، کچھ اور نہیں؟

جواب یہ ہے کہ یہاں حصر کے اَلفاظ عموماً دو میں سے کسی ایک چیز کے لئے آتے ہیں:

حصر کی پہلی وجہ: ایک تو یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کفار کو جب دنیا یا آخرت کے عذاب کی وعید سناتے تو ان کا کئی مرتبہ یہ مطالبہ ہوتا کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں، وہ عذاب ہم پر لے آئیں، جیسا کہ ایک جگہ کفار کا مطالبہ یوں ذِکر فرمایا:

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ(۳۲) (پ9، الانفال:32)

ترجمہ: اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ اگر یہ (قرآن) ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔

www.dawateislami.net

اِس آیت کے متعلق یہ رِوایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہُ عنہ نے نضر بن حارث کافر سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حق بات اِرشاد فرماتے ہیں۔ نضر بن حارث نے کہا: میں بھی سچی بات کہتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہُ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہتے ہیں۔ نضر بن حارث نے کہا: میں بھی "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہتا ہوں لیکن (اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ) یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ پھر نضر بن حارث کافر نے دعا مانگی کہ اے اللہ! جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) لائے ہیں اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ نضر بن حارث وہ بدبخت کافر ہے کہ جس کی مذمت میں قرآنِ پاک کی دس آیات نازل ہوئیں اور غزوۂ بدر کے دن سرکارِ عالی وقار صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔[1] اور ایک روایت کے مطابق یہ دعا ابو جہل نے مانگی تھی۔[2] اس طرح کے مطالبات کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ کافروں سے کہہ دیں کہ عذابِ الٰہی لے آنا اور اسے واقع کر کے تمہیں ہلاک کر دینا میرا کام نہیں، بلکہ میرا کام صرف تمہیں عذابِ الٰہی سے خبر دار کرنا ہے جبکہ عذاب دینا خدا کا کام ہے۔

قیامت کے متعلق کافروں کے بے جا سوالات و مطالبات:

اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم قیامت کے متعلق بتاتے اور اس کے ہولناک دن، واقعات اور عذاب سے ڈراتے تو کفار کہتے کہ ہمیں وہ دن بتاؤ، جس دن قیامت آئے گی، جیسا کہ آیتِ مبارکہ ہے: ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۲۵﴾ (پ29، الملک:25) ترجمہ: "اور وہ کہتے ہیں: یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ)۔" اس طرح کی باتوں کے جواب میں متعدد جگہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی جواب دیا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، تم ان کافروں کو جواب دو کہ میرا کام صرف یہ ہے کہ تمہیں تمہاری آخرت کے مستقبل کے متعلق خبر دار کروں اور قیامت کی ہولناکیوں پر متنبہ کروں تاکہ اس وقت کے آنے سے پہلے تم توبہ کر لو، اپنی اِصلاح کر کے خدا کے عذاب سے بچ جاؤ۔ قیامت کا متعین وقت بتانا میری ذمہ داری نہیں ہے، اسے تم علمِ الٰہی کے حوالے ہی رہنے دو، بس اپنی اصلاح کی طرف توجہ دو۔ چنانچہ اس جواب کو یوں بیان فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲۶﴾ (پ29، الملک:26)

---

1 ..... خازن، پ10، الانفال، تحت الآیۃ: 32، 2/192-193۔

2 ..... بخاری، 3/229، حدیث: 4648۔

www.dawateislami.net

ترجمہ: تم فرماؤ: یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

حصر کی دوسری وجہ: کفارِ مکہ نے مختلف مواقع پر مختلف مطالبات کئے، مثلاً یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ کے نبی ہیں تو ان پر حضرت صالح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے دسترخوان کی طرح نشانیاں کیوں نہیں اُتریں؟ ایسے لوگوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، ان لوگوں کو یہ جواب دیں کہ نشانیاں تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور وہ حکمت کے مطابق جو نشانی چاہتا ہے نازل فرماتا ہے جبکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ میں نافرمانی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا واضح طور پر بتادوں اور میں اسی کا پابند ہوں۔ قرآنِ مجید نے اس پوری صورتِ حال کو یوں بیان فرمایا:

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۵۰ (پ21، العنکبوت:50)

ترجمہ: اور کفار نے کہا: اس (محمد) پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں؟ تم فرماؤ: نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

اور ایک جگہ فرمایا:

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ (پ13، الرعد:7)

ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں: ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟ (اے حبیب!) تم تو ڈر سنانے والے ہو۔

مبلغین کے لئے نصیحت:

اِس میں ان تمام مسلمانوں کے لئے بھی بڑی نصیحت ہے جو لوگوں تک دینِ اسلام پہنچانے میں مصروف ہیں اور نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو سرانجام دے رہے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ ان کاموں کے دوران دل مضبوط رکھیں اور لوگوں کی طرف سے ہونے والی طعن و تشنیع اور طنز و مذاق کو خاطر میں نہ لائیں اور اس وجہ سے یہ کام چھوڑ نہ دیں بلکہ اپنے پیشِ نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو رکھتے ہوئے ان کاموں کو جاری رکھیں، اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدایت کی دعا کرتے رہیں۔

اِشکال:

درج ذیل تین آیات ملاحظہ کریں، پھر اس پر ہونے والے سوال کا جواب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

www.dawateislami.net

(1):﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِیْمٍ(۱۱)﴾(پ22،یٰس:11)
ترجمہ: تم تو صرف اسے ڈراتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بغیر دیکھے ڈرے تو اسے بخشش اور عزت کے ثواب کی بشارت دو۔

(2):﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَؕ﴾(پ22،الفاطر:18) ترجمہ: (اے نبی!) تم انہی لوگوں کو ڈراتے ہو جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں۔

(3):﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ(۱۸۸)﴾(پ9،الاعراف:188) ترجمہ: میں تو ایمان والوں کو صرف ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

اِن آیات پر سوال یہ ہے کہ ”انذار“ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ڈر سنانے کا تعلق صرف ”متبعین، خاشعین اور مؤمنین“ سے بیان کیا گیا ہے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تو تمام انسانوں کے لیے نذیر ہیں اور آپ کے اِنذار سے کافر بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، تو پھر اِن آیات میں اہلِ ایمان یا خاشعین کی تخصیص کیوں ہے؟

اِس کا مختصر جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر ہیں۔ خاشعین و غیر خاشعین، متبعین و غیر متبعین، مؤمنین و کفار، سب کے لیے آپ کا انذار فرمانا عام ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ آپ کا انذار کن کے حق میں نفع بخش ہے اور کن کے حق میں نہیں، اِس سے فرق واقع ہوتا ہے۔ جو لوگ آپ کے اِنذار سے نفع اٹھاتے ہیں اور راہِ ہدایت پر آتے ہیں، وہ متبعین، خاشعین، اہلِ ایمان یا وہ کفار کہ جو انذار سے فائدہ اٹھا کر اہلِ ایمان میں سے ہو جائیں گے، اُن سب کے لیے آپ کا انذار نافع ہے اور وہ کافر جو کسی صورت میں ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے، اُن کے لیے آپ کا انذار فرمانا اگرچہ ثابت اور آپ کی اپنی ذات کے حق میں باعثِ ثوابِ عظیم ہے لیکن خود اُن محروم لوگوں کے حق میں نافع نہیں تو وہاں انذار کی نفی سے مراد اِنذار کے نفع بخش ہونے کی نفی ہے۔

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ آپ لوگوں کو خدا کے غضب اور جہنم کے عذاب کی خبریں دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے عقائد و اَعمال کی اِصلاح کر لیں۔

(2) حضرت آدم علیہ السّلام نے زمین پر اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دینِ حق کی تعلیم دی، اس لئے شروع

www.dawateislami.net

میں سب ایک ہی دین کے پیروکار تھے، پھر حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی آمد سے پہلے لوگوں کی بڑی تعداد شرک میں پڑ گئی۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو مبعوث فرمایا جو کافروں کی طرف بھیجے جانے والے پہلے رسول ہیں۔

(3) تبشیر واِنذار (یعنی خوشخبری دینا اور ڈر سنانا) تمام اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کا وصفِ مشترک رہا ہے بلکہ اِنذار یعنی برے انجام سے بچانے کے لئے ڈر کی سچی خبریں دینے کا وصف اس قدر عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے لئے اس وصف کو رسول و نبی کے الفاظ کے تقریباً مترادف کے طور پر قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

(4) اَنبیاءِ کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کی بشارتوں اور وعیدوں کے ساتھ تشریف آوری کی حکمت یہ ہے کہ خداوند کریم کسی قوم کو سمجھانے سے پہلے انہیں عذاب نہیں دیتا۔

(5) بشارت واِنذار کے ذریعے کافروں پر اپنی حجت پوری کر دی اور اب قیامت کے دن کافر یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ اے اللہ، ہماری طرف تو کوئی رسول آیا ہی نہیں جو ہمیں سمجھاتا اور ڈراتا۔ اگر تیری طرف سے کوئی رسول آیا ہوتا تو ہم ضرور اس پر ایمان لاتے۔

(6) نجات کی سب سے بنیادی شرط ایمان ہے۔ اس کے بغیر رشتے داری، تعلق اور کوئی شے کام نہیں آئے گی، البتہ ایمان ہو اتو رشتے داری کا فائدہ ہو سکتا ہے۔

(7) بشارت و وعید سے فائدہ اٹھانے کے لئے فرمایا گیا کہ مخاطَبین میں اتباعِ حق کا جذبہ اور خشیتِ الٰہی کا جوہر موجود ہونا ضروری ہے۔

(8) کافروں کا طریقہ یہ تھا کہ دنیا کے عذاب، آخرت کی ہولناکی اور قیامت کے وقوع کے متعلق جب انہیں ڈرایا اور سمجھایا جاتا تو کئی مرتبہ وہ کہتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں، وہ عذاب ہم پر لے آؤ۔ کفار کی اس جرأت و جہالت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو فرمایا کہ تم ان کافروں کو جواب دو کہ میرا کام صرف یہ ہے کہ تمہیں تمہاری آخرت کے متعلق خبردار کروں اور قیامت کی ہولناکیوں پر متنبہ کروں۔ قیامت کا متعین وقت بتانا میری ذمہ داری نہیں ہے۔

(9) نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمام اِنسانوں کے لیے بشیر و نذیر ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ جو لوگ آپ کے اِنذار

www.dawateislami.net

سے نفع اٹھاتے ہیں اور راہِ ہدایت پر آتے ہیں اُن سب کے لیے آپ کا انذار نافع ہے اور وہ کافر جو کسی صورت میں ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے اُن کے لیے آپ کا انذار فرمانا اگرچہ آپ کی اپنی ذات کے حق میں باعثِ ثوابِ عظیم ہے، لیکن دوسرے محروم لوگوں کے حق میں نافع نہیں تو وہاں انذار کی نفی سے مراد، اِنذار کے نفع بخش ہونے کی نفی ہے۔

محاسبہ:

لوگوں کو عذابِ آخرت کی خبریں سنانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے فرائضِ منصبی میں بنیادی ذِمّہ داری تھی۔ ہم پر اِس اِنذار کا کتنا اثر ہوا؟ آیئے خود سے پوچھتے ہیں۔

(1) ہمارے دلوں میں قیامت، آخرت اور جہنم کا کتنا خوف ہے؟

(2) ہمارے دلوں میں قیامت کے دن اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں جواب دہی کا کتنا ڈر ہے؟

(3) کیا ہمارا نامہ اعمال ایسی نیکیوں سے مالا مال ہے کہ ہم بروزِ قیامت سرخرو ہونے کی امید رکھ سکیں؟

(4) نماز، روزہ وغیرہ فرائضِ الٰہیہ میں حقوق اللہ کی ادائیگی کے متعلق ہماری عملی حالت کیا ہے؟

(5) حقوق العباد کی ادائیگی یعنی ماں باپ، رشتے داروں، پڑوسیوں، عام لوگوں سے تعلقات و معاملات اور ملنے جلنے میں کس قدر خدا خوفی کی جھلک ہماری زندگی میں نظر آتی ہے؟

(6) کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنتِ اِنذار (یعنی خدا کے عذاب سے خبردار کرنے کی سنت) پر عمل کرتے ہوئے اپنی بیوی بچوں اور اہلِ خانہ میں خوفِ خدا پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(7) انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام پوری زندگی خوفِ خدا اور فکرِ روزِ جزا کی تبلیغ فرماتے رہے، کیا ہم میں بھی نیکی کی دعوت کا ایسا جذبہ نظر آتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں تبلیغِ دین کا شوق اور آخرت کا خوف نصیب فرمائے، آمین۔



www.dawateislami.net

آیت نمبر:14 معبودِ برحق اور معبودانِ باطلہ کا فرق

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

(پ17، الحج:73-74)

ترجمہ: اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے تو اسے کان لگا کر سنو، بیشک اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ ہر گز ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکیں گے اگرچہ سب اس کیلئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں گے۔ کتنا کمزور ہے چاہنے والا اور وہ جسے چاہا گیا۔ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کا حق ہے، بیشک اللہ قوت والا، غلبے والا ہے۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! شرک کی شناعت و قباحت اور بت پرستوں کی کم عقلی بتانے کے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اُسے توجہ سے سنو اور سمجھو۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، اگر وہ سب اکٹھے ہو جائیں اور ایک چھوٹی سی مخلوق "مکھی" بھی پیدا کرنا چاہیں تو ہر گز نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو دَر کنار، اُن کی بے بسی کا حال یہ ہے کہ اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ سب مل کر بھی اُس سے نہیں چھڑوا سکتے۔ مشرکین بتوں کے سامنے مٹھائیاں اور کیا کچھ رکھتے ہیں اور مکھیاں اُن بتوں کے سامنے سے وہ سب اٹھا لے جاتی ہیں اور بت اِس پر بھی قادر نہیں کہ اُس مکھی سے واپس لے سکیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بے عقل بت پرست اور اِن کے جھوٹے معبود، دونوں کتنے ہی عاجز، بے بس اور کمزور ہیں۔ اِن نادان بت پرستوں اور اِحسان فراموشوں پر افسوس ہے کہ انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی، جیسا اُس کی قدر کا حق تھا، کہ بے بس اور بے شعور پتھروں کو عظیم الشان قدرت والے خدا کے برابر سمجھ لیا۔ العیاذ باللہ

آیت پر تفصیلی کلام:

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗؕ﴾ اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے تو اسے کان لگا کر سنو۔

اِس آیت میں ایک مثال کے ذَریعے بتوں کی عبادت کا باطل ہونا بیان کیا جا رہا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو!

www.dawateislami.net

ایک مثال بیان کی گئی ہے، تو اسے کان لگا کر سنو اور اس میں خوب غور کرو، وہ مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے بجائے جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان کے عاجز اور بے قدرت ہونے کا یہ حال ہے کہ وہ ہر گز ایک اِنتہائی چھوٹی سی چیز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اگرچہ سب مکھی پیدا کرنے کے لئے جمع ہو جائیں تو عقلمند انسان کو یہ کب زیبا دیتا ہے کہ وہ ایسے عاجز اور بے قدرت کو معبود ٹھہرائے، ایسے کو پوجنا اور معبود قرار دینا کتنی شدید جہالت ہے۔ پھر بتوں کی مزید بے بسی اس سے واضح ہے کہ اگر کوئی مکھی بتوں سے وہ شہد و زعفران وغیرہ چھین کر لے جائے جو مشرکین بتوں کے منہ اور سروں پر ملتے ہیں اور ان پر مکھیاں بیٹھتی ہیں تو وہ بت مکھی سے شہد و زعفران چھڑا نہ سکیں گے تو ایسے بے بس کو خدا بنانا اور معبود ٹھہرانا کتنا عجیب اور عقل سے دور ہے۔[1]

قرآن کا مرکزی ترین موضوع توحید و شرک:

توحید کی حقانیت اور شرک کا اِبطال قرآنِ مجید کا سب سے مرکزی موضوع ہے اور دُنیا میں جب سے شرک نمودار ہوا تب سے یہ دُنیا کے تمام خطوں میں کسی نہ کسی طور پر موجود ہے خواہ بت پرستی کی صورت میں ہو یا مظاہر پرستی کے طور پر یعنی سورج، چاند، ستاروں اور آگ وغیرہ کی عبادت کی صورت میں، یونہی جنوں اور فرشتوں کی پوجا کے طور پر ہو یا صالحین کے بت بنا کر پوجنے کی صورت میں۔

خدا کا وجود اور اس کا معبود ہونا، کائنات کی سب سے بڑی اور عظیم حقیقت ہے اور اس کا اِنکار کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ اور بدترین جرم ہے۔ اس لئے قرآنِ مجید نے اس موضوع پر بہت کثرت سے مختلف انداز میں کلام کیا ہے اور خدا کی قدرت اور بتوں کی بے بسی، خدا کی عظمت اور بتوں کی بے وقعتی کو بار بار بیان فرمایا ہے اور قرآن کا بیان کردہ تقابل نہایت دِل نشین اور عام فہم ہے کہ معمولی سی سمجھ والا بھی توحید و شرک اور معبودِ حقیقی و معبودانِ باطلہ کا فرق بہت عمدگی سے سمجھ لیتا ہے۔ آیئے قرآن کے عقلوں کو متوجہ کرنے اور دِلوں میں اتر جانے والے عقلی و فطری اُسلوبِ تقابل کی چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

توحید و شرک کے تقابل کی پہلی مثال:

ایک مقام پر بتوں کی بے بسی کو اِسی طرح کی مثال کے ذریعے بیان فرمایا جیسے اوپر والی آیت میں بیان ہوا، چنانچہ فرمایا:

---

1 ..... خازن، پ17، الحج، تحت الآیۃ: 73، 3/317، جلالین، پ17، الحج، تحت الآیۃ: 73، ص286 ملتقطاً۔

www.dawateislami.net

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِۚ-اِتَّخَذَتْ بَیْتًاؕ-وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِۘ-لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۝۴۱ (پ20، العنکبوت:41)

ترجمہ: جنہوں نے اللہ کے سوا اور مددگار بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے، جس نے گھر بنایا اور بیشک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ جانتے۔

مُراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے بتوں کو معبود بنا کر ان سے امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں ان کی مثال اس مکڑی کی طرح ہے جس نے اپنے رہنے کے لئے جالے سے گھر بنایا ہے جو کہ انتہائی کمزور ہے، یہ گھر نہ اس سے گرمی دور کر سکتا ہے نہ سردی، نہ گرد و غبار اور نہ بارش، الغرض کسی چیز سے اس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ یہی حال بت پرستوں کا ہے کہ انہوں نے بتوں کو اپنے لئے نفع ملنے اور نقصان سے بچنے کا ذریعہ سمجھا ہوا ہے حالانکہ جیسے مکڑی کا جالا کمزور اور بے نفع ہے، ایسے ہی یہ بت بھی کمزور اور بے نفع ہیں کہ اپنے پجاریوں کو کوئی نفع پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

توحید و شرک کے تقابل کی دوسری مثال:

مشرک و مومن کا تقابل دِکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍؕ-هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًاؕ-اَلْحَمْدُ لِلّٰهِؕ-بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۲۹ (پ23، الزمر:29)

ترجمہ: اللہ نے ایک غلام آدمی کی مثال بیان فرمائی جس میں کئی بد اخلاق آقا شریک ہوں اور ایک ایسا غلام مرد ہو جو خالص ایک ہی کا غلام ہو۔ کیا دونوں کا حال ایک جیسا ہے؟ سب خوبیاں اللہ کیلئے ہیں بلکہ ان میں اکثر نہیں جانتے۔

معنی یہ ہے کہ اے لوگو، تم اس مرد کے بارے میں غور کرو جو کئی بد اَخلاق مالکوں کا غلام ہو اور ہر مالک اسے اپنے اپنے کام بتائے اور نتیجے میں غلام حیران و پریشان ہو کہ کس کا حکم مانے اور کس کا چھوڑے اور کیسے اپنے تمام آقاؤں کو راضی کرے۔ نیز اگر اس غلام کو کوئی حاجت پیش آئے تو کس آقا سے کہے؟ الغرض کام کرنے میں بھی پریشان اور کام کروانے میں بھی حیران و ناکام۔ دوسری طرف وہ مرد ہو جو ایک ہی آقا کا غلام ہو، وہ اخلاص کے ساتھ اس کی خدمت کر کے اسے راضی کر سکتا ہے اور جب کوئی حاجت پیش آئے تو اسی سے عرض کر سکتا ہے، اس کو کوئی پریشانی پیش نہیں آتی۔ اس تقابل کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ ذرا غور کرو کہ ان دونوں غلاموں میں سے کس کا حال اچھا ہے؟ بہت سے مالکوں کے پریشان حال غلام کا یا ایک مالک کے مطمئن و خوش حال غلام کا؟ جواب واضح ہے کہ یقیناً اسی غلام کا حال اچھا ہے جو صرف

www.dawateislami.net

ایک آقا کا غلام ہے۔ یہی حال مومن اور کافر کا ہے کہ مومن ایک مالک کا بندہ ہے، اسی کی عبادت کرتا ہے اس لئے اس کا حال اچھا ہے جبکہ مشرک بہت ساروں کے غلام کی طرح ہے کہ اس نے بہت سے معبود قرار دے دیئے ہیں اس لئے اس کا حال برا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

توحید و شرک کے تقابل کی تیسری مثال:

ایک اور آیت میں اسی طرح کے تمثیلی انداز میں شرک کی قباحت سمجھائی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص انتہائی بلندی سے زمین پر گر پڑے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ پرندے اس کی بوٹی بوٹی نوچ کر لے جاتے ہیں یا پھر ہوا اس کے اَعضا دُور کسی وادی میں پھینک دیتی ہے اور یہ ہلاکت کی ایک بدترین صورت ہے۔

اسی طرح جو شخص شرک کرتا ہے وہ ایمان کی بلندی سے کفر کی وادی میں گر پڑتا ہے، پھر بوٹی بوٹی لے جانے والے پرندے کی طرح نفسانی خواہشات اس کی فکروں کو مُنتَشر کر دیتی ہیں یا ہوا کی طرح آنے والے شیطانی وسوسے اسے گمراہی کی وادی میں پھینک دیتے ہیں اور یوں شرک کرنے والا اپنے آپ کو بدترین ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ اب آیت ملاحظہ کریں:

وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ﴿۳۱﴾ (پ17، الحج:31)

ترجمہ: اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ گویا آسمان سے گر پڑا تو اسے پرندے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور کی جگہ پھینک دیتی ہے۔

خداوندِ کریم کی عظمت و قدرت اور بتوں کی بے وقعتی اور بے بسی:

خدا کی قدرت اور بتوں کی بے بسی، خدا کی عظمت اور بتوں کی بے وقعتی، توحید و شرک اور معبودِ حقیقی و معبودانِ باطلہ کا فرق سمجھنے کے لئے قرآنِ مجید کی درج ذیل آیات بھی بہت خوبصورت اور مؤثر ہیں:

ایک جگہ خدا کی قدرت و ملکیت اور بتوں کی ناکاری و محتاجی کو یوں بیان فرمایا:

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۪ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۪ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور سورج اور چاند کو اس نے کام میں لگا دیا۔ ہر ایک مقررہ میعاد

www.dawateislami.net

رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ؕ(۱۳) اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ؕ(۱۴) (پ22، الفاطر:13-14)

تک چلتا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں۔ اگر تم ان سے دعا کرو تو وہ تمہاری دعا نہیں سنیں گے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری دعا قبول نہیں کرسکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کردیں گے اور باخبر (خدا) کی طرح تجھے کوئی نہ بتائے گا۔

خدا کی شانِ تخلیق اور بتوں کا تقابل:

فرمایا:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ (پ26، الاحقاف:4)

ترجمہ: تم فرماؤ: بھلا بتاؤ تو کہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ذرہ بنایا ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے؟

ایک اور مقام پر اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق بیان کرکے فرمایا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ؕ(۱۰) هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ (پ21، لقمان:10-11)

ترجمہ: اس نے آسمانوں کو ان ستونوں کے بغیر بنایا جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں لنگر ڈال دیئے تاکہ زمین تمہیں لے کر ہلتی نہ رہے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین میں ہر نفیس قسم کا جوڑا اگایا۔ یہ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے تو (اے مشرکو!) تم مجھے کوئی ایسی چیز دکھاؤ جو اللہ کے سوا اوروں نے بنائی ہو۔

بتوں کے ناکارہ و عاجز ہونے کا بیان:

بتوں کی حالت کیا اور ان کی عدمِ قدرت کی اِنتہا کیسی ہے، اس کے متعلق فرمایا:

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ۚ(۱۹۱) وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ(۱۹۲) وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ

ترجمہ: کیا وہ اسے (اللہ کا) شریک بناتے ہیں جو کوئی چیز نہیں بنا سکتا اور خود انہیں بنایا جاتا ہے۔ اور نہ وہ ان کی کوئی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی جانوں کی مدد کرسکتے ہیں۔ اور اگر تم انہیں رہنمائی کرنے

www.dawateislami.net

عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴿۱۹۳﴾ (پ9، الاعراف:191 تا193)

کے لئے بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے۔ تم پر برابر ہے کہ تم انہیں پکارو یا تم خاموش رہو۔

اور فرمایا:

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَ تَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴿۱۹۸﴾ (پ9، الاعراف:197-198)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم انہیں رہنمائی کرنے کے لئے بلاؤ تو وہ نہ سنیں گے اور تم انہیں دیکھو (تو یوں لگے گا) کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

ایک جگہ بیان فرمایا:

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ﴿۵﴾ (پ26، الاحقاف:5)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کی بجائے ان بتوں کی عبادت کرے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں گے اور وہ ان کی پوجا سے بے خبر ہیں۔

مزید فرمایا:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ (پ22، الفاطر:14)

ترجمہ: اگر تم ان سے دعا کرو تو وہ تمہاری دعا نہیں سنیں گے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری دعا قبول نہیں کر سکتے۔

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴿۷۳﴾﴾ کتنا کمزور ہے چاہنے والا اور وہ جسے چاہا گیا۔

آیت کے اس حصے میں چاہنے والے سے بت پرست اور چاہے ہوئے سے بت مراد ہے، یا چاہنے والے سے مکھی مراد ہے جو بت پر سے شہد و زعفران کی طالب ہے اور مطلوب سے بت مراد ہے۔[1] بتوں کے متعلقہ آیات کو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں پر لاگو کرنا، حرام ہے۔

یاد رہے کہ اِس آیت کا تعلق اَنبیاء علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام اور اَولیاءِ کرام رحمۃُ اللہِ علیہم سے نہیں ہے، کیونکہ یہ ہستیاں عاجز

1 ..... خازن، پ17، الحج، تحت الآیۃ:73، 3/317۔

www.dawateislami.net

اور بے بس نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت اور قدرت سے مخلوق کو نفع پہنچانے اور ان سے نقصان دور کرنے کا اِختیار رکھتے ہیں، حتی کہ ان میں سے بعض کو مُردوں کو زندہ کرنے کی قدرت بھی عطا ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا یہ دعویٰ و فرمان خود قرآنِ پاک میں موجود ہے کہ

اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِۚ (پ3، اٰلِ عمران:49)

ترجمہ: میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک ماروں گا تو وہ اللہ کے حکم سے فوراً پرندہ بن جائے گی اور میں پیدائشی اندھوں کو اور کوڑھ کے مریضوں کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

بے اِختیاری کے متعلق آیات بتوں کے بارے میں ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کے اَنبیاء علیہمُ السّلام اور اَولیاء رحمۃُ اللہِ علیہم پر چسپاں کرنا، خارجیوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کا کام ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہ ان آیات کو مسلمانوں پر جوڑ دیتے ہیں۔[1]

دوسری آیت کا پہلا حصہ: ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ﴾ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کا حق ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے عاجز و بے بس اور مکھی سے بھی کمزور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ویسی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کا حق ہے اور اس کی عظمت نہ پہچانی، حقیقی معبود وہی ہے جو کامل قدرت رکھے اور بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبے والا ہے۔[2]

ایک اور آیت میں کافروں کا اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنے کے متعلق فرمایا:

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (پ24، الزمر:67)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن ساری زمین اس کے قبضے میں ہو گی اور اس کی قدرت سے تمام آسمان لپیٹے ہوئے ہوں گے اور وہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔

---

1 ..... بخاری، 4/380، تحت الباب: قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیھم۔

2 ..... مدارک، پ17، الحج، تحت الآیۃ:74، ص749۔

www.dawateislami.net

یعنی اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، جو مشرکین آپ کو بتوں کی پوجا کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنے کا حق تھا، اسی وجہ سے وہ شرک میں مبتلا ہوئے، اگر وہ عظمتِ الٰہی سے واقف ہوتے اور اس کا مرتبہ پہچانتے تو ایسا کیوں کرتے! اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین اس کے قبضے میں ہوں گی اور اس دن کوئی بھی زمین کے کسی حصے پر اپنی ظاہری مِلکیَّت کا دعویٰ نہ کر سکے گا اور اس کی قدرت سے تمام آسمان لپیٹے ہوئے ہوں گے۔[1]

آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بھی ملاحظہ کریں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما سے روایت ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو لپیٹ کر اپنے دستِ قدرت میں لے گا، پھر فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ۔ کہاں ہیں جبّار؟ کہاں ہیں مُتکبّر؟ ملک و حکومت کے دعویدار؟ پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے دوسرے دستِ قدرت میں لے گا اور یہی فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟[2]

مذکورہ بالا مضمون سے توحید کی عظمت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ توحید کا موضوع بہت وسیع اور اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ عام فہم انداز میں توحید اور اس کے متعلقات کے بارے میں اسلامی عقائد کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ عقائد کی کتابوں میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہُ عنہ کی کتاب ”فقہ اکبر“ کو بہت شہرت و فوقیت حاصل ہے۔ اسی کتاب سے توحید کے متعلق چند بنیادی عقائد نقل کئے جاتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: توحید کی وہ بنیاد جس پر اس عقیدہ کی مستحکم عمارت استوار ہو، اس کے لیے (زبان سے) یہ کہنا ضروری ہے کہ میں اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر، ہر اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (مقدر) ہونے پر، روزِ جزا اور سزا پر، میزانِ عدل اور جنت اور جہنم پر ایمان لایا۔ اور (دل سے یہ تسلیم کرنا کہ) یہ تمام باتیں حق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے، لیکن گنتی کے اِعتبار سے نہیں بلکہ اس اِعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ وہ اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے کسی بھی چیز کی مانند اور مشابہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی پیدا کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز اس کی مانند اور مشابہ ہے۔ وہ اپنے اَسمائے حسنیٰ اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ اَزل سے ہے

---

1 ..... تفسیر طبری، پ24، الزمر، تحت الآیۃ:67، 11/23 تا27ملتقطاً۔ تفسیر روح البیان، پ24، الزمر، تحت الآیۃ:67، 8/134 تا135ملتقطاً۔

2 ..... بخاری، 4/533، حدیث:7382۔ مسلم، ص1149، حدیث:7050۔

www.dawateislami.net

اور اَبد تک رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں: اس کا زندہ ہونا، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کا کلام، اس کا سننا، اس کا دیکھنا اور اس کا اِرادہ۔ جبکہ اس کی فعلی صفات میں اس کی صفتِ تخلیق، اس کا رازق ہونا، اس کی صفات انشاء، ابداع اور صنعت گری وغیرہ جیسی وہ صفات شامل ہیں جن سے اس کا فعّال ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اپنی ان جملہ صفات اور اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اَزل سے ہے اور اَبد تک رہے گا، اور اس کی کوئی بھی صفت یا نام حادث نہیں ہے۔[1] اس کی تمام صفات مخلوقات کی صفات سے ممتاز اور جدا ہیں۔ وہ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح نہیں، وہ قدرت رکھتا ہے لیکن ہماری قدرت کی طرز پر نہیں، وہ دیکھتا ہے لیکن ہمارے دیکھنے کے اَنداز میں نہیں، وہ بولتا ہے لیکن ہمارے بولنے کے طریقے پر نہیں، وہ سنتا ہے لیکن ہمارے سننے کے طریقے پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اَشیاء کو عدم سے وجود میں لایا اور ان اَشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اَزل سے ان کے بارے میں پورا پورا علم رکھتا تھا۔ اسی نے ان اَشیاء کو مقدر فرمایا اور انہیں اتمام تک پہنچایا۔

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں ایک مثال کے ذَریعے بت پرستی کا بطلان، بتوں کی بے بسی اور بت پرستوں کی جہالت و حماقت کو واضح کیا گیا ہے۔

(2) عقیدۂ توحید کا اِثبات اور شرک کا اِبطال قرآن کا سب سے مرکزی موضوع ہے۔ خدا کا وجود اور اس کا معبود ہونا، کائنات کی سب سے بڑی اور عظیم حقیقت ہے اور اس کا اِنکار کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ اور بدترین جرم ہے۔ اس لئے قرآنِ مجید نے اِس موضوع پر بہت کثرت سے مختلف اَنداز میں کلام کیا ہے اور بار بار خدا کی قدرت اور بتوں کی بے بسی، خدا کی عظمت اور بتوں کی بے وقعتی کو بیان فرمایا ہے۔

(3) دُنیا میں جب سے شرک نمودار ہوا تب سے یہ دُنیا کے مختلف خطوں میں کسی نہ کسی طور پر موجود ہے، خواہ بت پرستی کی صورت میں ہو یا مظاہر پرستی کے طور پر یعنی سورج، چاند، ستاروں اور آگ وغیرہ کی عبادت کی صورت میں، یونہی جنوں اور فرشتوں کی پوجا کے طور پر ہو یا صالحین کے بت بنا کر پوجنے کی صورت میں۔

(4) بیان کردہ آیت بتوں کے بارے میں ہے اور اس میں ان کا عاجز اور بے بس ہونا بیان کیا گیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ

---

1 ..... شرح فقہ اکبر، ص25-41 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

کے اَنبیاء علیہمُ السّلام اور اَولیاء رحمۃُ اللہِ علیہم پر چسپاں کرنا خارجیوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کا کام ہے اَنبیاء علیہمُ السّلام، فرشتے اور اَولیاء رحمۃُ اللہِ علیہم، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اِجازت وقدرت سے مخلوق کو نفع پہنچاتے اور ان سے نقصان دور کرتے ہیں حتّٰی کہ ان میں سے بعض کو مُردوں کو زندہ کرنے کی قدرت بھی عطا ہوتی ہے۔

محاسبہ:

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اِثبات اور معبودانِ باطلہ کا رَد و اِبطال، قرآنِ حکیم کا مرکزی موضوع ہے۔ الحمد للہ ہم اہلِ ایمان اِس بنیادی عقیدے کو ماننے والے ہیں لیکن اِس بنیادی تصدیق و معرفت سے آگے بھی کچھ مرحلے ہیں۔ آیئے، اُن مراتبِ معرفت کے حوالے سے اپنی کیفیت کا جائزہ لیں

(1) ہم جس ذات کی یکتائی کو جانتے اور مانتے ہیں، کیا اُس ہستی کی زیادہ سے زیادہ معرفت کا شوق رکھتے ہیں؟

(2) اگر شوقِ معرفت موجود ہے تو عملاً کتنی کوشش کرتے ہیں؟

(3) قرآنِ مجید معرفتِ الٰہی کا سب سے بڑا خزانہ ہے؟ کیا حصولِ معرفت کے لئے قرآنِ مجید کو سمجھ کر پڑھنے کا ہمارا معمول ہے؟

(4) کیا ہم اللہ والوں کی بارگاہوں میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی رَبوبیت اور وحدانیت کے اسرار جاننے اور سمجھنے کی تمنا رکھتے ہیں؟

(5) کائنات میں خدا کی قدرتوں کے بے پناہ شاہکار ہیں مثلاً آسمان و زمین، بادل پہاڑ، پانی دریا سمندر اور درخت وغیرہا۔ کیا ہم حکمِ قرآنی پر عمل کرتے ہوئے، خالصتاً معرفتِ الٰہی میں اِضافے کی نیت سے ان اَشیاء میں غور کرتے ہیں؟

(5) کیا ایمانی غیرت اور خدا کی محبت کی وجہ سے ہم خدا کے منکروں اور دُشمنوں کو دِل سے ناپسند کرتے ہیں؟

(6) کیا ہم جدیدیت، سیکولرازم، لبرل ازم اور اِنسانیت جیسے پُر فریب اَلفاظ کے نام پر دُشمنانِ خدا سے دوستیاں اور یارانے پالنے والے تو نہیں؟

(7) جو لوگ بتوں کی بے بسی کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو اللہ کے پیارے بندوں (نبیوں اور ولیوں) پر چسپاں کرتے ہیں، کیا ایسے لوگوں کی صحبت سے ہم خود کو دور رکھتے ہیں؟ اور ایسوں کی باتیں سننے سے خود کو بچاتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ کامل، دولتِ معرفت، دِینی غیرت، اسلامی حمیت، علم کی نعمت اور آخرت کی نجات عطا فرمائے، آمین۔

www.dawateislami.net

آیت نمبر:15 خوفِ خدا اور فکرِ روزِ جزا کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْــٴًـا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

(پ21، لقمان:33)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بچہ اپنے باپ کو کچھ نفع دینے والا ہو گا۔ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو دنیا کی زندگی ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے اور ہر گز بڑا دھوکا دینے والا تمہیں اللہ کے علم پر دھوکے میں نہ ڈالے۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! تم ہر حالت میں اپنے رب سے ڈرو، شرک اور نافرمانی سے بچو اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے یا بیٹا اپنے باپ کے کسی کام نہیں آئے گا، بلکہ ہر طرف "نَفْسِی نَفْسِی" کا عالَم ہو گا اور یاد رکھو! یہ دن ضرور آنے والا ہے، یہ خدا کا وعدہ ہے اور بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اگر تمہیں خدا کے وعدے پر یقین ہے تو شیطان کے دھوکے میں نہ پڑو، یوں کہ دُنیا کی زندگی اور اِس کی فانی آرائش و نمائش تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور مکّار شیطان تمہیں لمبی اُمیدوں اور آرزوؤں میں مبتلا کر کے اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈالے کہ اللہ تم کو عذاب نہ دے گا، جیسا کہ کفار کہتے ہیں۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْــٴًـا ؕ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بچہ اپنے باپ کو کچھ نفع دینے والا ہو گا۔

یعنی اے اہلِ مکہ! اپنے رَب عزوجل سے ڈرو اور قیامت کے دِن سے خوف کرو جس دن ہر انسان نفسی نفسی کہتا ہو گا اور باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آسکے گا، نہ کافروں کی مسلمان اولاد انہیں فائدہ پہنچا سکے گی، نہ مسلمان ماں باپ کافر اولاد کو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور ایسا دن ضرور آنا اور دوبارہ زندہ ہونے، اَعمال کا حساب لئے جانے اور ان کی

www.dawateislami.net

جزا ملنے کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے تو دُنیا کی زندگی، تمہیں ہر گز دھوکا نہ دے جس کی تمام نعمتیں اور لذتیں فانی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان نعمتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہو کر ایمان کی نعمت سے محروم رہ جاؤ۔ یونہی شیطان کے متعلق بہت ہوشیار رہو کہ وہ بہت بڑا فریبی ہے۔ تو وہ بڑا دھوکا دینے والا، دور دراز کی اُمیدوں میں ڈال کر تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈال دے اور تمہیں گناہوں میں مبتلا نہ کر دے۔[1]

یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد:

اِس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد کا بھی رَد ہے کہ یہودی کہتے تھے: ہم پیغمبروں کی اَولاد ہیں اس لیے ہمیں کوئی عذاب نہ دیا جائے گا، جبکہ عیسائی یہ کہتے تھے: حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا ہے اس لیے ہمیں بھی کچھ نہیں ہو گا۔ مشرکوں کے علاوہ ان سب کو بھی بتا دیا گیا کہ عقیدے کی درستی کے بغیر کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا، ہاں عقیدہ درست ہو تو نیک دوست، نیک والدین اور نیک اولاد سب کی طرف سے فائدہ مُتَوَقّع ہے۔

قیامت میں رِشتے دار، دوست کام نہیں آئیں گے:

آیت میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن بیٹا باپ کے کام نہیں آئے گا اور باپ بیٹے کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ یہ رِشتوں کے اِعتبار سے سب سے قریبی رِشتہ ہے، جب یہ کام نہیں آئے گا تو بقیہ کیا کام آئیں گے۔ اِس مضمون کو قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر دُہرایا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اِن آیات سے دِل دہل جاتے ہیں۔ چند آیات سنئے اور قیامت کی فکر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ (پ19، الشعراء:88-89)

ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور سلامت دل کے ساتھ حاضر ہو گا۔

ایک جگہ فرمایا:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (پ18، المؤمنون:101)

ترجمہ: تو جب صُور میں پھونک ماری جائے گی تو نہ ان کے درمیان رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے۔

---

1 ..... تفسیر روح البیان، پ21، لقمان، تحت الآیۃ:33، 7/100-101 ملخصاً۔ تفسیر خازن، پ21، لقمان، تحت الآیۃ: 33، 3/474۔ مدارک، پ21، لقمان، تحت الآیۃ: 33، ص922 ملتقطاً۔

www.dawateislami.net

قیامت کے دن کی شدّت اور ہَولناکی کی وجہ سے یہ حال ہو گا کہ کوئی دوست کسی دوست سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تیرا حال کیا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی بات کرے گا کیونکہ اسے تو صرف اپنی ہی جان کی فکر پڑی ہو گی اور یہ اس وجہ سے نہیں ہو گا کہ دوست ایک دوسرے کو دیکھ نہ رہے ہوں گے بلکہ وہ دوست ان دوسرے دوستوں کو دِکھائے جا رہے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن اپنے حال میں ایسے مبتلا ہوں گے کہ نہ اُن سے حال پوچھیں گے اور نہ بات کر سکیں گے۔ اس دن حال یہ ہو گا کہ مجرم آرزو کرے گا، کاش! قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹنے کے بدلے میں مجھ سے میرے (محبوب ترین) بیٹے لے لئے جائیں، اور (زندگی بھر) میرا ساتھ نبھانے والی بیوی لے لی جائے اور دنیا میں (ہر طرح سے) میری مدد کرنے والے میرے بھائی لے لئے جائیں اور میرا وہ کنبہ لے لیا جائے جو مجھے اپنے پاس جگہ دیتا تھا، حتّٰی کہ وہ تمنا کرے گا کہ جتنے لوگ زمین میں ہیں سب اس کے ماتحت ہوں اور وہ ان سب کو فدیے میں دیدے اور پھر یہ بدلہ دینا اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ لَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍۭ بِبَنِیْهِ ﴿۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِ ﴿۱۲﴾ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ﴿۱۳﴾

(پ29، المعارج:10 تا 13)

ترجمہ: اور کوئی دوست کسی دوست سے حال نہ پوچھے گا۔ وہ ان کو دکھائے جا رہے ہوں گے۔ مجرم آرزو کرے گا، کاش! اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے بدلے میں اپنے بیٹے دیدے اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی اور اپنا وہ کنبہ جو اسے پناہ دیتا ہے۔

اور فرمایا:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾

(پ30، عبس:33-37)

ترجمہ: پھر جب وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ آئے گی، اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس دن ایک ایسی فکر ہو گی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا کر دے گی۔

اور فرمایا:

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚۛ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۳﴾

(پ28، الممتحنۃ:3)

ترجمہ: تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمہیں نفع نہ دیں گے، اللہ تمہارے درمیان جدائی کر دے گا اور اللہ تمہارے کام خوب دیکھ رہا ہے۔

www.dawateislami.net

قیامت کی ہولناکیوں سے متعلق قرآنی آیات:

قبول وحفاظتِ ایمان اور اِصلاحِ اعمال کے لئے قیامت کی یاد نہایت مفید ہے اور اکثر لوگوں کی اِصلاح کے لئے سب سے زیادہ مفید موت اور آخرت کی یاد اور فکر ہی ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں بڑی کثرت سے قیامت کی ہولناکیوں، سختیوں اور شدتوں کا بیان فرمایا ہے۔ اِن آیات کا پڑھنا اور ان پر غور کرنا اپنی زندگی کا معمول بنالیں، ان شاء اللہ دل کی نرمی، ایمان کی مضبوطی، گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے محبت نصیب ہوگی۔ قیامت کی ہولناکیوں کے متعلق چند آیات ملاحظہ کریں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾ (پ27، القمر:46)

ترجمہ: بلکہ ان کا وعدہ قیامت ہے اور قیامت سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ کڑوی ہے۔

اور قیامت سے ڈرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (پ1، البقرۃ:48)

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے بدلہ نہ دے گی اور نہ کوئی سفارش مانی جائے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے فرمایا کہ کفارِ مکہ کو قیامت کے دن سے ڈرائیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ (پ24، المؤمن:18)

ترجمہ: اور انہیں قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈراؤ، جب دل گلوں کے پاس آجائیں گے اس حال میں کہ غم میں بھرے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔

روزِ قیامت اہلِ ایمان کے سوا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾ (پ25، الدخان:41-42)

ترجمہ: جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی مگر جس پر اللہ مہربانی فرمائے، بیشک وہی عزت والا، مہربان ہے۔

www.dawateislami.net

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہُ عنہما سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی رشتے کے علاوہ ہر نسبی اور سسرالی رشتہ منقطع ہو جائے گا۔[1]

یاد رہے کہ قیامت کے دن مسلمان کے کافر رشتے دار اور کافر اولاد اس کے کام نہ آئے گی، جبکہ مومن رشتے دار اور مومن اولاد اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۠ ترجمہ: اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے۔ (پ25، الزخرف:67)

اور ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی (جس) اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیا اور اُن (والدین) کے عمل میں کچھ کمی نہ کی۔ (پ27، الطور:21)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا نسب اس وقت بھی فائدہ دے گا جب رشتے منقطع ہو جائیں گے:

یاد رہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا نسب قیامت کے دن مومن سادات کو کام آئے گا۔ یہاں اس سے متعلق اَحادیث ملاحظہ ہوں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری قَرابت نفع نہ دے گی۔ ہر تعلق اور رِشتہ قیامت میں منقطع ہو جائے گا مگر میرا رِشتہ اور تعلق (منقطع نہ ہو گا) کیونکہ دنیا و آخرت میں جڑا ہوا ہے۔[2]

اہلِ بیت کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شفاعت:

امیر المومنین مولیٰ علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہُ الْکَرِیم کی بہن حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہُ عنہا کی بالیاں کسی وجہ سے ایک بار ظاہر ہو گئیں (حالانکہ انہیں چھپانے کا حکم ہے) اس پر ان سے کہا گیا: محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمہیں نہ بچائیں گے۔ وہ

1 ..... معجم اوسط، 3/145، حدیث:4132۔
2 ..... مجمع الزوائد، 8/398، حدیث:13827۔

www.dawateislami.net

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے یہ واقعہ عرض کیا، حضور انور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہلِ بیت کو نہ پہنچے گی؟ بے شک میری شفاعت ضرور "حَا" اور "حَکَمْ" (نامی یمن کے دو قبیلوں) کو بھی شامل ہے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے اہلِ بیت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت اور میری رسالت پر ایمان لائے گا، اسے عذاب نہ فرمائے گا۔[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان سب سے اہم چیز ہے اور اس کے بعد عمل کی بھی بہت ضرورت ہے لیکن حصولِ ایمان کے بعد بہر حال سب سے بہتر حالت یہ ہے کہ بندہ رحمت کی اُمید اور عذاب کے خوف کے درمیان رہے۔ نہ نیکیوں پر فخر کرے اور نہ نسب کو سب کچھ جانے۔ خدا کی بے نیازی کو یاد رکھے اور فضل و کرم کی بھیک مانگتا رہے۔

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ(۳۳)﴾ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو دنیا کی زندگی ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے اور ہر گز بڑا دھوکا دینے والا تمہیں اللہ کے علم پر دھوکے میں نہ ڈالے۔

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کی حیثیت:

دنیا کی زندگی تھوڑی مدت تک کے لئے صرف ایک ناپائیدار نفع ہے جس کو بقا نہیں اور ایک دن ضرور فنا ہو جائے گی جبکہ آخرت کی زندگی باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور یہ فانی زندگی سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ(۳۹) (پ24، المؤمن:39)

ترجمہ: اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑا سا سامان ہی ہے اور بیشک آخرت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

قرآنِ کریم میں دنیاوی زندگی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل کود اور زینت اور آپس

---

1 ..... معجم کبیر، 24/434، حدیث: 1060۔

2 ..... مستدرک، 4/132، حدیث: 4772۔

www.dawateislami.net

وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًاؕ وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

(پ27، الحدید:20)

میں فخر و غرور کرنا اور مالوں اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا ہے۔ (دنیا کی زندگی ایسے ہے) جیسے وہ بارش جس کا اُگایا ہوا سبزہ کسانوں کو اچھا لگا پھر وہ سبزہ سوکھ جاتا ہے تو تم اسے زرد دیکھتے ہو پھر وہ پامال کیا ہوا (بے کار) ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب (بھی) ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا (بھی ہے) اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

دنیاوی زندگی کی ناپائیداری کی مثال:

قرآنِ کریم میں دنیا کی لذتوں میں گم ہو کر اپنی آخرت سے بے پرواہ ہونے والے شخص کو ایک عبرت انگیز مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (پ11، یونس:24)

ترجمہ: دنیا کی زندگی کی مثال تو اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین سے اگنے والی چیزیں گھنی ہو کر نکلیں جن سے انسان اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی خوبصورتی پکڑ لی اور خوب آراستہ ہو گئی اور اس کے مالک سمجھے کہ (اب) وہ اس فصل پر قادر ہیں تو رات یا دن کے وقت ہمارا حکم آیا تو ہم نے اسے ایسی کٹی ہوئی کھیتی کر دیا گویا وہ کل وہاں پر موجود ہی نہ تھی۔ ہم غور کرنے والوں کیلئے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں۔

دُنیوی زندگی اُمیدوں کا سبز باغ ہے:

دُنیوی زندگانی اُمیدوں کا سبز باغ ہے، اس میں عمر کھو کر جب آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں اس کو مراد حاصل ہونے کا اِطمینان ہوتا ہے اور وہ کامیابی کے نشے میں مست ہو جاتا ہے تو اچانک اس کو موت آ پہنچتی ہے اور وہ تمام نعمتوں اور لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا طلب گار جب بالکل بے فکر ہوتا ہے اس وقت اس پر عذابِ الٰہی آتا ہے اور اس کا تمام ساز و سامان جس سے اس کی اُمیدیں وابستہ تھیں، غارت ہو جاتا ہے۔

www.dawateislami.net

لہٰذا دنیا کی رنگینیوں اور اس کی لذّتوں میں کھونے کی بجائے اپنی آخرت کی تیاری میں مصروف رہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں یوں رہو گویا تم مسافر ہو یا راہ چلتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما فرماتے تھے کہ جب تم شام پالو تو صبح کے مُنتظِر نہ رہو اور جب صبح پالو تو شام کی امید نہ رکھو اور اپنی تندرستی سے بیماری کے لیے اور زندگی سے موت کے لیے کچھ توشہ لے لو۔[1]

دنیا کی رنگینیوں سے اِنسان کی جانچ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک دنیا سرسبز اور میٹھی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں (پہلوں کا) جانشین بنایا ہے، پس وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔[2] اور فرمایا: دنیا سے بچو کہ یہ ہاروت ماروت سے بھی بڑھ کر جادو سکھانے والی ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی رنگینیوں سے دھوکا نہ کھانے کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔

دھوکے میں مبتلا لوگوں کا بیان:

بعض لوگ صرف اپنے کچھ ظاہری عمل کو نیکی، بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ درحقیقت انہوں نے اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔ وہ صحیح اور غلط میں فرق نہیں کر پاتے، اس لیے کہ انہوں نے صحیح اور غلط میں اِمتیاز کا طریقہ ہی نہیں سیکھا، جبکہ جو افراد ان میں فرق کرنا جانتے ہیں، ان میں بھی صرف ظاہری عمل سے دھوکا کھانے والوں کی بھاری تعداد ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارک میں ہے: قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السّلام سے کہا جائے گا کہ تم اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو الگ کرو۔ حضرت آدم علیہ السّلام دریافت کریں گے کہ کتنے لوگوں میں سے کتنوں کو الگ کروں؟ تو حکم ہو گا کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے کو الگ کرو۔[4]

اگرچہ ان جہنمیوں کی بڑی تعداد یاجوج ماجوج اور کفار پر مشتمل ہو گی اور جو مسلمان دوزخ میں جائیں گے وہ بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، لیکن اپنی بداعمالیوں کی کچھ سزا بھگتنے اور فضلِ الٰہی سے ان کی بخشش کا فیصلہ ہونے تک

---

1 ..... بخاری، 4/223، حدیث: 4616۔

2 ..... ترمذی، 4/81، حدیث: 2198۔

3 ..... شعب الایمان، 7/339، حدیث: 10504۔

4 ..... بخاری، 4/254، حدیث: 6529۔

www.dawateislami.net

جہنم کی آگ میں رہیں گے۔

دھوکے میں مبتلا لوگوں کے دو گروہ:

دھوکے میں مبتلا لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک عقیدے کے اِعتبار سے دھوکے کا شکار اور دوسرے عمل کے اِعتبار سے دھوکے میں پڑے ہوئے۔

عقیدے کی وجہ سے دھوکے کا شکار لوگوں کی اقسام:

دنیا میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد وہ ہے جو عقیدے کے اِعتبار سے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور اُن میں دہریے، مشرک، بت پرست، یہودی، عیسائی اور گمراہ فرقے وغیرہا سب شامل ہیں، مثلاً عقیدے میں دھوکے کے شکار لوگوں کی قسمیں اور جن دھوکوں میں وہ مبتلا ہیں، وہ یہ ہیں:

دہریوں کا دھوکے میں ہونا:

دہریے، دَہر یعنی زمانے کی طرف ہی سب کچھ منسوب کرتے ہیں اور خدا کا انکار کرتے ہیں، اگرچہ انہیں آج تک اس بات کی کوئی دلیل نہیں ملی کہ اگر کوئی خالق نہیں ہے تو مخلوق کیسے وجود میں آگئی؟ ابھی تک بے معنیٰ اور فضول تھیوریاں پیش کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت تک دنیا کے وجود میں آنے کی کوئی توجیہ نہیں کرسکتے، جب تک کہ خالقِ حقیقی کے وُجود کو تسلیم نہیں کریں گے۔ کچھ یہی حال زمانہ نبوی کے مشرکوں کا تھا کہ وہ موت کے معاملے میں زمانے کو ہی مؤثر مانتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روحیں قبض کئے جانے کا انکار کرتے تھے اور ہر مصیبت کو دَہر اور زمانے کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کا یہ اِعتقاد علم اور یقین کی بنا پر نہیں تھا بلکہ بے دلیل گمانوں اور تخمینوں کی بنیاد پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ (پ25، الجاثیۃ:24)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا: زندگی تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان دوڑاتے ہیں۔

مشرکوں کا دھوکے میں ہونا:

مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کے شیطان کے دھوکے میں ہونے کو اللہ تعالیٰ نے بہت تفصیل سے قرآنِ مجید میں بیان

www.dawateislami.net

فرمایا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو طرح طرح کی جھوٹی اُمیدیں دِلاتا، وسوسے ڈالتا اور ضلالت و معصیت (یعنی گمراہی و بد عملی) کو اچھا کر کے دِکھاتا ہے، جیسے مشرکوں کو ان کا شرک اچھا کر کے دِکھاتا ہے، منافقوں کو ان کی منافقت پسند کرواتا ہے، لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ شیطان انہیں دھوکا دیتا ہے کیونکہ وہ جس چیز کے فائدہ کی تَوَقُّع دِلاتا ہے درحقیقت اس میں سخت ضَرَر اور نقصان ہوتا ہے۔ شیطان کے دھوکے میں پڑ کر خوش فہمیوں اور اُمیدوں کا شکار ہونے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نجات کا دارومدار نہ تو تمہاری جھوٹی اُمیدیں ہیں کہ اے مشرکو! تم نے سوچ رکھا ہے کہ بت تمہیں نفع پہنچائیں گے اور نہ ہی نجات اہلِ کتاب کی جھوٹی اُمیدوں پر ہے، جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ عزوجل کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، ہمیں آگ چند روز سے زیادہ نہ جلائے گی، بلکہ اللہ عزوجل کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا خواہ مشرکین میں سے ہو یا یہود و نصاریٰ میں سے اور جو مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مسلمان بھی ہو تو جنت میں داخل ہو گا اور وہ اپنے عمل کی جس جزا کا مستحق ہو گا، اس کے اجر میں معمولی سی بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اب آیات کا مطالعہ کریں، ارشاد فرمایا:

يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

(پ5، النساء: 120 تا 124)

ترجمہ: شیطان انہیں (یعنی لوگوں کو) وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں صرف فریب کے وعدے دیتا ہے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو عنقریب ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے؟ نہ تمہاری جھوٹی اُمیدوں کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اہلِ کتاب کی جھوٹی اُمیدوں کی۔ جو کوئی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا اور نہ مددگار اور جو کوئی مرد ہو یا عورت اچھے عمل کرے اور وہ مسلمان بھی ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تِل کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

www.dawateislami.net

یہودیوں کا دھوکے میں ہونا:

یہودی کہتے تھے کہ وہ دوزخ میں ہر گز داخل نہیں ہوں گے مگر صرف اتنی مدت کے لیے جتنا عرصہ ان کے آباءواجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی یعنی اس کے بعد وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے اور وہ مدت چالیس دن ہے، بلکہ بعض یہودیوں کے نزدیک سات دن ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان یہودیوں سے کہو کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ لیا ہوا ہے کہ وہ تمہیں چند دن کیلئے ہی جہنم میں ڈالے گا؟ اگر ایسا کوئی عہد ہے، پھر تو اللہ تعالیٰ ہر گز وعدہ خلافی نہیں کرے گا، لیکن ایسا کچھ ہے نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے ایسا وعدہ کیوں کرے گا کہ تم جہنم میں زیادہ عرصے کیلئے نہیں رہو گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جس نے گناہ کا اِرتکاب کیا اور اس کے گناہ نے اسے ہر طرح سے گھیر لیا یعنی وہ کفر میں جا پڑا تو وہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہے گا۔ قرآنِ مجید کے یہودیوں کے دھوکے میں پڑنے کا بیان اور اِصلاح کا انداز ملاحظہ کریں، ارشاد فرمایا:

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲ ع (پ 1، البقرۃ:80 تا 82)

ترجمہ: اور (یہودی) بولے: ہمیں تو آگ ہر گز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔ اے حبیب! تم فرمادو: کیا تم نے خدا سے کوئی وعدہ لیا ہوا ہے؟ (اگر ایسا ہے، پھر) تو اللہ ہر گز وعدہ خلافی نہیں کرے گا (لیکن ایسا ہے نہیں) بلکہ تم اللہ پر وہ بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کیوں نہیں، جس نے گناہ کمایا اور اس کی خطا نے اس کا گھیراؤ کر لیا تو وہی لوگ جہنمی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جنت والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

عیسائیوں کا دھوکے میں ہونا:

عیسائی بھی دھوکے میں پڑے ہوئے تھے کیونکہ مجموعی طور پر یہود و نصاریٰ سب ہی عجیب و غریب خود ساختہ خوش فہمیوں کا شکار تھے، یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور عیسائی کہتے تھے کہ صرف وہی جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی گفتگو کے جواب میں قرآن نے بتایا کہ یہ ان کی من گھڑت آرزوؤں کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل میں ایسا کچھ نہیں فرمایا، خدا کا قانون بہت واضح ہے کہ جو صحیح ایمان والا ہو اور اس کے اعمال

www.dawateislami.net

اچھے ہوں تو وہ خدا کے ہاں اَجر کا مستحق اور غم سے بے غم ہے۔ اگر یہودی اور عیسائی اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اپنی اس بات پر کوئی دلیل لائیں، چنانچہ فرمایا:

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۱۱ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۲ (پ1، البقرۃ: 111تا112)

ترجمہ: اور اہل کتاب نے کہا: ہر گز جنت میں داخل نہ ہو گا مگر وہی جو یہودی ہو یا عیسائی۔ یہ ان کی من گھڑت تمنائیں ہیں۔ تم فرمادو: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ ہاں کیوں نہیں؟ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

نسبتوں کی وجہ سے دھوکے میں ہونا:

اِعتقادی گمراہیوں میں نسبتوں پر غلط فخر بھی داخل ہے۔ یہود و نصاریٰ کا کہنا تھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم آپ ہمیں خدا کے عذاب سے کیا ڈراتے ہیں؟ ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اوقات یاد کراتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم خدا کے ایسے ہی پیارے ہو تو پھر دنیا میں تمہیں بار بار عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ تم کوئی خاص نہیں ہو، بلکہ جیسے دوسرے انسان ہیں، ایسے ہی تم بھی ہو اور سب سے ایک ہی قانون کے مطابق حساب ہو گا۔ آیت ملاحظہ کریں:

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (پ6، المائدۃ: 18)

ترجمہ: اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اے حبیب! تم فرمادو: (اگر ایسا ہے تو) پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم (بھی) اس کی مخلوق میں سے (عام) آدمی ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے۔

ایمان کے بغیر کوئی نسبت کام نہیں آئے گی۔ اس کی مزید تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

عمل کی وجہ سے دھوکے کا شکار لوگوں کی اقسام:

عمل کی وجہ سے دھوکے کا شکار لوگوں کے بھی متعدد گروہ ہیں: (1) علما کا گروہ (2) عبادت گزاروں کا گروہ (3) صوفیا کا گروہ (4) مالداروں کا گروہ۔ دھوکے میں مبتلا شخص ان میں سے کسی نہ کسی گروہ کے تحت ہو گا۔[1]

1 ..... احیاء العلوم، 3/464۔

www.dawateislami.net

(1) علما کا گروہ: علما میں سے کئی ایسے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی مختلف علوم و فنون کی تحصیل میں لگا دی، لیکن وہ عمل سے دُور ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ علم کے اس عالی منصب پر فائز ہو چکے ہیں کہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا اور انہیں عذاب نہیں ہو گا، بلکہ ان کی شفاعت سے ہزاروں لوگ عذابِ نار سے نجات پائیں گے۔ ایسے علما کی مثال اس بیمار کی ہے کہ جس نے اپنی بیماری کا حال اور علاج کتاب میں پڑھا، لیکن دوا کی کڑواہٹ کی وجہ سے دوا نہیں کھاتا تو ظاہر سی بات ہے کہ جب تک دوا نہیں کھائے گا، محض اس کے فوائد پڑھنے سے علاج ممکن نہیں ہو گا اور شفا نہیں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (پ30، الاعلیٰ:14) ترجمہ: ”بیشک جس نے خود کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گا۔“ اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (پ30، النازعات:40-41) ترجمہ: اور (جس نے) نفس کو خواہش سے روکا، تو بیشک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔

اِن آیاتِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا، خواہشات کی خلاف ورزی کی، وہ کامیاب ہو گیا، یہ نہیں فرمایا کہ جس نے فقط اپنے آپ کو پاک کرنے کا طریقہ سیکھ لیا یا جو خواہشات کے خلاف چلنے کو ضروری جانتا ہو، تو محض ایسا جان لینے سے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (1)

(2) عبادت گزاروں کا گروہ: دوسرا گروہ عابد و زاہد افراد کا ہے، ان میں ایک گروہ کئی فرائض کی بجا آوری سے محروم رہتا ہے، مثلاً کسی شخص کو طہارت کے متعلق وسوسے آتے ہیں، وہ اس میں اس قدر مبتلا ہوا کہ نماز وقت پر ادا ہی نہ کر سکا۔ ایسے شخص نے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم کی سیرت کو فراموش کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہُ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے حرام کے خوف سے ستّر (70) حلال چیزوں کو چھوڑ دیا یعنی کسی صورت بھی حرام میں مبتلا نہ ہوئے۔ اس احتیاط کے باوجود آپ رضی اللہُ عنہ نے ایک نصرانیہ کے برتن سے وضو فرمایا۔ (2)

ظاہری زہد: کچھ ایسے عبادت گزار ہیں جنہوں نے بظاہر زہد (دنیا سے بے رغبتی کو) اپنایا، لیکن یہ ترکِ دنیا بھی انہوں نے طلبِ جاہ (عزت و شہرت کی چاہت) میں کی، حالانکہ یہ مال کی خواہش سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ حقیقت میں زاہد وہی ہے، جو خالصتاً اللہ کے لیے زہد (دنیا سے بے رغبتی کو) اپنائے۔

ظاہری عبادت: کچھ عبادت گزار ایسے ہیں، جو راتوں کو قیام کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں، لیکن دل کو بُرے اخلاق

1 ..... احیاء العلوم، 3/475 تا 476 ملخصاً۔
2 ..... احیاء العلوم، 3/491 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

اور بُری عادات سے پاک نہیں کرتے، ان کا باطن ریا، حسد اور تکبر جیسی بیماریوں میں گرفتار ہوتا ہے، یہ لوگ اکثر بداخلاق ہوتے ہیں، حالانکہ اچھا اخلاق تمام نیکیوں کا سردار ہے اور بداخلاقی نیکیاں برباد کر دیتی ہے، تمام عابدوں اور زاہدوں کے آقا و مولا، حبیبِ خدا، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہیں، جو سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے۔[1]

(3)صوفیا کا گروہ: یہ لوگ سب سے زیادہ غرور (دھوکے) میں مبتلا ہوتے ہیں، کیونکہ راستہ جتنا نازک اور مقصد جس قدر بلند ہوتا ہے، دھوکا بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ صوفیا کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان میں تین صفات پیدا ہوں:(۱)اس کا نفس مغلوب اور مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔(۲) دنیا اس کی نظر میں نہ رہے۔(۳)جلال و جمالِ الٰہی اس کو گھیر لے کہ اسے کسی بھی چیز سے سروکار نہ رہے۔

صوفیاء کے بھی مختلف گروہ ہیں:

پہلا گروہ: کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے ظاہری حلیہ (گدڑی، سجادہ وغیرہ)اور نقل و حرکت صوفیاء جیسی اپنائی اور سمجھا کہ اصل تصوف یہی ہے۔

دوسرا گروہ: بعض ایسے ہیں کہ ان سے صحیح طور پر صوفیاء کی نقل بھی نہیں ہوتی کہ وہ پیوند والا لباس پہن لیں، بلکہ ان سے ایسا لباس نہیں پہنا جاتا، وہ اپنی گدڑیوں کے لیے بھی نئے نئے تھان پھاڑ کر کپڑا لیتے ہیں، حالانکہ سب سے پہلے گدڑی پہننے والے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ کے لباس پر چودہ پیوند لگے تھے اور ان میں کئی پیوند چمڑے کے تھے۔

تیسرا گروہ: یہ ایسے لوگ ہیں، جو پھٹا ہوا لباس پہننے پر راضی نہیں اور نہ ہی فرائض ادا کرتے ہیں اور نہ گناہوں کو چھوڑتے ہیں حتی کہ اپنی کوتاہیوں کا اقرار بھی نہیں کرتے، کیونکہ وہ نفس و شیطان کے قیدی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم مشغولِ حق رہتے ہیں، ہمارا دل ہمیشہ نماز میں رہتا ہے، لہٰذا ہمیں ظاہری عمل کی کوئی حاجت نہیں۔ ایسے افراد دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

چوتھا گروہ: یہ لوگ صوفیاء کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کے بارے میں کہیں کہ یہ فلاں صوفی صاحب کا خادم ہے اور اس طرح لوگ اس کی بھی تعظیم کریں۔

پانچواں گروہ: یہ لوگ ریاضتِ نفس اِختیار کرتے اور ایک گوشے میں بیٹھ کر بس ذِکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، پھر کچھ عرصہ میں انہیں کشف ہونے لگتا ہے، اس مرحلے پر وہ سمجھتے ہیں کہ ولایت کا کامل مرتبہ یہی ہے، حالانکہ ابھی تو وہ اس

---

1 ..... احیاء العلوم، 3/493 ملخصًا۔

www.dawateislami.net

سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔[1] شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃُ اللہِ علیہ نے فرمایا ہے کہ پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا اور غیب کی خبریں دینا کرامت نہیں، بلکہ کرامت یہ ہے کہ بندہ شریعت کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے، اس طرح کہ اس سے حرام کا صدور نہ ہو۔

(4) مالداروں کا گروہ: یہ لوگ اس طرح دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنی دولت سے مساجد و مسافر خانے وغیرہ بنواتے ہیں، جبکہ ان کے مال میں حرام بھی ہوتا ہے، تو ان کے لیے لازم تھا کہ وہ پیسے اصل مالک کے حوالے کرتے، لیکن وہ اس کے بجائے مسجد کی تعمیر میں صرف کرتے ہیں، اس صورت میں گناہ مزید بڑھ جاتا ہے، حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا ہے اور اگر وہ حلال مال خرچ کریں، تو بھی ان کا مقصد ریاکاری (دکھلاوا) ہوتا ہے یعنی اگر ایک روپیہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، تو چاہتے ہیں کہ ان کا نام سامنے لایا جائے۔ ریا کی مختلف علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے رِشتہ دار اور پڑوسی ایسے ہوتے ہیں، جو کھانے اور بنیادی ضروریات کے محتاج ہوتے ہیں، یہ اپنا مال ان پہ خرچ کرتے تو افضل ہوتا، لیکن چونکہ وہاں انہیں شہرت دِکھائی نہیں دیتی، لہٰذا وہاں خرچ نہیں کرتے۔ پھر بعض مالدار لوگ فقیروں اور محتاجوں کو اپنے دروازے پر جمع کرتے ہیں تاکہ ان کی سخاوت کا شہرہ ہو اور ایسے لوگ مال خرچ کرنے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بھلائی کا کام انجام دیا، حالانکہ ان کا مقصد تو عبادت و نیکی تھا ہی نہیں۔

نفلی حج سے افضل و بہتر عمل:

کسی نے حضرت بشر حافی رحمۃُ اللہِ علیہ سے مشورہ کیا کہ میرے پاس حلال کی کمائی کے دو ہزار درہم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حج کو جاؤں، آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ رحمۃُ اللہِ علیہ نے دریافت کیا کہ تم تماشا (دکھاوے) کی خاطر جا رہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے؟ اس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: جاؤ یہ مال کسی (قرض دار) کو قرض دے دو اور اس کو قرض معاف کر دو یا کسی یتیم یا کسی تنگ دست کو دے دو، کیونکہ کسی مسلمان کا دل خوش کرنا سو (نفلی) حج کرنے سے بہتر اور افضل ہے۔[2] (یہ فرمان خاص فرد کے متعلق تھا۔ ہر جگہ اسے چسپاں نہیں کر سکتے۔)

مالدار لوگوں کا بخل:

کچھ مالدار ایسے بخیل ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ کی مقدار سے زیادہ کچھ خرچ نہیں کرتے اور زکوٰۃ بھی ایسے لوگوں کو دیتے

1 ..... احیاء العلوم، 3/495-498 ملخصاً۔
2 ..... کیمیائے سعادت، 2/750۔

www.dawateislami.net

ہیں، جو ان کے خدمت گار ہوں تاکہ اس طرح ان کی شان و شوکت برقرار رہے اور کچھ مالدار ایسے بخیل ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے اور مال جمع رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ رات دن نماز میں مصروف رہتے، روزے رکھتے اور دیگر عبادات کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے شخص کی ہے کہ اس کے سر میں درد ہو اور درد ختم کرنے کے لیے اپنی ایڑی پر لیپ لگائے بیٹھا ہے یعنی جس طرح ایڑی پر لیپ کرنے سے سر درد ختم نہیں ہو گا، اسی طرح اس بخیل مالدار کو یہ خبر نہیں کہ اس کی بیماری بخل سے ہے، تو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ بخل سے نجات حاصل کرے۔

الغرض! مالدار اس طرح دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں، مگر جو شخص علم حاصل کرے تاکہ عبادت میں ریا، نفس و شیطان کے مکر و فریب سے آگاہ ہو جائے اور حق تعالیٰ کی دوستی اس کے دل پر غالب آجائے، دنیا سے بے رغبتی نصیب ہو جائے اور ہر دَم قبر و آخرت پیشِ نظر رہے اور آخرت کی تیاری میں مشغول رہے، وہ اِن شاءَ اللہ محفوظ رہے گا اور یہ سب باتیں اسی کو میسر ہوں گی کہ جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔ (یہ تمام مضمون احیاء العلوم سے ماخوذ ہے۔)[1]

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں خوفِ خدا کا بیان ہے اور فکرِ آخرت کی سوچ دیتے ہوئے بتایا گیا کہ قیامت کا دن ایسا ہے کہ اُس دن ہر انسان نفسی نفسی (میری جان بچ جائے، میری جان بچ جائے) کہتا ہو گا۔ باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آسکے گا، نہ کافروں کی مسلمان اولاد انہیں فائدہ پہنچا سکے گی نہ مسلمان ماں باپ کافر اولاد کو فائدہ پہنچائیں گے۔

(2) آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد کا بھی رد ہے۔ یہودی کہتے تھے: ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اس لیے ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، جبکہ عیسائی کہتے تھے: حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا ہے اس لیے ہمیں بھی کچھ نہیں ہو گا۔ سب کو کھلم کھلا بتا دیا گیا کہ صحیح عقیدہ اپنائے بغیر کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا۔

(3) اہلِ ایمان کا نسب، مومنوں کو قیامت کے دن فائدہ دے گا اور سب سے اعلیٰ نسب یعنی حضور پُر نور، شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا نسبِ سیادت سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذریت طاہرہ کو فائدہ دینے والا ہو گا۔

(4) حفاظتِ ایمان اور اصلاحِ اعمال کے لئے قیامت کی یاد بہت مؤثر ہے بلکہ اکثر لوگوں کی اصلاح کے لئے سب

---

1 ..... احیاء العلوم، 3/ 499-501 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

سے زیادہ مفید موت کی یاد اور آخرت کی فکر ہی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم میں بڑی کثرت سے قیامت کی ہولناکیوں، سختیوں اور شدتوں کا بیان فرمایا ہے۔

(5) دنیاوی زندگی اُمیدوں کا سبز باغ ہے، اس میں گم ہو کر موت کو بھول جانا سراسر خسارہ ہے۔

(6) دھوکے میں مبتلا لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک عقیدے کے اِعتبار سے دھوکے کا شکار اور دوسرے عمل کے اِعتبار سے دھوکے کا شکار۔ دنیا میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد وہ ہے جو عقیدے کے اِعتبار سے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اس میں دہریے، مشرک، بت پرست، یہودی، عیسائی اور گمراہ فرقے وغیرہا سب شامل ہیں۔ رہا عمل کی وجہ سے دھوکے کا شکار تو اس میں بھی لوگوں کے متعدد گروہ ہیں کیونکہ شیطان علما، عبادت گزاروں، صوفیوں اور مالداروں سب کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور ان میں ہر گروہ کے دھوکے کے انداز و اَسباب مختلف ہیں۔

(7) دہریے، دَہر یعنی زمانے کی طرف ہی سب کچھ منسوب کرتے ہیں اور خدا کا اِنکار کرتے ہیں، اگرچہ انہیں آج تک اس بات کی کوئی دلیل نہیں ملی کہ اگر کوئی خالق نہیں ہے تو مخلوق کیسے وجود میں آگئی؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت تک دنیا کے وجود میں آنے کی کوئی توجیہ نہیں کرسکتے جب تک خالقِ حقیقی کے وُجود کو تسلیم نہیں کریں گے۔

(8) یہود و نصاریٰ عجیب و غریب خود ساختہ خوش فہمیوں کا شکار تھے، یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور عیسائی کہتے تھے کہ صرف وہی جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی گفتگو کے جواب میں قرآن نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل میں ایسا کچھ نہیں فرمایا، خدا کا قانون بہت واضح ہے کہ جو صحیح ایمان والا ہو اور اس کے اعمال اچھے ہوں تو وہ خدا کے ہاں اجر کا مستحق اور غم سے بے غم ہے۔

(9) شیطان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو طرح طرح کی اُمیدیں دِلاتا اور وسوسے ڈالتا ہے تاکہ انسان گمراہی میں پڑے، لیکن حقیقت میں شیطان انہیں دھوکا دیتا ہے کیونکہ وہ جس چیز کے نفع اور فائدہ کی تَوَقُّع دِلاتا ہے درحقیقت اس میں سخت ضَرَر اور نقصان ہوتا ہے۔

(10) حقیقت میں زاہد وہی ہے، جو خالص اللہ کے لیے زہد (دنیا سے بے رغبتی کو) اپنائے۔

(11) صوفیاء کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان میں تین صفات پیدا ہوں: (۱) اس کا نفس مغلوب اور مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔ (۲) دنیا اس کی نظر میں نہ رہے۔ (۳) جلال و جمالِ الٰہی اس کو گھیر لے کہ اسے کسی بھی چیز سے سروکار نہ رہے۔

(12) پانی پر چلنا اور ہوا میں اُڑنا حقانیت کی دلیل نہیں، جب تک کہ کسی ایسے شخص سے اِن افعال کا صدور نہ ہو جو

www.dawateislami.net

شریعت کا مطیع و فرمانبردار ہو اور گناہوں سے بچنے والا ہو۔

(13) نیک مالدار بھی ہوتے ہیں لیکن کچھ مالدار حرام مال سے مساجد و مسافر خانے وغیرہ بنواتے ہیں یا یہ کام ریاکاری کے لئے کرتے ہیں۔ یہ سب دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

محاسبہ:

خدا کی یاد اور قیامت کے حساب سے غافل کرنے والی دنیا مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دنیا کے دھوکوں سے بچنے کا کثرت سے حکم دیا ہے۔ آیئے غور کریں کہ حکمِ خداوندی پر ہمارا کتنا عمل ہے،

(1) کیا ہم دنیا کی محبت کا شکار ہو کر خدا کو یاد کرنے اور آخرت کے متعلق سوچنے سے غافل تو نہیں؟

(2) کیا ہماری معاشی، معاشرتی، خاندانی مصروفیات اور دوستی یاری کی مشغولیات، یادِ الٰہی سے دور تو نہیں کرتیں؟ کہ ان چیزوں کی وجہ سے ہم نماز، جماعت، تلاوت، ذکر اور نیکی کے کاموں سے محروم رہتے ہیں۔

(3) کیا کبھی کبھی ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ دن بھی آئے گا کہ جب باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کام نہیں آئے گا؟ اور ہر طرف نفسی نفسی کا عالَم ہو گا؟

(4) کیا ہم نفس سے مغلوب ہو کر شیطان کا کھلونا بن چکے ہیں کہ وہ جو چاہے کروالے یا نفس ہم سے مغلوب ہے کہ ہم نیکی کے کام ہی کرتے ہیں اور بآسانی کر لیتے ہیں؟

(5) کیا ہمیں اپنے مال اور کمائی میں حلال و حرام کی پروا ہے یا دنیا کے دھوکے نے حلال و حرام میں فرق کرنے کی سوچ ہی ختم کر دی ہے؟

(6) جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بڑا دھوکا دینے والا فرمادیا، تو کیا ہم اپنے اعمال، خیالات اور کردار میں اِس بات پر غور کرتے ہیں کہ کہیں یہ شیطان کے دھوکے تو نہیں ہیں؟

(7) کیا ہم نفس کی کارستانیوں کے متعلق سوچتے اور نفس کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں فکرِ آخرت نصیب فرمائے، آمین۔

❁❁❁

آیت نمبر:16 خدا کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم اور اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳ (پ22، الفاطر:3)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دیتا ہے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کہاں الٹے پھرے جاتے ہو؟

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل اور نعمتیں بے شمار ہیں، وہی رحمتوں اور نعمتوں کے تمام خزانوں کا مالک ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اِحسانات و اِنعامات یاد کرو اور اُس منعمِ حقیقی کا شکر ادا کرو اور کم از کم اُس کی دو بڑی نعمتوں میں غور و فکر کرو کہ اُس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور پھر اُنہیں باقی رکھنے کے اَسباب پیدا فرمائے، تو بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہو سکتا ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق مہیا کرے؟ لہٰذا جب کوئی بھی خدا کے علاوہ خالق اور رازق و مُسَبِّبُ الاسباب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے تو یقیناً اُس کے علاوہ کوئی معبود بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ سب جانتے سمجھتے ہوئے کیوں شرک کرتے اور ایمان و توحید سے الٹے پھرے جاتے ہو۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ﴾ اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا اِحسان یاد کرو کہ اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، آسمان کو بغیر کسی ستون کے قائم کیا، اپنی راہ بتانے اور حق کی دعوت دینے کے لئے رَسولوں علیہمُ السّلام کو بھیجا اور تم پر رِزق کے دروازے کھولے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے جو آسمان سے بارش برسا کر اور زمین سے طرح طرح کے نباتات پیدا کر کے تمہیں روزی دیتا ہے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم ایمان اور توحید سے کہاں الٹے پھرتے ہو؟

اپنے اوپر اللہ کا اِحسان یاد کرو:

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں ہر نعمت داخل ہے اور اس یاد کرنے کا مقصد دِل، زبان اور اعضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ آیئے اِس آیت پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی چند

www.dawateislami.net

نعمتوں کا ذِکر کرتے ہیں تاکہ ہمارے دِل و زبان پر خدا کا شکر جاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار اِحسانات ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

خدا کے اِحسانات کی ایک صورت:

اللہ تعالیٰ نے رات کا اندھیرا، دن کی روشنی، سورج، چاند اور ستاروں کا نظام پیدا فرما کر اِنسانی زندگی کی لاکھوں کروڑوں ضروریات کو پورا کیا۔ سونا، جاگنا، کمانا، زندگی کے اُمور سرانجام دینا، روشنی، ہوا، پانی، گرمی، سردی اور لاکھوں ضروریات اِن ہی ذَرائع سے پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن نعمتوں کے متعلق فرمایا:

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ؕ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ (پ8، الاعراف:54)

ترجمہ: رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانپ دیتا ہے کہ (ایک) دوسرے کے پیچھے جلد جلد چلا آرہا ہے اور اس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو بنایا اس حال میں کہ سب اس کے حکم کے پابند ہیں۔ سن لو! پیدا کرنا اور تمام کاموں میں تصرف کرنا اسی کے لائق ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

خدا کے اِحسانات کی دوسری صورت:

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے ذَریعے اِنسان کو سہولیات فراہم کیں۔ اسی زمین سے ہیرے جواہرات، سونا چاندی، کوئلہ تیل، لوہا تانبا اور سینکڑوں مَعدنیات نیز چشمے دریا وغیرہا نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ (پ1، البقرۃ:22)

ترجمہ: جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے کئی پھل پیدا کئے۔

اسی طرح ستاروں کے ذریعے آسمانوں کی تزئین کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذوقِ جمال کی تسکین فرمائی، چنانچہ فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ﴾ (پ29، الملک:5) ترجمہ: ”اور ضرور بیشک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا۔“ اور ان ہی ستاروں سے صحراؤں، سمندروں میں راستے کی رہنمائی ملتی ہے۔

خدا کے اِحسانات کی تیسری صورت:

خدا کے اِحسانات کی ایک عظیم صورت ہواؤں، بادلوں، دریاؤں اور سمندروں کا نظام ہے کہ ان سب کے مجموعے

www.dawateislami.net

سے دنیا کے کونے کونے میں لوگوں کی زندگی کی بنیادی ضرورت یعنی پانی دستیاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام نہایت خوبصورت، پُراز حکمت اور دل نشین بنایا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِؕ(۴۳)

(پ18، النور:43)

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نرمی کے ساتھ بادل کو چلاتا ہے پھر انہیں آپس میں ملا دیتا ہے پھر انہیں تہ در تہ کر دیتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان میں سے بارش نکلتی ہے اور وہ آسمان میں موجود برف کے پہاڑوں سے اولے اُتارتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے اس پر انہیں ڈال دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے انہیں پھیر دیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھیں لے جائے۔

اور فرمایا: ﴿وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًاؕ﴾ (پ24، المؤمن:13) ترجمہ: ”اور تمہارے لیے آسمان سے روزی اُتارتا ہے۔“ پھر ان ہی دریاؤں، سمندروں کے نظام سے کس قدر اُمورِ حیات وابستہ ہیں مثلاً دریا، سمندر میں موجود مچھلیاں، موتی جواہرات کے خزانے پھر کشتیوں کے ذریعے نقل و حمل کے آسان ذرائع سب اسی نظامِ خداوندی کی وجہ سے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَاۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(۱۴) (پ14، النحل:14)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے سمندر تمہارے قابو میں دیدیئے تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں اور اس لئے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

پالتا ہے بیج کو مٹّی کی تاریکی میں کون — کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار — خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نُورِ آفتاب؟
کِس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب — موسموں کو کِس نے سِکھلائی ہے خُوئے انقلاب؟

پانی کی افادیت اور اس کے نظام پر بہت عرصہ پہلے کسی اَخبار میں ایک تحریر کا مطالعہ کیا تھا جس کا میں نے اپنے پاس خلاصہ محفوظ کیا تھا، اس کا بیان یہاں بہت مفید ثابت ہو گا۔ محرر نے لکھا کہ اگر زمین پر پانی نہ ہوتا تو زمین پر زندگی ہی

www.dawateislami.net

وجود میں نہ آتی اور اگر آج بھی کسی وجہ سے زمین سے پانی ختم ہو جائے تو نہ صرف انسانی زندگی بلکہ حیوانات و نباتات سب کے سب مر جائیں، ہر وہ چیز جسے آپ زندہ کہتے ہیں وہ پانی کے بغیر مردہ ہے، گویا پانی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کی مہربانی سے اس زمین سے پانی ختم نہیں ہو سکتا، کیونکہ پانی کے کئی سائیکل (چکر) ہیں، مثلاً سورج، سمندر پر آگ برساتا ہے، تو سمندر کا پانی بخارات بن کر اڑتا اور بلندی پر جاتا ہے، وہاں بادل بنتے ہیں جنہیں ہوا اِدھر اُدھر لیے پھرتی ہے پھر کہیں جا کر یہ بادل برس جاتے ہیں اور وہی پانی دوبارہ زمین کا حصہ بن جاتا ہے۔ پانی کا ایک اور بڑا سائیکل (چکر) بھی ہوتا ہے، اس واٹر سائیکل میں تمام اَجسام اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پانی جذب کرتے ہیں، جب تک یہ اَجسام زندہ رہتے ہیں ان کے جسموں میں پانی کی ایک مخصوص مقدار ہمیشہ موجود رہتی ہے، جب یہ جسم مر جاتے ہیں تو وہ پانی ان کے جسم سے الگ ہو کر دوبارہ زمین کا حصہ بن جاتا ہے، اس طرح پانی کسی صورت میں ضائع نہیں ہوتا۔

زمین کے کل رقبے کا اکہتر فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہے، لیکن اس میں سے ستانوے فیصد پانی قابلِ استعمال نہیں ہوتا، زمین کا صرف تین فیصد پانی قابلِ استعمال ہے، اس میں سے بھی دو فیصد پانی پہاڑی تودوں بلندیوں میں پایا جاتا ہے جسے نکالنا اور استعمال کرنا بہت مشکل ہے، صرف ایک فیصد پانی دریاؤں، جھیلوں اور زیرِ زمین موجود ہے اور دنیا کی آٹھ ارب آبادی صرف یہی پانی استعمال کر رہی ہے۔ آٹھ ارب انسان روزانہ دس ارب ٹن تازہ پانی اِستعمال کرتے ہیں اور اس میں سے بھی اَسّی نوے فیصد پانی زراعت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گندم کی ایک روٹی، سبزی کی ایک پلیٹ اور گوشت کا ایک ٹکڑا ہم تک پہنچنے کے لیے ہزاروں ٹن پانی استعمال کرتا ہے۔ دوسری طرف خدا کی قدرت کا یہ کرشمہ ہے کہ سمندر کا پانی نمکین بنایا کیونکہ اگر سمندر کا پانی نمکین نہ ہوتا تو اس زمین پر کسی زندگی کا وجود نہ ہوتا، کیونکہ اتنے بڑے میٹھے پانی کے ذخیرے کا محفوظ رہنا ناممکن ہوتا، اس میں تعفن پھیل جاتا، بدبو پیدا ہو جاتی اور اس بدبو سے ساری حیات مر جاتی، نہ کوئی انسان بچتا نہ پرندہ اور حیوان۔ خدا نے سمندر کے پانی کو نمکین بنایا اور نمک سمندر کے پانی میں محض موجود نہیں ہوتا بلکہ مسلسل اس میں مکس ہوتا رہتا ہے، سمندر کی سطح پر اٹھنے والی لہریں نمک کو پانی میں مکس کرنے کے لیے ہی بلند ہوتی ہیں کیونکہ اگر یہ لہریں نہ ہوں تو نمک سمندر کی تہہ میں جم جائے اور پانی میٹھا ہو جائے۔ اگر آپ اس کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو ایک گلاس پانی میں دو چمچ نمک ڈال کر دیکھ لیجئے، جب تک آپ نمک کو پانی میں مکس نہیں کریں گے وہ گلاس کی تہہ میں بیٹھ جائے گا، یہی حال سمندروں کا ہے، اگر یہ لہریں نہ ہوں تو ایک عرصے کے بعد نمک سمندر کی تہہ میں جم جائے اور نتیجہ

www.dawateislami.net

وہی میٹھے پانی اور اس میں تعفن اور بدبو کی شکل میں ظاہر ہو۔

پھر اگلی بات یہ ہے کہ جو ایک فیصد پانی ہم استعمال کرتے ہیں جو چشموں، دریاؤں اور زیرِ زمین ہوتا ہے، بالواسطہ یہ بھی سمندروں سے ہی آتا ہے، سورج سمندر پر آگ برساتا ہے، سمندر کا پانی بخارات بن کر اوپر جاتا ہے، وہاں یہ بادل بنتے اور برستے ہیں۔ پانی زمین میں جذب ہوتا ہے اور پھر یہی پانی ہم استعمال کرتے ہیں۔ اگر سمندر سے بخارات نہ اٹھیں، بادل نہ بنیں اور نہ برسیں تو زیرِ زمین پانی کہاں سے آئے؟ اگر یہ زیرِ زمین پانی نہ ہو تو ہم پھر بھی مر جائیں کیونکہ سمندر کے نمکین پانی کو پینا زمینی حیات کے لیے ناممکن ہے اور کوئی معدہ اسے ہضم نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ سمندر میں سفر کرنے والے پینے کا پانی ساتھ لے کر جاتے ہیں، یہ اپنے چاروں طرف سمندر ہونے کے باجود اس کا پانی پینے سے محروم ہوتے ہیں۔ الحمدللہ علیٰ احسانہ

خدا کے اِحسانات کی چوتھی صورت:

اِنسان کے لئے سب سے اہم چیز، اس کی زندگی اور بقا ہوتی ہے اور نظامِ حیات کی روانی کے لئے جیسے کھانے پینے کی ضرورت ہے ایسے ہی ذہنی، قلبی سکون اور نسل کا سلسلہ چلنا بھی مطلوب ہوتا ہے۔ یہ سب بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَ حَفَدَةً (پ14، النحل:72)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے عورتیں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے نواسے پیدا کیے۔

خدا کے اِحسانات کی پانچویں صورت:

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں خود اِنسان کا وجود ہی نہایت عظیم نعمت ہے اور ایک وجودِ انسانی اِس قدر نعمتوں پر مشتمل ہے کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی پوری شرح بیان کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۫ۖ (پ30، التین:4)

ترجمہ: بیشک یقیناً ہم نے آدمی کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا۔

اور فرمایا:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ

ترجمہ: اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزوں سے رزق دیا اور انہیں

www.dawateislami.net

خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾ (پ15، بنی اسرائیل:70)

اپنی بہت سی مخلوق پر بہت سی برتری دی۔

اور فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۲﴾ (پ29، الدھر:1-2)

ترجمہ: بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ وہ کوئی ذکر کے قابل چیز نہ تھا۔ بیشک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا تاکہ ہم اس کا امتحان لیں تو ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔

خدا کے اِحسانات کی چھٹی صورت:

اِنسان پر خدا کے اِحسانات میں نہایت عظیم اِحسان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو پیدا کر کے بے لگام نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ہدایت و رہنمائی کا مکمل نظام فراہم کیا، اَنبیا علیہمُ السّلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ ﴾ (پ29، الدھر:3) ترجمہ: ”بے شک ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، (اب) یا شکر گزار ہے اور یا ناشکری کرنے والا ہے۔“

اور فرمایا:

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۪ۙ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۪ۙ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۪ۙ﴿۹﴾ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ﴿۱۰﴾ (پ30، الشمس:7-10)

ترجمہ: اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیز گاری کی سمجھ اس کے دل میں ڈالی۔ بیشک جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور بیشک جس نے نفس کو گناہوں میں چھپا دیا وہ ناکام ہو گیا۔

اور فرمایا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ (پ2، البقرۃ:213)

ترجمہ: تمام لوگ ایک دین پر تھے تو اللہ نے انبیا بھیجے خوشخبری دیتے ہوئے اور ڈر سناتے ہوئے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات میں فیصلہ کر دے۔

خدا کے اِحسانات کی ساتویں صورت:

اِنسانوں پر خدا کی نعمتوں کے سلسلے میں سب سے عظیم نعمت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے جن کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے سلسلے کو مرتبہ کمال تک پہنچایا اور تمام اِنسانوں کے لئے رُشد و ہدایت، ایمان کی

www.dawateislami.net

صحت، کردار کی پاکیزگی، نفوس کے تزکیہ اور دِلوں کی تطہیر کا سب سے بڑا وسیلہ بنایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (پ4، آلِ عمران:164)

ترجمہ: بیشک اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اور فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (پ6، المائدۃ:3)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی کا سب سے مفصل بیان سورۂ نحل میں ہے۔ ذیل میں اس کی چند آیات کا صرف ترجمہ و تفسیر ملا کر پیش کیا جاتا ہے جس سے ایمان افروز انداز میں نعمتِ الٰہی پر شکر کا احساس پیدا ہو گا۔ (فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اِس حال میں پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اپنی پیدائش کی اِبتدا اور اوّل فِطرت میں علم و معرفت سے خالی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، یہ حواس اس لئے عطا کیے تاکہ تم ان سے اپنا پیدائشی جہل دور کرو اور تم شکر گزار بنو، علم و عمل سے فیض یاب ہو جاؤ اور یہ حواس اس لئے عطا کئے تاکہ تم نعمتیں عطا کرنے والے کا شکر بجالاؤ اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اس کی نعمتوں کے حقوق ادا کرو۔ لہٰذا ہر عضو کا ”شکر“ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگایا جائے اور ناشکری یہ ہے کہ اس عضو کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کیا جائے۔ (1)

(ایک جگہ اپنی نعمتوں کو ذِکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہاری رہائش کیلئے اینٹوں اور پتھروں سے تمہارے گھر بنائے جن میں تم آرام کرتے ہو اور اس نے تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں سے خیموں کی شکل میں کچھ گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دنوں میں اٹھا کر چلتے وقت اور منزلوں پر قیام کے وقت لگانے کیلئے بڑا ہلکا پھلکا پاتے ہو

1 ..... صراط الجنان، پ14، النحل، تحت الآیۃ: 78، 5/355۔

www.dawateislami.net

اور اُسی خدا نے تمہارے لئے بھیڑوں کی اُون، اونٹوں کی پَشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو سامان مثلاً بچھانے، اوڑھنے کی چیزیں اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانے کے اَسباب بنائے۔[1]

(ایک مقام پر رب کریم نے ارشاد فرمایا کہ) اس نے تمہیں اپنی بنائی ہوئی چیزوں، مکانوں، دیواروں، چھتوں، درختوں اور بادلوں وغیرہا سے سائے دیئے جن میں تم آرام کر کے گرمی کی شدت سے بچتے ہو اور تمہارے لیے پہاڑوں میں غار وغیرہا بنائے تاکہ امیر وغریب سب ان میں آرام کر سکیں اور تمہارے پہننے کے لیے کچھ لباس ایسے بنائے، جو تمہیں گرمی سردی سے بچاتے ہیں اور کچھ لباس جیسے زرہ اور لوہے کے جنگی بازو بند ایسے بنائے جو لڑائی کے وقت تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور تیر، تلوار، نیزے وغیرہ سے تمہارے بچاؤ کا سامان ہوتے ہیں۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہاری ضروریات کا سامان پیدا فرما کر تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کی اطاعت کرو اور اس کی نعمتوں کا اِعتراف کر کے اسلام لاؤ اور خدا کا سچا دین قبول کر لو۔

اِس تمام توضیح و تشریح کے بعد عنوانِ باب کی شروع کی آیتِ مبارکہ کی اجمالی تفسیر پر نظر ڈالیں کہ فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل اور نعمتیں بے شمار ہیں، وہی رحمتوں اور نعمتوں کے تمام خزانوں کا مالک ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اِحسانات واِنعامات یاد کرو اور اُس منعمِ حقیقی کا شکر ادا کرو اور کم از کم اُس کی دو بڑی نعمتوں میں غور وفکر کرو کہ اُس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور پھر اُنہیں باقی رکھنے کے اَسباب پیدا فرمائے، تو بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہو سکتا ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رِزق مہیا کرے؟ لہٰذا جب کوئی بھی خدا کے علاوہ خالق اور رازق و مسبب الاسباب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے تو یقیناً اُس کے علاوہ کوئی معبود بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ سب جانتے اور سمجھتے ہوئے کیوں شرک کرتے اور ایمان و توحید سے الٹے پھرے جاتے ہو؟

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو پیدا فرمایا، جبکہ اس سے پہلے انسان کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا کیونکہ پہلے وہ اصلاً معدوم تھا، پھر وہ نطفے کی شکل میں ہوا، پھر جما ہوا خون بنا، پھر گوشت کا ٹکڑا بنا، یہاں تک کہ وہ لوگوں کے درمیان قابلِ ذکر چیز بن گیا۔ پھر اسے پیدا فرما کر مختلف انواع و اقسام کا رزق فراہم کیا، اسے ایسے اسبابِ زندگی مہیا کیے جن کی اسے عام طور پر ضرورت

---

1 ..... صراط الجنان، پ14، النحل، تحت الآیۃ: 80، 5/357۔

www.dawateislami.net

پیش آسکتی تھی۔ تو ان سب چیزوں میں اور ان کے علاوہ کائنات کی ہر چیز میں شانِ ربوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندے کو پیدا فرما کر اسے زندہ رہنے کے لیے رزق عطا فرمایا اور رزق پہنچانا اپنے ذمہ کرم پر لیا اور نہ صرف بقدرِ ضرورت رزق دیا، بلکہ انسان کا ذائقہ بدلنے کے لیے اس میں بہت زیادہ تنوع پیدا کر دیا، چنانچہ بے شمار انواع واقسام کے کھانے اور مشروب عطا فرمائے۔ چنانچہ وہ کریم مالک فرماتا ہے:

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝۱۱ (پ14، النحل:11)

ترجمہ: پانی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانی ہے۔

اور فرمایا:

وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ۝۱۳ (پ14، النحل:13)

ترجمہ: اور (اس نے تمہارے کام میں لگا دیں) وہ مختلف رنگوں والی چیزیں جو اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیں۔ بیشک اس میں نصیحت ماننے والوں کیلئے نشانی ہے۔

اور فرمایا:

وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۝۴ (پ13، الرعد:4)

ترجمہ: اور زمین کے مختلف حصے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتی اور کھجور کے درخت ہیں ایک جڑ سے اُگے ہوئے اور الگ الگ اُگے ہوئے، سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر بناتے ہیں، بیشک اس میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

یعنی زمین کے مختلف حصے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے، ان میں سے کوئی قابلِ زراعت ہے کوئی ناقابلِ زراعت، کوئی پتھریلا، کوئی ریتیلا، اس کے بعد ایک منفرد انداز میں قدرتِ الٰہی کا بیان فرمایا کہ ایک ہی پانی اور ایک ہی زمین سے قریب قریب ہونے کے باوجود اللہ عزوجل مختلف رنگ، خوشبو، ذائقے، سائز اور قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے پھر ان میں سے ہر ایک اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ ایک ہی درخت پر اُگنے والا کوئی پھل چھوٹا، کوئی بڑا، کوئی

www.dawateislami.net

میٹھا، کوئی کھٹا اور اس کے علاوہ کیا کیا باریکیاں ایک ایک دانے میں رکھی گئی ہیں وہ اللہ عزوجل ہی بہتر جانتا ہے۔

اب آخر میں خدا کا فرمان پڑھیں اور اس کی گہرائی کو سمجھیں۔ فرمایا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

ترجمہ: کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دیتا ہے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کہاں الٹے پھرے جاتے ہو؟ (پ22، الفاطر:3)

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں خدا کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا بیان ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار اِحسانات ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: * اللہ تعالیٰ نے رات کا اندھیرا، دن کی روشنی، سورج، چاند اور ستاروں کا نظام پیدا فرمایا * زمین و آسمان کی پیدائش اور ان کے ذریعے انسان کو سہولیات فراہم کی * ہواؤں، بادلوں، دریاؤں اور سمندروں ان سب کے مجموعے سے دنیا کے کونے کونے میں لوگوں کی زندگی کی بنیادی ضرورت "پانی" کو دستیاب کیا * نظامِ حیات کی روانی کے لئے کھانے، پینے، ذہنی قلبی سکون اور نسل کا سلسلہ چلایا * پھر انسانوں پر خدا کی نعمتوں کے سلسلے میں سب سے عظیم نعمت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے جن کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے سلسلے کو مرتبہ کمال تک پہنچایا اور تمام اِنسانوں کے لئے رُشد و ہدایت، ایمان کی صحت، کردار کی پاکیزگی، نفوس کے تزکیہ اور دلوں کی تطہیر کا سب سے بڑا وسیلہ بنایا۔

(3) پانی ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ اگر زمین پر پانی نہ ہوتا، تو زمین پر زندگی ہی وجود میں نہ آتی اور اگر آج بھی کسی وجہ سے زمین سے پانی ختم ہو جائے تو نہ صرف انسانی زندگی بلکہ حیوانات و نباتات سب کے سب مر جائیں، ہر وہ چیز جسے آپ زندہ کہتے ہیں وہ پانی کے بغیر مردہ ہے اور پانی زندگی کا دوسرا نام ہے۔

(4) انسان کی تخلیق خدا کی قدرت کے مظاہر میں سے ایک نہایت عظیم اور دلچسپ مظہر ہے۔ خدا نے انسان کو عدم سے وجود بخشا، انسان کچھ نہ تھا، خدا نے اسے اشرف المخلوقات بنا دیا، انسان ذِکر کے قابل نہ تھا، خدا نے اسے رشکِ ارض و سما بنا دیا۔ ان سب چیزوں میں اور باقی ساری کائنات میں شانِ ربوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

(5) اللہ نے انسان کو پیدا فرما کر اسے زندہ رہنے کے لیے رزق عطا فرمایا، حالانکہ رزق دینا اس پر واجب نہ تھا، لیکن

www.dawateislami.net

پھر بھی رزق کو اپنے ذمۂ کرم پر لیا اور نہ صرف بقدرِ ضرورت رزق دیا، بلکہ انسان کا ذائقہ بدلنے کے لیے اسے انواع و اقسام کے کھانے اور مشروب عطا فرمائے۔

محاسبہ:

انسان پر سب سے بڑھ کر اِحسان فرمانے والی ہستی "اللہ تعالیٰ" کی ذات ہے۔ سارا جہان، زمین اور اُس پر ہمارے اَسبابِ حیات کو مہیا فرمانا، نیز ہماری بقا کے لیے مسلسل رزق کی فراوانی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ ہم انسانوں کو اِن اِنعاماتِ الٰہی کو یاد کرنے اور خدا کا شکر بجالانے کا حکم ہے۔ آیئے اس حوالے سے اپنی عملی حالت کا جائزہ لیں۔

(1) کیا ہم خدا کی نعمتوں کو یاد کرتے اور اُن پر اُس کا شکر ادا کرتے ہیں؟

(2) جس مالک و خالق نے ہمیں رشکِ ارض و سما بنایا، کیا اُس مالک کی دی ہوئی نعمتوں پر دل و زبان سے شکر ادا کرتے ہیں؟

(3) شکرِ نعمت کی صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی، اُسے اس کے حکم کے مطابق اِستعمال کیا جائے۔ کیا ہم خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو خدا کی رضا کے مطابق اِستعمال کرتے ہیں؟

(4) آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں، سب خدا کی نعمتیں ہیں، کیا ہم اِن اَعضاء کو نافرمانی میں اِستعمال کر کے ناشکری کے مرتکب تو نہیں؟

(5) کیا ہم نعمتوں سے نظر ہٹا کر عارضی محرمیوں پر رونے والے یا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے ہیں؟

(6) اللہ تعالیٰ نے حلال کھانے اور حرام سے بچنے کا حکم دیا، ہم بحیثیتِ مسلمان اس نعمتِ رزق کے حصول کے لیے کس قدر حلال و حرام کی پروا کرنے والے ہیں؟

(7) کیا ہم اپنے اور بچوں کے پیٹ میں لقمۂ حرام داخل کرنے والے تو نہیں؟

(8) کیا ہم پانی اور خدا کی دِیگر نعمتوں کو ضائع کر کے اُس کی ناشکری کرنے والوں میں سے تو نہیں ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اِحسان فراموشی، ناشکری اور حرام مال سے محفوظ فرمائے، آمین۔

❁❁❁

www.dawateislami.net

آیت نمبر:17 دُنیا اور شیطان کے دھوکے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ(۵) اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ(۶)

(پ22، الفاطر:5-6)

ترجمہ: اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو ہر گز دنیا کی زندگی تمہیں دھوکا نہ دے اور ہر گز بڑا فریبی تمہیں اللہ کے بارے میں فریب نہ دے۔ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے تاکہ وہ بھی دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! جس قیامت کی تمہیں خبر دی گئی ہے، اِسے بعید ہر گز نہ سمجھو، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہوتا ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی کی فانی لذتیں تمہیں ہر گز دھوکا نہ دیں کہ تم ان لذتوں پر فریفتہ ہو کر ایمان کی نعمت سے محروم رہ جاؤ اور بڑا دھوکا دینے والا شیطان بھی دور دراز کی اُمیدوں میں ڈال کر تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں ہر گز نہ ڈالے۔ مکار و فریبی شیطان تمہارا دشمن ہے، لہٰذا تم ہمیشہ اِسے اپنا دشمن ہی سمجھو اور کسی بھی معاملے میں اِسے اپنا خیر خواہ نہ سمجھو۔ یہ فریبی اپنے پیروی کرنے والے گروہ کو کفر اور گناہوں کی اس لیے دعوت دیتا ہے، تاکہ وہ سب بھی اِس کے ساتھ دوزخ کی آگ میں جلیں۔

آیت پر تفصیلی کلام:

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی کہ اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، قیامت ضرور آنی ہے، مرنے کے بعد ضرور اُٹھنا ہے، اعمال کا حساب یقیناً ہو گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا بے شک ملے گی، تو ہر گز دنیا کی زندگی تمہیں دھوکا نہ دے کہ اس کی لذّتوں میں مشغول ہو کر تم آخرت کو بھول جاؤ۔[1]

پہلی آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪﴾ اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو ہر گز دنیا کی زندگی تمہیں دھوکا نہ دے۔

---

1 ..... تفسیر خازن، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ:5، 3/529 تا 530 ملخصاً۔ تفسیر ابی سعود، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ:5، 4/362 ملتقطاً۔

www.dawateislami.net

دنیا کی زندگی سے دھوکا نہ کھائیں:

دنیا کی زندگی اپنی لذتوں اور چاشنیوں کے ذریعے انسان کو غفلت کا شکار کر دیتی ہے۔ اس کے مسحور کن مزے بندے کو خدا سے دور اور خواہشات کا اسیر بنا دیتے ہیں۔ اس غفلت پر متنبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًاؕ وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ(۲۰)

(پ27، الحدید:20)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل کود اور زینت اور آپس میں فخر و غرور کرنا اور مالوں اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا ہے۔ (دنیا کی زندگی ایسے ہے) جیسے وہ بارش جس کا اُگایا ہوا سبزہ کسانوں کو اچھا لگا پھر وہ سبزہ سوکھ جاتا ہے تو تم اسے زرد دیکھتے ہو پھر وہ پامال کیا ہوا (بے کار) ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا (بھی ہے) اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

یہی تجھ کو دُھن ہے رہُوں سب سے بالا — ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟ — تجھے حُسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
کوئی تیری غفلت کی ہے اِنتہا بھی؟ — جنون چھوڑ کر اب ہوش میں آ بھی
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

دُنیا کی زندگی کہ سامانِ فریب ہے، اِس فریب سے نکلنے کے لئے موت و آخرت کی یاد بہت مفید ہے۔ اِن دونوں باتوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىٕقَةُ الْمَوْتِؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ(۱۸۵) (پ4، اٰلِ عمران:185)

ترجمہ: ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تمہیں تمہارے اجر پورے پورے دیئے جائیں گے تو جسے آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

لہٰذا دُنیا کی رنگینیوں اور اس کی لذّتوں میں کھونے کے بجائے اپنی آخرت کی تیاری میں مصروف رہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں یوں رہو

www.dawateislami.net

گویا تم مسافر ہو یا راہ چلتے آدمی۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما فرماتے تھے کہ جب تم شام پالو تو صبح کے منتظر نہ رہو اور جب صبح پالو تو شام کی امید نہ رکھو اور اپنی تندرستی سے بیماری کے لیے اور زندگی سے موت کے لیے (پہلے سے) تیاری رکھو۔[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی رنگینیوں سے دھوکا نہ کھانے کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔

انسان کو دھوکے میں ڈالنے والی چار چیزیں:

انسان کو دھوکے اور غفلت میں ڈالنے اور عبادت سے دور کرنے والی چار چیزیں ہیں: (1) دنیا (2) مخلوق (3) شیطان (4) نفس۔

پہلا سبب: دُنیا:

دُنیا کی محبت ہی غفلت اور گناہوں کا بڑا سبب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ یعنی دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ، بنیاد ہے۔[2]

دنیا کو تو کیا جانے یہ بِس کی گانٹھ ہے حرّافہ — صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دِکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کُش — اس مُردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی خرابیاں یاد کریں، جیسے یہ کہ دنیا کا نفع بہت تھوڑا اور جلد ختم ہونے والا ہے اور دنیا کی غفلت، آخرت کی عظیم نعمتوں سے محروم کرنے والی ہے، پھر عملی طور پر یہ کریں کہ تنہائی اِختیار کر لی جائے تاکہ اِستقامت اور کثرت سے عبادت کی جا سکے۔ تنہائی کے لئے مفید و معاون شے زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی ہے، جس سے عبادت کی مقدار اور حلاوت میں اِضافہ ہو جاتا ہے۔ زہد کی دو قسمیں ہیں: اِختیاری اور غیر اِختیاری۔ اِختیاری زہد یہ ہے کہ جو پاس نہ ہو اس کی طلب نہ کرے اور جو پاس ہو اس میں زائد از ضرورت تقسیم کر دے۔ غیر اِختیاری زہد یہ ہے کہ دل دُنیاوی اَشیاء کے شوق و خیالات سے سرد پڑ جائے۔

محبتِ دنیا سے نجات کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی دینی مصروفیات میں اِضافہ کر لے۔ نیک لوگوں کی صحبت میں

---

1 ..... بخاری، 4/223، حدیث: 4616۔
2 ..... موسوعۃ لابن ابی الدنیا، 5/22، حدیث: 9۔

www.dawateislami.net

بیٹھے، نمازوں کی پابندی کرے، ذِکر و تلاوت و دُرُود اپنے معمول میں شامل کر لے، علمِ دین پڑھنا سننا شروع کر دے۔ الغرض اچھی مصروفیت جتنی بڑھے گی، دنیا کی غافلانہ مصروفیت اتنی کم ہو جائے گی۔

دوسرا سبب: مخلوق:

ہزاروں گناہ ہوتے ہی تب ہیں جب اِنسان مخلوق سے میل جول کی کثرت کرتا ہے۔ غیبت، جھوٹ، بہتان اور بدنگاہی وغیرہا سب گناہ، مخلوق سے میل جول ہی کی صورت میں واقع ہوتے ہیں۔ اس میں جتنی کمی کی جائے، گناہوں میں اتنی ہی کمی ہو جائے گی۔ آج کے زمانے میں فتنوں کی کثرت، ایمان کی کمزوری، گناہوں کی گرم بازاری، دل، نگاہ اور زبان کی حفاظت کا خیال نہ ہونا عام ہے۔ ایسے میں زیادہ محفوظ وہی ہے جو مخلوق سے میل جول کم رکھتا ہے، لہٰذا زیادہ سے زیادہ تنہائی اِختیار کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ دنیادار لوگ تو اللہ سے غافل کر کے برائی اور ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ لوگ وعدہ خلافی میں مبتلا ہو جائیں اور امانت میں خیانت کرنے لگیں پھر آپ نے انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال کر اِرشاد فرمایا اور یوں ہو جائیں (یعنی ان انگلیوں کی طرح دست و گریبان ہو جائیں)، حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ مجھے آپ پر قربان کرے اس وقت کیا کروں؟ فرمایا: گھر میں بیٹھے رہنا، اپنی زبان کو قابو میں رکھنا، اچھی چیز اِختیار کرنا، بُری بات کو چھوڑ دینا، صرف اپنے معاملے کی فکر کرنا اور عام لوگوں کا خیال چھوڑ دینا۔[1]

یاد رکھیں جب لوگ ہمیں قبر میں تنہا چھوڑ آئیں گے تو ایسے بھلا دیں گے کہ گویا ہم نے کبھی انہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ پھر قبر میں نیک اعمال ہی نجات دیں گے تو کیا یہ نقصان نہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ ہم نے تھوڑا عرصہ رہنا ہے، ان کی خاطر اپنی قیمتی زندگی ضائع کر دیں۔

تیسرا سبب: شیطان:

عبادت کی راہ میں تیسری رکاوٹ شیطان ہے۔ شیطان سے جنگ اور اس پر سختی کرنا ضروری ہے، کیونکہ دشمن سے کسی نفع کی اُمید نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو ہلاکت ہی ملتی ہے اور ایسے خطرناک دشمن سے بے خوف یا غافل رہنے کی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں۔ آگے اس کے متعلق تفصیلی کلام آرہا ہے۔

---

1 .....ابو داود، 4/165، حدیث: 4343۔

www.dawateislami.net

چوتھا سبب: نفس:

نفس، سب سے زیادہ نقصان دہ دشمن ہے، اس کی آفت بہت سخت اور اس کا علاج سب سے مشکل ہے، کیونکہ یہ اندر کا چور ہے اور جو گھر کا چور ہو اس سے بچنا مشکل اور اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ نفس انسان کا وہ دشمن ہے، جس کا نقصان شیطان سے بھی بڑھ کر ہے، بلکہ خود شیطان کو گمراہ کرنے والی چیز اُس کا نفس تھا۔ نفس کی آرزوئیں بے لگام اور خواہشیں بے شمار ہیں۔ یہ خواہشات بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچ جاتی ہیں کہ بندگانِ نفس کے لیے اُن کا نفس بمنزلہِ خدا بن جاتا ہے اور بندہ اس کی ہر خواہش پر عمل کر کے خود کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کے کانوں اور دلوں پر مہر لگ جاتی اور آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، جس کی وجہ سے ہدایت و نصیحت انہیں سنائی نہیں دیتی اور حق کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی صورتِ حال کو قرآنِ مجید میں یوں بیان فرمایا گیا:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝۲۳ (پ25، الجاثیۃ:23)

ترجمہ: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے گا؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

نفس کی اِن ہلاکت خیز کارستانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بار بار اِس کی طرف سے متنبہ کیا ہے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک سے یہ حقیقت یوں تعلیم فرمائی:

وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝۵۳ (پ13، یوسف:53)

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

برائیوں کی طرف دعوت دینے والے نفس کو "نفسِ اَمّارہ" کہتے ہیں۔ نفس اَمّارہ کا سب سے بڑا ہتھیار "خواہشات کا جال" ہے، جس میں اُلجھا کر اِنسان کو لذتوں کا ایسا اَسیر بناتا ہے کہ بندہ اُس سے نکلنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، اسے نہ خدا یاد رہتا ہے اور نہ آخرت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خواہشِ نفس کی تباہ کاریاں بکثرت بیان فرمائیں اور نفس کے پیچھے چلنے سے بار بار منع کیا، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا:

www.dawateislami.net

وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ۠ (پ23، ص:26)

ترجمہ: اور نفس کی خواہش کے پیچھے نہ چلنا ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی بیشک وہ جو اللہ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس بنا پر کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔

بلکہ ایسے لوگوں سے بھی دور رہنے کا حکم دیا جو نفسانی خواہشات کا شکار اور خدا کو بھولے ہوئے ہیں، چنانچہ فرمایا:

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (پ15، الکھف:28)

ترجمہ: اور اس کی بات نہ مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

نبیِ رَحمت، صاحبِ کتاب و حکمت، شفیعِ اُمَّت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ہلاک کرنے والی چیزوں میں نفس کو شمار کیا، چنانچہ فرمایا: تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں: (1) وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (2) وہ نفسانی خواہشات جن کی پیروی کی جائے (3) آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا۔[1] ایک حدیثِ مبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے نفسانی خواہشات اور اِنسان کی کیفیات کو اِس قدر کھول کر بیان فرمایا کہ سمجھ دار کے لیے وہ ایک حدیث ہی نفس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے کافی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی تو حضرت جبریل علیہ السّلام سے فرمایا: جاؤ اسے دیکھو۔ وہ گئے اور جنت اور جو نعمتیں اس میں جنتیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کی ہیں، اُنہیں دیکھا، پھر آئے اور عرض کی: یارب! تیری عزت کی قسم، جو (اس کے بارے میں) سنے گا، وہ اس میں داخل ہو گا (یعنی اس میں داخل ہونے کی ضرور کوشش کرے گا)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کو مشقتوں سے ڈھانپ دیا (یعنی جنت میں جانے کے لیے شریعت کے اَحکام کی مشقتیں برداشت کرنی ہوں گی) اور (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے جبریل! جاؤ اسے دیکھ کر آؤ۔ وہ گئے اور اسے دیکھا، پھر آئے اور عرض کی: یارب! تیری عزت کی قسم، مجھے خطرہ ہے کہ جنت میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آگ (جہنم) پیدا کی تو فرمایا: اے جبریل! جاؤ اور اسے دیکھو۔ وہ گئے اور اسے دیکھا، پھر آئے اور عرض کی: یارب! تیری عزت کی قسم، جو اس کے بارے میں سنے گا، وہ اس میں داخل نہ ہو گا (یعنی اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لذّتوں سے گھیر دیا (یعنی جو نفس کی ناجائز لذتوں میں پڑے گا، وہ جہنم میں جائے گا)، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! اسے دیکھو۔ وہ گئے اور اسے دیکھ کر عرض کی: یارب! تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ اس میں داخل ہوئے بغیر کوئی

[1] ..... شعب الایمان، 1/471، حدیث: 745۔

www.dawateislami.net

نہ بچے گا۔[1]

درسِ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت جیسی عظیم جگہ میں داخلہ خواہشاتِ نفسانی سے بچنے پر موقوف کیا ہے اور جہنم میں داخل ہونے سے نجات بھی خواہشات سے بچنے ہی پر موقوف رکھی ہے، لہٰذا خدا کی بارگاہ میں کامیابی کا حصول نفس کو برائیوں سے پاک کرنے میں ہے، جبکہ نفس کو گناہوں میں چھپا دینا، خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینا، ہلاکت اور ناکامی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اسے یوں بیان فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰىۙ(۳۷) وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاۙ(۳۸) فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ(۳۹) وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ(۴۰) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ(۴۱)

(پ30، النازعات:37تا41)

ترجمہ: تو بہر حال وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بیشک جہنم ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے اور رہا وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا۔ تو بیشک جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے۔

یعنی جس شخص نے سرکشی اِختیار کی، نافرمانی میں حد سے گزرا، دُنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی اور اپنی نفسانی خواہشات کا غلام بنا، تو بیشک جہنم ہی اس شخص کا ٹھکانا ہے، جبکہ وہ شخص جو اپنے رب عزوجل کے حضور قیامت کی پیشی سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو حرام چیزوں کی خواہش سے روکا، تو بیشک جنت ہی اس شخص کا ٹھکانا ہے۔

نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا طریقہ:

نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ "مجاہدہ" ہے، یعنی نفس کی من مانی کے خلاف کرنا۔ نفس کی اکثر خواہشات بری ہوتی ہیں، اُن سے نفس کو روکنا اور اتنا روکنا کہ نفس گناہ سے رُکنے کا عادی ہو جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اِطاعت و اِتباع کرنا زندگی کا ترجیحی عمل بن جائے۔ اِسی سے ایمان کامل ہوتا ہے اور اسی سے آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے (دین) کے تابع نہ ہو جائے۔[2] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ(۵۲)﴾ (پ18، النور:52) ترجمہ: اور جو اللہ اور اس

1 ..... ابو داؤد، 4/312، حدیث:4744۔

2 ..... شرح السنۃ، 1/185، حدیث:104۔

www.dawateislami.net

کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس (کی نافرمانی) سے ڈرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

عبادات کی پابندی، نفس کے دبانے اور اسے مغلوب کرنے ہی کی صورتیں ہیں کہ نفس نماز، روزے اور زکوٰۃ وغیرہا سے بھاگتا ہے اور قوتِ اِرادی اِستعمال کر کے جب عبادات کی پابندی کی جائے تو نفس مغلوب ہو کر مطیع بن جاتا ہے۔ اس لئے نفس پر قابو پانے کا ایک مفید طریقہ عبادات کی کثرت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفسانی خواہشات کی پیروی سے بچنے اور قرآن وحدیث کے اَحکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پہلی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۝۵﴾ اور ہر گز وہ بڑا فریبی تمہیں اللہ کے بارے میں فریب نہ دے۔

گناہوں پر اِصرار کے باوجود شیطان تمہارے دِلوں میں یہ وَسوسہ ڈالے گا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفورٌ رَّحیم ہے اور اس اُمید پر تمہیں گناہوں میں مبتلا رکھے گا لیکن خدا کی اِطاعت سے دور کرنے کے لئے یہ شیطان کا بڑا دھوکا ہے، لہٰذا خدا کے عَفْو و کرم کی جھوٹی اُمیدیں دِلا کر شیطان تمہیں ہر گز فریب نہ دے کہ تم جو چاہو عمل کرو، خدا تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک گناہگار کی مغفرت ہو جانا ممکن ہے لیکن مغفرت کی اُمید پر گناہ کرنا ایسے ہے جیسے طبیب کے علاج کی اُمید پر زہر کھانا۔

صدرُ الافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃُ اللہِ علیہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: شیطان تمہارے دِلوں میں یہ وَسوسہ ڈال کر (تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر گز فریب نہ دے) کہ گناہوں سے مزہ اُٹھالو، اللہ تعالیٰ حِلم فرمانے والا ہے وہ درگُزر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بے شک حلم والا ہے لیکن شیطان کی فریب کاری یہ ہے کہ وہ بندوں کو اِس طرح توبہ و عملِ صالح سے روکتا ہے اور گناہ و معصیت پر جَری کرتا ہے، اس کے فریب سے ہوشیار رہو۔[1]

گناہوں اور اُمید سے متعلق مسلمانوں کا حال:

فی زمانہ مسلمانوں کی عمومی حالت یہ ہے کہ وہ طرح طرح کے گناہوں میں مصروف ہیں اور قرآن وحدیث سن کر بھی نیک اَعمال کی طرف راغب نہیں ہوتے اور گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں بلکہ بعض لوگ یہ سوچ کر گناہ کرتے ہیں کہ ہم بعد میں توبہ کر لیں گے، یونہی بعض مسلمان فرائض کی بجا آوری اور حرام و ممنوع کاموں سے بچنے میں تو اِنتہائی غفلت

1 ..... خزائن العرفان، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ: 5، ص783۔

www.dawateislami.net

اور لاپرواہی کا شکار ہیں جبکہ مستحب کاموں کو نجات کا ذریعہ سمجھ کر ان کے اِنتہائی پابند ہیں، حالانکہ فرائض مُقدَّم ہیں۔ یہ سب دھوکے کی مختلف صورتیں ہیں۔

شیطان کے بندے کو دھوکے میں ڈالنے کی چند صورتیں اور ان کا علاج:

نیکیوں کی طرف آنے اور گناہ چھوڑ کر توبہ کرنے میں کیا چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں، اگر انہیں سمجھ کر ہمت سے ان کا علاج کر لیا جائے تو نیک اعمال اپنانا اور زندگی سنوارنا مشکل نہیں۔ یہاں غفلت کے چند اَسباب اور ان کے علاج بیان کئے جاتے ہیں:

پہلی وجہ گناہوں کے انجام سے غافل رہنا ہے۔ اِس کا حل یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مذکور گناہوں کی سزائیں پڑھے، ان پر بار بار غور کرے اور یہ تصور کرے کہ وہ خود ان سزاؤں سے گزر رہا ہے۔ گناہوں کی سزائیں مثلاً اِس طرح یاد رکھیں کہ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑے گا، اللہ عزوجل اس کا نام جہنم کے اُس دَروازے پر لکھ دے گا جس سے وہ اس میں داخل ہو گا۔[1] جو زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا بروزِ قیامت اس کا مال سانپ کی صورت میں اس پر مُسَلَّط کر دیا جائے گا۔[2] روزہ نہ رکھنے والے جہنم میں گھٹنوں کے بل لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان کے جبڑوں سے خون بہہ رہا ہو گا۔[3] جو فرض حج نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔[4] والدین کا نافرمان کبیرہ گناہ کا مرتکب اور جہنمی ہے۔[5] جس کا گوشت حرام سے نَشْوونما پائے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا، آگ اس کی زیادہ حق دار ہے۔[6] سود کھانے اور کھلانے والے لعنتی ہیں۔[7] رشوت لینے اور دینے والے جہنمی ہیں۔[8] بدکاری کرنے والے مرد و عورت آگ میں برہنہ ہوں گے، جب آگ کے شعلے بلند ہوں گے تو وہ اوپر آجائیں گے اور جب شعلے کم ہوں گے تو شعلوں کے

---

1 ..... جمع الجوامع، 7/129، حدیث: 21641۔
2 ..... بخاری، 1/474، حدیث: 1403 ملخصًا۔
3 ..... صحیح ابن خزیمہ، 3/237، حدیث: 1986 ملخصًا۔
4 ..... ترمذی، 2/219، حدیث: 812 ملخصًا۔
5 ..... مسلم، ص60، حدیث: 259 ملخصًا۔ قرۃ العیون مع روض الفائق، ص403 ملخصًا۔
6 ..... مجمع الزوائد، 5/445، حدیث: 9263۔
7 ..... مسلم، ص663، حدیث: 4092 ملخصًا۔
8 ..... مجمع الزوائد، 4/359، حدیث: 7026۔

www.dawateislami.net

ساتھ وہ بھی اندر چلے جائیں گے۔[1] مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے تکلیف دینے والا ایمان کے کمال سے محروم ہے۔[2] عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے والے پر اللہ اور فرشتوں اور تمام اِنسانوں کی لعنت ہے۔[3] خیانت کرنے والا منافق ہے۔[4] بدنگاہی کرنے والے کی آنکھوں میں آگ ڈالی جائے گی۔[5] اَلغرض اس طرح گناہوں کی وعیدیں یاد کرتا رہے تو گناہ چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

دوسری وجہ دل پر گناہوں کی لذت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ بندہ سوچے کہ جب میں چند سالہ زندگی کے مختصر ایام میں ان لذتوں کو نہیں چھوڑ سکتا تو مرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لذتوں (یعنی جنت کی نعمتوں) سے محرومی کیسے برداشت کروں گا؟ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کے متعلق بار بار پڑھیں، سوچیں اور مقابلہ کر کے دیکھیں کہ دنیا کی لذتیں عظیم ہیں یا آخرت کی؟ آیئے ذرا ایک نظر جنت کی نعمتوں پر ڈالیں۔ صدر الشریعہ، حضرت مولانا امجد علی اعظمی رحمۃُ اللہِ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جنت ایک مکان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے بنایا ہے، اس میں وہ نعمتیں مہیا کی ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ کسی آدمی کے دِل پر ان کا خطرہ گزرا۔ جو کوئی مثال اس کی تعریف میں دی جائے سمجھانے کے لیے ہے، ورنہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شے کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔۔۔ اگر جنت کی کوئی ناخن بھر چیز دنیا میں ظاہر ہو تو تمام آسمان و زمین اُس سے آراستہ ہو جائیں اور اگر جنتی کا کنگن ظاہر ہو تو آفتاب کی روشنی مٹا دے، جیسے آفتاب ستاروں کی روشنی مٹا دیتا ہے۔ جنت کی اتنی جگہ جس میں کوڑا (چابک) رکھ سکیں، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جنت کتنی وسیع ہے، اس کو اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) ہی جانیں، اِجمالی بیان یہ ہے کہ اس میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں میں وہ مسافت ہے، جو آسمان و زمین کے درمیان ہے۔۔۔ اس میں قسم قسم کے جواہر کے محل ہیں، ایسے صاف و شفاف کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا اندر سے دکھائی دے۔ جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مُشک کے گارے سے بنی ہیں، ایک اینٹ سونے کی، ایک

---

1 ..... بخاری، 1/467، حدیث: 1386 ملخصاً۔
2 ..... بخاری، 1/15، حدیث: 10 ملخصاً۔
3 ..... بخاری، 4/505، حدیث: 7300 ملخصاً۔
4 ..... بخاری، 1/24، حدیث: 33 ملخصاً۔
5 ..... مکاشفۃ القلوب، ص10۔

www.dawateislami.net

چاندی کی، زمین زعفران کی، کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت۔۔۔ جنت میں چار دریا ہیں، ایک پانی کا، دوسرا دودھ کا، تیسرا شہد کا، چوتھا شراب کا، پھر اِن سے نہریں نکل کر ہر ایک کے مکان میں جاری ہیں۔ وہاں کی نہریں زمین کھود کر نہیں بہتیں، بلکہ زمین کے اوپر اوپر رواں ہیں، نہروں کا ایک کنارہ موتی کا، دوسرا یاقوت کا اور نہروں کی زمین خالص مشک کی۔۔۔ جنتیوں کو جنت میں ہر قسم کے لذیذ سے لذیذ کھانے ملیں گے، جو چاہیں گے فوراً ان کے سامنے موجود ہو گا، اگر کسی پرند کو دیکھ کر اس کے گوشت کھانے کو جی ہو تو اُسی وقت بُھنا ہوا اُن کے پاس آجائے گا، اگر پانی وغیرہ کی خواہش ہو تو کوزے خود ہاتھ میں آجائیں گے، ان میں ٹھیک اندازے کے موافق پانی، دودھ، شراب، شہد ہو گا کہ ان کی خواہش سے ایک قطرہ کم نہ زیادہ، بعد پینے کے خود بخود جہاں سے آئے تھے چلے جائیں گے۔۔۔ جنتیوں کے نہ لباس پرانے پڑیں گے، نہ ان کی جوانی فنا ہو گی۔ پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا، اُن کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند اور دوسرا گروہ جیسے کوئی نہایت روشن ستارہ، جنتی سب ایک دل ہوں گے، ان کے آپس میں کوئی اِختلاف و بغض نہ ہو گا۔۔۔ جنت میں نیند نہیں، کہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور جنت میں موت نہیں۔ جنتی جب جنت میں جائیں گے ہر ایک اپنے اَعمال کی مقدار سے مرتبہ پائے گا اور اس کے فضل کی حد نہیں۔ پھر اُنہیں دنیا کی ایک ہفتہ کی مقدار کے بعد اجازت دی جائے گی کہ اپنے پروردگار عزوجل کی زیارت کریں اور عرشِ الٰہی ظاہر ہو گا اور رب عزوجل جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلّی فرمائے گا اور ان جنتیوں کے لیے منبر بچھائے جائیں گے، نور کے منبر، موتی کے منبر، یاقوت کے منبر، زَبرجَد کے منبر، سونے کے منبر، چاندی کے منبر اور اُن میں کا ادنیٰ (جنتی) مشک و کافور کے ٹیلے پر بیٹھے گا اور اُن میں ادنیٰ کوئی نہیں، اپنے گمان میں کرسی والوں کو کچھ اپنے سے بڑھ کر نہ سمجھیں گے اور خدا کا دیدار ایسا صاف ہو گا جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو ہر ایک اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے، کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے لیے مانع نہیں۔۔۔ سب سے کم درجہ کا جو جنتی ہے اس کے باغات اور بیبیاں اور نعیم و خدّام اور تخت ہزار برس کی مسافت تک ہوں گے اور اُن میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب میں معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجہِ کریم کے دیدار سے ہر صبح و شام مشرّف ہو گا۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا زِیَارَۃَ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ بِجَاہِ حَبِیْبِکَ الرَّؤُوْفِ الرَّحِیْمِ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالتَّسْلِیْمُ، اٰمین![1]

---

1 ..... بہارِ شریعت، 1/152، حصہ:1۔

www.dawateislami.net

مذکورہ بالا نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملیں گی۔ اب اس بات پر غور کریں کہ دنیا کی لذتیں ایک انسان کے لئے عموماً پچاس سے ساٹھ سال تک کی ہوتی ہیں جبکہ جنت کی لذتیں کروڑوں اَربوں کھربوں سالوں سے بھی زیادہ عرصے یعنی ہمیشہ کے لئے ہیں تو مجھے ہمیشہ کی لذتیں چھوڑ کر پچاس ساٹھ سال کی لذتوں میں پڑنا چاہیے یا پچاس ساٹھ سال کی لذتوں کو چھوڑ کر کھربوں سال کی لذتوں کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ دوسرے انداز میں یوں سمجھ لیں کہ کسی کو کہا جائے کہ اگر تم ساٹھ ہزار روپے لوگے تو اگلے سال تمہیں کچھ نہیں ملے گا لیکن اگر اِس سال ساٹھ ہزار روپے چھوڑ دو تو اگلے سال ساٹھ کھرب روپے تمہیں دیئے جائیں گے۔ غور کریں کہ ہم کیا سودا کریں گے؟ یقیناً کھربوں روپے لینے کی کوشش کریں گے تو اپنے نفس سے کہیں کہ یہی حال دنیا و آخرت کی لذتوں کا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تکلف کر کے نیک اَعمال اِختیار کرے اور رضائے الٰہی کے حصول اور اس کی عظمت کا بار بار سوچے تو نیکیوں کی رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔

تیسری وجہ موت کو بھول جانا ہے اور طویل عرصہ زندہ رہنے کی اُمید ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ آدمی غور کرے کہ دیر ہی سے سہی، لیکن موت کا آنا یقینی ہے تو اس یقینی موت کی ہی تیاری کرنی چاہیے، نیز ہم دن رات دیکھتے اور سنتے ہیں کہ بچپن، جوانی میں ہی ہزاروں اِنسان مر جاتے ہیں اور یونہی راہ چلتے یا بیٹھے بیٹھے بھی اچانک موت کا شکار ہونے والے کم نہیں ہیں۔ تو کیا معلوم کہ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو جائے اور اگلے چند لمحوں یا دنوں ہی میں مر جائیں۔ جتنا موت کو قریب سمجھیں گے اتنا ہی لمبی اُمیدیں کم ہوں گی۔

ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے — مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے
ہوئے ناموَر بے نشاں کیسے کیسے — زمیں کھا گئی نوجواں کیسے کیسے

چوتھی وجہ رَحمتِ الٰہی کے بارے میں دھوکے کا شکار ہونا کہ ”اللہ تعالیٰ بڑا غفورٌ رَّحیم ہے، ہمیں اس کی رحمت پر بھروسا ہے، وہ ہمیں ہر گز عذاب نہیں دے گا۔“ یہ سوچ کر لوگ توبہ پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اس دھوکے کا خاتمہ یوں کیا جائے کہ اپنے اِس ایمان کو یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے اور قہار و جبار بھی، اس نے جنت بنائی ہے تو جہنم بھی بنائی ہے، وہ اگر رحمت فرماتا ہے تو دوسری طرف لوگ اس کے غضب کا بھی شکار ہوتے ہیں تو میرے پاس کیا ضمانت ہے کہ مجھ پر رحمت ہی ہو گی، غضب نہیں ہو گا؟ نیز اس دھوکے کا یہ بھی حل ہے کہ اپنے نفس کو سمجھائے کہ

www.dawateislami.net

خدا کے رحیم و کریم ہونے کو ہم سے زیادہ جاننے والے بلکہ جن کے بتانے سے ہمیں یہ معلوم ہوا وہ ہستیاں یعنی اَنبیا و صحابہ و اولیا تو گناہوں سے بہت زیادہ دور رہتے، توبہ کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے تو ہماری کیا اوقات ہے؟ کیا ہم اُن سے زیادہ رحمتِ الٰہی کو جانتے ہیں؟

پانچویں وجہ بُری صحبت میں مبتلا ہونا۔ حقیقت میں یہ توبہ سے محروم رہنے کی بہت بڑی وجہ ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہمت کر کے پہلی فرصت میں بری صحبت سے اِجتناب کریں، اگر فوراً چھوڑنا ممکن نہ ہو تو آہستہ آہستہ کم کر دیں اور بالآخر ختم کر دیں مثلاً پہلے دو گھنٹے غفلت والی صحبت میں بیٹھتے تھے تو آدھا آدھا گھنٹا کم کرتے جائیں، پہلے زیادہ لوگوں کے پاس بیٹھتے تھے تو اب کم کے پاس بیٹھنا شروع کر دیں اور مزید اپنی دِیگر جائز یا نیک مصروفیات میں اِضافہ کر لیں تاکہ بری صحبت کا وقت ہی نہ ملے۔

چھٹی وجہ گھر، کاروبار، نوکری اور معاشرے کی وجہ سے توبہ سے دوری۔ مثلاً گھر والے بہت سی نیکیوں میں رکاوٹ ہیں یا نوکری میں نماز پڑھنے اور داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں ملتی، کاروبار میں اتنے مذہبی لوگوں کو زیادہ لِفٹ نہیں ملتی یا معاشرے میں مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ ان سب کا حل یہ ہے: اولاً تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے حکم اور عظمت پر غور کرے کہ خدا کے حکم پر عمل کرنا چاہیے یا گھر والوں کے؟ نوکری کاروبار کے معاملے میں غور کرے کہ رازق تو خدا ہے، وہ جس کے لئے چاہے رزق وسیع کر دے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دے تو مخلوق سے کیا ڈرنا۔ معاشرے کا مسئلہ ہو تو سوچے کہ اس معاشرے نے نہ تو قبر میں کام آنا ہے اور نہ قیامت میں تو اس کا کیا لحاظ کرنا نیز معاشرے تو نبیوں اور ولیوں کا بھی مذاق اُڑاتے رہے، لہٰذا اس کی ملامت کو ہرگز نہیں دیکھنا۔

دوسری آیت کا پہلا حصہ: ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔

شیطان انسان کا بڑا پرانا دشمن ہے اور اس کی یہ دشمنی ختم نہ ہو گی لہٰذا اے لوگو، تم بھی اپنے عقائد، اَفعال اور اَعمال کے معاملے میں اسے اپنا دشمن سمجھو اور اس کی اِطاعت نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہو، شیطان تو اپنی پیروی کرنے والوں کو کفر کی طرف اسی لیے بلاتا ہے تاکہ وہ بھی دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔[1]

---

1 ..... تفسیر ابی سعود، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ: 6، 4/362 ملتقطاً۔

www.dawateislami.net

شیطان کی دشمنی کی آیات:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌۙ(۶۰) (پ23، یٰس:60)

ترجمہ: اے اولادِ آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

مزید ایک مقام پر فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا(۵۳) (پ15، بنی اسرائیل:53)

ترجمہ: بیشک شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کی دشمنی کے طریقے:

شیطان کے مکر و فریب اور حیلوں کے راستے اور مثال یہ ہے کہ وہ عبادت سے روکنے کے لیے انسان کے ساتھ سات طرح سے فریب کاری کرتا ہے:

(1) سب سے پہلے شیطان بندے کو عبادت سے روکتا ہے۔ (پھر اگر وہ اس سے نہ رکے تو)

(2) پھر شیطان اسے عمل کو ٹالنے کو کہتا ہے۔ (پھر اگر وہ ایسا نہ کرے تو)

(3) اب شیطان اُسے جلد بازی کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے: جلدی کر جلدی کر، تاکہ فلاں فلاں کام کے لیے فارغ ہو سکو۔ (پھر اگر وہ ایسا بھی نہ کرے تو)

(4) پھر شیطان اُسے لوگوں کو دِکھانے کیلئے عمل پر اُبھارتا ہے۔ (پھر اگر وہ ایسا بھی نہ کرے تو)

(5) اب وہ بندے کو خود پسندی میں مبتلا کرنے کے لیے کہے گا: تم تو بہت عظمت والے، شب بیدار اور افضل ہو۔ (پھر اگر وہ اس کی باتوں میں نہ آئے تو)

(6) پھر شیطان ایسا خطرناک وار کرتا ہے جو سب سے بڑھ کر ہے اور اسے وہی سمجھ پاتا ہے جو پوری طرح ہوشیار ہو چنانچہ وہ بندے سے کہتا ہے: تو چھپ کر عمل کر، تاکہ اللہ عزوجل اسے لوگوں میں مشہور کر دے۔ (پھر اگر وہ اس کی باتوں میں نہ آئے تو)

(7) اب شیطان اس پر مزید حملہ کرتے ہوئے کہتا ہے: تجھے عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اگر تو

www.dawateislami.net

خوش بخت پیدا کیا گیا ہے، تو عمل نہ کرنا تجھے کوئی نقصان نہ دے گا اور اگر تو بد بخت پیدا کیا گیا ہے تو عمل کرنا تجھے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ (اس موقع پر اگر اللہ اسے اِلہام فرمائے تو وہ اس سے کہے گا میں بندہ ہوں اور بندے پر لازم ہے کہ وہ بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے مولا کے حکم پر عمل کرے۔)[1]

خلاصہ کلام:

(1) اِس آیت میں دنیاوی زندگی کے دھوکے اور شیطان کی دشمنی کا بیان ہے۔

(2) انسان کو دھوکا دینے والی چار چیزیں ہیں: (۱) نفس (۲) شیطان (۳) دنیا (۴) مال۔

(3) زہد کی دو قسمیں ہیں: اِختیاری اور غیر اِختیاری۔ اِختیاری زہد یہ ہے کہ جو پاس نہ ہو اس کی طلب نہ کرے اور جو پاس ہو اس میں زائد از ضرورت تقسیم کر دے۔ غیر اِختیاری زہد یہ ہے کہ دِل دُنیاوی اَشیاء کے شوق و خیالات سے سرد پڑ جائے۔

(4) حرام میں زہد اِختیار کرنا یعنی بچنا فرض اور حلال میں نفل و مستحب ہے۔

(5) شیطان سے جنگ کرنا اور اس پر سختی کرنا ضروری ہے کیونکہ دشمن سے کسی نفع کی اُمید نہیں ہوتی، بلکہ اس سے تو ہلاکت ہی ملتی ہے۔

(6) برائی کا حکم دینے والے نفس سے بچنا ہم پر لازم ہے کیونکہ نفس سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا دشمن ہے اور اس کی آفت بھی بہت سخت ہے، اس کا علاج سب سے مشکل ہے، اس لیے کہ یہ اندر کا چور ہے اور جو گھر کے اندر کا چور ہو اس سے بچنا مشکل اور اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

(7) نیکیوں کی طرف آنے اور گناہوں کو چھوڑ کر توبہ کرنے میں کیا چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں، اگر انہیں سمجھ کر ہمت سے ان کا علاج کر لیا جائے تو نیک اَعمال اپنانا اور زندگی سنوارنا مشکل نہیں۔

(8) غفلت کے چند اَسباب یہ ہیں: پہلی وجہ گناہوں کے انجام سے غافل رہنا۔ دوسری وجہ دل پر گناہوں کی لذت کا غلبہ ہونا۔ تیسری وجہ موت کو بھول جانا۔ چوتھی وجہ رحمتِ الٰہی کے بارے میں دھوکے کا شکار ہونا۔ پانچویں وجہ بری صحبت میں مبتلا ہونا۔ چھٹی وجہ گھر، کاروبار، نوکری اور معاشرے کی وجہ سے توبہ سے دوری۔

---

1 ..... منہاج العابدین، ص 51 تا 52 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

(9) بے شک گنہگار کی مغفرت ہو جانا ممکن ہے لیکن مغفرت کی اُمید پر گناہ کرنا ایسے ہے جیسے ڈاکٹر کے اچھے علاج کی اُمید پر زہر کھانا۔

(10) شیطان کے انسان پر وار بہت متنوع قسم کے ہیں، وہ انسان کو عبادت سے روکنے کے لیے طرح طرح سے فریب کاری کرتا ہے۔

محاسبہ:

قرآنِ حکیم میں جابجا نفس و شیطان کی چالوں اور دشمنی سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ہم ذرا غور کرلیں کہ

(1) کیا ہم واقعی شیطان کو دشمن سمجھتے اور اُس کی عملی مخالفت کرتے ہیں؟

(2) جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بڑا دھوکا دینے والا فرمادیا، تو کیا ہم اس کی چالوں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(3) کیا ہم نفس کی تباہ کاریوں کو جانتے، اُس کے فریبوں کا علم رکھتے اور نفس کی شرارتوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(4) جو اَعمال و اشغال اور اسباب ہمیں یادِ الٰہی سے غافل کرتے ہیں، کیا ہم اُن سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(5) کیا ہم نیکیوں سے دور اور برائیوں کی رَغبت پیدا کرنے والی وجوہات پر غور کرتے اور اُن کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(6) کیا ہم شیطانی دھوکوں کے سبب انجامِ آخرت سے غافل، گناہوں کی فانی لذت سے مغلوب، موت کو بھولنے والے اور رَحمتِ الٰہیہ کے بارے میں دھوکے کے شکار لوگوں میں سے تو نہیں؟

(7) کیا ہم نفس و شیطان کے غلبے کی وجہ سے دنیا اور مال کی محبت میں ڈوب کر اپنی موت، قبر اور آخرت سے غافل تو نہیں ہو چکے؟

(8) کیا ہم نفس و شیطان کے اس دھوکے کا شکار تو نہیں کہ گناہ کرتے رہو، اللہ تعالیٰ تو بخش ہی دے گا، وہ بڑا غفورٌ رَّحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے شر سے محفوظ فرمائے، آمین۔

www.dawateislami.net

آیت نمبر:18 لوگوں کی محتاجی اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِۚ-وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍۙ ۝۱۶ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۱۷ (پ22، الفاطر:15-17)

ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، تمام خوبیوں والا ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! تم اپنی جان، اہل و عیال اور جملہ اُمورِ حیات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، کہ کھانے پینے سانس لینے وغیرہا، ہر چیز میں خدا کے محتاج ہو اور ان کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہر شے سے بے نیاز ہے اور کسی چیز کی محتاج نہیں، اُسے تمہاری بندگی اور عبادت کی قطعاً حاجت نہیں، پھر وہ غنی ہونے کے ساتھ جُود و بخشش فرمانے والا ہے تو اپنی عطاؤں اور خوبیوں پر وہی حمد کے لائق ہے۔ اگر وہ غنی مطلق چاہے تو تمہارے کفر اور گناہوں کی سزا میں تمہیں فنا کے گھاٹ اُتار دے اور تمہارے بدلے ایسی مخلوق لے آئے کہ جو کفر اور نافرمانی میں تمہاری طرح نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کچھ دشوار نہیں، لہٰذا تمہیں اُس بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرنا چاہیے۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِۚ﴾ ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو۔

اگرچہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن اِس آیت میں بطورِ خاص اِنسانوں کو اِس لئے مُخاطَب کیا گیا کہ اِنسان ہی مالداری کا دعویٰ کرتے اور اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اے لوگو! تم سب اپنی جان، اہل و عیال، مال اور تمام اُمور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و اِحسان کے حاجت مند ہو، تمہیں پلک جھپکنے بلکہ اس سے بھی کم مقدار میں اللہ تعالیٰ سے بے نیازی نہیں ہو سکتی، جبکہ خود وہ ذاتِ باری تمام مخلوق سے بے نیاز، ہر قسم کی حاجت سے پاک ہے اور وہی مخلوق پر اپنے اِحسانات اور اِنعامات کی وجہ سے تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔

حضرت ذُوالنُّون مصری رحمۃُ اللہِ علیہ نے فرمایا کہ مخلوق ہر دَم اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور کیوں نہ ہو گی کہ

www.dawateislami.net

ان کی ہستی اور ان کی بقا سب اس کے کرم سے ہی تو ہے۔[1] اگر تمہارا رب عزوجل چاہے تو تمہیں ہلاک کر دے کیونکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے اور وہ تم سے بے نیاز ہے اور تمہارے بجائے نئی مخلوق لے آئے جو فرمانبردار ہو، اللہ تعالیٰ کے اَحکامات کی پیروی کرنے والی ہو اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے رک جانے والی ہو اور (یاد رکھو کہ) تمہیں ہلاک کر کے نئی مخلوق لے آنا اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں، بلکہ یہ اس کے لئے بہت آسان ہے، تو اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی فرمانبرداری کرو اس سے پہلے کہ تمہارا رب عزوجل تمہیں ہلاک کر دے۔[2]

پیدائش میں بندے کی محتاجی:

اِنسان اپنے وجود ہی میں اللہ کا محتاج ہے، چنانچہ اللہ نے اِنسان کو بنایا حالانکہ وہ معدوم اور ناقابلِ ذِکر شے تھا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَوَ لَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ یَكُ شَیْــٴًـا ﴿۶۷﴾ (پ16، مریم:67)

ترجمہ: اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے پیدا کیا حالانکہ وہ کوئی شے نہ تھا۔

اِسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَیْــٴًـا ﴿۹﴾﴾ (پ16، مریم:9) ترجمہ: میں نے تو اس سے پہلے تجھے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔

اور فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ (پ29، الدھر:1)

ترجمہ: بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ وہ کوئی ذکر کے قابل چیز نہ تھا۔

رِزق میں محتاجی:

پھر انسان پیدا ہونے کے بعد زندہ رہنے کے لیے رِزق کا محتاج ہے کہ بغیر رزق کے وہ زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ خالق و مالک انسان کو رزق عطا فرماتا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے

---

1 ..... مدارک، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ:15، ص975۔

2 ..... تفسیر طبری، پ22، الفاطر، تحت الآیۃ:16 تا17، 10/405۔

www.dawateislami.net

وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۶ (پ12، ھود:6)

ذِمَّۂ کرم پر نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانے اور سپرد کئے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں موجود ہے۔

پھر یہ رزق اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جسے چاہے وسعت سے عطا فرمائے اور جسے چاہے تنگی میں مبتلا کر دے، چنانچہ فرمایا:

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ (پ13، الرعد:26)

ترجمہ: اللہ جس کیلئے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔

بیماری و مصیبت میں خدا کی طرف محتاجی:

اسی طرح جب انسان بیمار ہوتا ہے تو شِفا پانے کے لیے بھی رب کا ہی محتاج ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝۸۰ (پ19، الشعراء:80)

ترجمہ: اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

یونہی انسان کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے اِزالے کے لئے خدا کی بارگاہ ہی میں جھکنا ہوتا ہے، فرمایا:

اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝۵۳ (پ14، النحل:53)

ترجمہ: جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو۔

اور فرمایا:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ (پ23، الزمر:8)

ترجمہ: اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پکارتا ہے۔

رہائش اور اَسبابِ زندگی میں خدا کی طرف محتاجی:

اللہ نے اِنسان کو زمین میں ٹھکانا دیا، زندگی گزارنے کے اَسباب پیدا کئے اور جملہ سامانِ زندگی اُسے مہیا کیا، چنانچہ فرمایا:

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ (پ8، الاعراف:10)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا اور تمہارے لئے اس میں زندگی گزارنے کے اَسباب بنائے، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

اسی طرح اِنسان کو سفر و حضر کی رہائش کا سامان عطا کیا، چنانچہ فرمایا:

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ یَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہاری رہائش بنایا اور اس نے تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دن اور اپنے قیام کے دن بڑا ہلکا پھلکا پاتے ہو اور

www.dawateislami.net

وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ۠ ﴿۸۰﴾ (پ14، النحل:80)

بھیڑوں کی اُون اور اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو سامان اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانے کے اسباب بنائے۔

کھانے پینے میں خدا کی طرف محتاجی:

اِنسان کی بہت بڑی ضرورت خوراک ہے کیونکہ اسی سے بدنِ انسانی کی قوت اور بقا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانور، سبزیاں اور پھل پیدا کئے جو اِنسان کی غذائی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

لَكُمْ فِیْهَا دِفْٓءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ (پ14، النحل:5)

ترجمہ: ان میں تمہارے لیے گرم لباس اور بہت سے فائدے ہیں اور ان سے تم (غذا بھی) کھاتے ہو۔

اور فرمایا:

وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے سمندر تمہارے قابو میں دیدیئے تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔

(پ14، النحل:14)

اور فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۰﴾ (پ21، لقمان:10)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین میں ہر نفیس قسم کا جوڑا اگایا۔

اور فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ (پ30، النبا:14-16)

ترجمہ: اور بدلیوں سے زور دار پانی اُتارا تاکہ اس کے ذریعے اناج اور سبزہ نکالیں اور گھنے باغات۔

اور اسی خوراک کا بنیادی جزو اور زندگی کی اہم ترین ضرورت پانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بہت وافر مقدار میں ہمیں عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ (پ14، النحل:10)

ترجمہ: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، اس سے تمہارا پینا ہے اور اسی سے درخت (اُگتے) ہیں جن سے (تم جانور) چَراتے ہو۔

اور فرمایا:

www.dawateislami.net

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ (پ29، الملک:30)

ترجمہ: تم فرماؤ: بھلا دیکھو تو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہیں نگاہوں کے سامنے بہتا ہوا پانی لا دے؟

لباس میں خدا کی بارگاہ میں محتاجی:

اِنسان کی ضروریاتِ زندگی میں لباس بہت اہم ہے جو شرم وحیا کے تقاضے پورے کرتا ہے، بدن کے لئے زینت ہے اور اس کے ساتھ گرمی سردی کے اثرات سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ (پ14، النحل:81) ترجمہ: اور تمہارے لیے کچھ پہننے کے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچائیں۔

بلکہ لباس ہی میں ایک جنگی لباس ہے جو ایسے مضبوط پہناوے کی صورت میں ہوتا ہے کہ جنگ میں جسم کی حفاظت کرتا ہے، فرمایا:

وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ (پ14، النحل:81) ترجمہ: اور کچھ لباس بنائے جو لڑائی کے وقت تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۱۵﴾﴾ ترجمہ: اور اللہ ہی بے نیاز، تمام خوبیوں والا ہے۔

اللہ کی شانِ بے نیازی پر آیت:

اللہ سارے جہاں سے بے نیاز، ہر قسم کی حاجت سے پاک اور اپنی ذات میں کامل ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ (پ4، آلِ عمران:97) ترجمہ: اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔

اور فرمایا:

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ (پ26، محمد:38)

ترجمہ: ہاں ہاں یہ تم ہو جو بلائے جاتے ہو تاکہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾﴾ (پ30، الاخلاص:2) ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

www.dawateislami.net

اللہ کی شانِ بے نیازی پر اَحادیث:

پہلی حدیث:

حضرت اَبُوذر رضی اللہُ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے حدیثِ قدسی بیان کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندو! میں نے ظلم کرنا اپنی ذات پر حرام کر رکھا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام قرار دیا ہے، اس لیے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جسے میں ہدایت دے دوں، اس لیے مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو، سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں، اس لیے مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب کے سب بے لباس ہو، سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں، لہٰذا مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں ہی سب کے سب گناہ معاف کرتا ہوں، سو مجھ سے مغفرت مانگو میں تمہارے گناہ معاف کروں گا۔ میرے بندو! تم کبھی مجھے نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھو گے کہ مجھے نقصان پہنچا سکو، نہ کبھی مجھے فائدہ پہنچانے کے قابل ہو گے کہ مجھے فائدہ پہنچا سکو۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے والے اور تمہارے بعد والے اور تمہارے اِنسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے ایک اِنتہائی متقی اِنسان کے دِل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اِضافہ نہیں ہو سکتا۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے والے اور تمہارے بعد والے اور تمہارے اِنسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے سب سے فاجر آدمی کے دِل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور تمہارے پچھلے اور تمہارے اِنسان اور تمہارے جن سب مل کر ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دوں تو اس سے جو میرے پاس ہے، اس میں اتنا بھی کم نہیں ہو گا جو اس سُوئی سے (کم ہو گا) جو سمندر میں ڈالی (اور نکال لی) جائے۔ [1]

دوسری حدیث:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہُ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو فرماتے سنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابنِ آدم! جب تک تو مجھے پکارتا اور مجھ سے پُر اُمید رہے گا، میں تجھے بخشتا رہوں گا، جو بھی گناہ ہوں گے اور میں کوئی پروا

1 ..... مسلم، ص1068، حدیث:6572۔

www.dawateislami.net

نہیں کروں گا۔ اے ابنِ آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں کوئی پرواکیے بغیر تجھے بخش دوں گا۔ اے ابنِ آدم! اگر تو زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور اس حال میں مجھے ملے کہ میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں تجھے (ان گناہوں کے) بقدر بخشش عطا کروں گا۔[1]

آیت کا تیسرا حصہ: ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍۙ(۱۹) وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ(۲۰)﴾ ترجمہ: اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔ اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، وہ چاہے تو تمہارے کفر کی سزا میں تمہیں عدم اور فنا کے گھاٹ اُتار دے اور تمہارے بدلے ایسی مخلوق لے آئے کہ جو کفر اور نافرمانی میں تمہاری طرح نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کچھ دشوار نہیں، لہٰذا تمہیں اُس بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرنا چاہیے۔ اسے نہ تو تمہارے ایمان سے فائدہ اور نہ کفر سے نقصان، وہ چاہے تو تمہیں فنا کر کے کسی فرمانبردار قوم کو لے آئے، چنانچہ ایک اور جگہ فرمایا:

وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ(۳۸) (پ26، محمد:38)

ترجمہ: اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ بے نیازی اہلِ ایمان کو بھی بیان فرمائی کہ اگر تم میں کوئی مرتد ہو جائے تو خدا کو کوئی فرق نہیں۔ وہ چاہے تو کوئی دوسری قوم لے آئے جو نہ صرف مومن ہوں، بلکہ اعلیٰ ایمانی اوصاف سے متصف ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ(۵۴) (پ6، المائدۃ:54)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ محبت فرماتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ (اچھی سیرت) اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

---

1 ..... ترمذی، 5/318، حدیث: 3551۔

www.dawateislami.net

ہمارے لئے نہایت اہم درس:

خدا کی بے نیازی پر نظر رکھتے ہوئے اس سے ڈرنا نہایت اہم ہے۔ اہلِ ایمان کی بنیادی نشانیوں میں سے ایک نشانی خدا کی بے نیازی سے خوف زدہ رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (پ9، الانفال:2)

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

اِن آیات میں سچے مومنوں کا پہلا وصف یہ بیان ہوا کہ جب اللہ عزوجل کو یاد کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا خوف دو طرح کا ہوتا ہے: (1) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا (2) اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی سے ڈرنا۔ پہلی قسم کا خوف عام مسلمانوں اور عام پرہیز گاروں کو ہوتا ہے اور دوسری قسم کا خوف اَنبیا و مرسلین، اَولیائے کاملین اور مقرب فرشتوں کو ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ سے جس قدر زیادہ قرب ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ خوف زدہ بھی ہو گا، جیسا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل کی مَعْرِفت (پہچان) رکھنے والا ہوں۔[1]

خوفِ خدا بہت عظیم دولت ہے۔ سیّدِ دو عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مؤمن بندے کی آنکھ سے اللہ عزوجل کے خوف سے آنسو نکلے، خواہ وہ مچھر کے سر جتنا ہو، پھر وہ آنسو رُخسار کے سامنے کے حصے کو مَس کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔[2]

مُقرَّبین کے عظمتِ الٰہی کے سبب خوفِ خدا کی کیفیت کیلئے یہ رِوایات بھی ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ درخت پر پرندے کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے پرندے! تیرے لئے کتنی بھلائی ہے کہ تو پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھتا ہے۔ کاش! میں بھی ایک پھل ہوتا جسے پرندے کھا لیتے۔[3] اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ زمین سے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: کاش! میں ایک تنکا ہوتا۔ کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ کاش! میں

---

1 ..... بخاری، 1/18، حدیث: 20۔

2 ..... ابن ماجہ، 4/467، حدیث: 4197۔

3 ..... الزھد لابن مبارک، ص 81، رقم: 240۔

www.dawateislami.net

پیدا نہ ہوا ہوتا۔ کاش! میں بھولا بسرا ہوتا۔[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ایسا دل دہلانے والا معاملہ ہے کہ راتوں کی نیند اُڑا دے اور جینا مشکل کر دے، لیکن رحمتِ خداوندی کے سہارے نے بندے کو اُمید اور خوف کے درمیان رکھا ہوا ہے، البتہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرنا اور اس کی خفیہ تدبیر سے لرزاں و ترساں رہنا نہایت ضروری ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِۚ-فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ(۹۹) (پ9، الاعراف:99)

ترجمہ: کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے لوگ ہی بے خوف ہوتے ہیں۔

بنیادی طور پر تو اِس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کیا کفار اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں اور اس کے ڈھیل دینے اور دُنیوی نعمتیں دینے پر مغرور ہو کر اس کے عذاب سے بے فکر ہو گئے ہیں، سن لو! اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے لوگ ہی بے خوف ہوتے ہیں، لیکن کافروں کے علاوہ مسلمانوں کو بھی خدا کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا حرام ہے اور ان کے لئے بھی خفیہ تدبیر سے لرزاں و ترساں رہنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے:

اللہ عزوجل کا خوف دل سے نکل جانا، سخت نقصان کا سبب ہے، اللہ عزوجل کی طرف سے مہلت، ڈھیل یعنی اس کا کسی بندے کو گناہ پر فوراً نہ پکڑنا اس کی خفیہ تدبیر کی ایک صورت ہو سکتی ہے، لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ ہم عام لوگوں کی کیا اوقات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے نہ ڈریں۔ مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے احوال ایسے ہیں کہ پتھر دلوں کو رُلا دیں۔ آیئے چند روایات پڑھتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام بارگاہِ رسالت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے تو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے دریافت کیا: اے جبرائیل علیہ السّلام! تمہیں کس چیز نے رُلا دیا؟ انہوں نے عرض کی: جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا فرمایا ہے، میری آنکھیں اُس وقت سے کبھی اس خوف کے سبب خشک نہیں ہوئیں کہ مجھ سے کہیں کوئی نافرمانی نہ ہو جائے اور میں جہنم میں ڈال دیا جاؤں۔[2]

---

1 ..... الزھد لابن مبارک، ص 81، رقم:234۔

2 ..... شعب الایمان، 1/ 521، حدیث:915۔

www.dawateislami.net

دوسری رِوایت میں ہے کہ جب ابلیس، بارگاہِ الٰہی سے مَردود ہوا تو حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما الصلوٰۃ والسلام رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا (حالانکہ وہ سب جانتا ہے) تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے عرض کی: اے رب عزوجل! ہمیں تیری خفیہ تدبیر کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اسی حالت پر رہنا (یعنی کبھی مجھ سے بے خوف مت ہونا۔)[1]

یہی حال اُمَّت کے افضل ترین حضرات کا تھا، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کو ایک باغ کی دیوار کے پاس دیکھا کہ وہ اپنے آپ سے فرمارہے تھے: واہ! لوگ تجھے امیر المؤمنین کہتے ہیں اور تو اللہ عزوجل سے نہیں ڈرتا، اگر تو نے رب تعالیٰ کا خوف نہ رکھا تو اس کے عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔[2]

حضرت حسن بصری رضی اللہُ عنہ کے واقعات تو اِس حوالے سے نہایت معروف ہیں۔ آپ رضی اللہُ عنہ چالیس سال تک ہنسے نہیں، جب ان کو بیٹھے ہوئے دیکھا جاتا تو یوں معلوم ہوتا گویا ایک قیدی ہیں، جسے گردن اڑانے کے لئے لایا گیا ہو اور جب گفتگو فرماتے تو انداز ایسا ہوتا گویا آخرت کو آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر بتارہے ہیں، اور جب خاموش رہتے تو ایسا محسوس ہوتا گویا ان کی آنکھوں میں آگ بھڑک رہی ہے، جب اُن سے اس قدر غمگین و خوف زدہ رہنے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: مجھے اس بات کا خوف ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بعض ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر مجھ پر غضب فرمایا اور یہ فرمادیا کہ جاؤ! میں تمہیں نہیں بخشتا تو میرا کیا بنے گا؟[3]

نقشبندی سلسلے کے معروف بزرگ حضرت قبلہ سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃُ اللہِ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ وضو فرمارہے تھے اور حضور کی مدامی (ہمیشہ کی) عادتِ مبارک تھی کہ وضو کرتے ہوئے کبھی کسی سے کلام نہ فرمایا کرتے تھے، دو تین مولوی صاحبان وہاں موجود تھے اور ان میں تصوف پر بحث ہو رہی تھی، کوئی فنا کا نام تصوف رکھتا تھا، کوئی معیت وغیرہ، کوئی اور مقامات کا نام کہتا تھا۔ غرض اسی طرح سب گفتگو کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت شاہ صاحب رحمۃُ اللہِ علیہ وضو سے فارغ ہو گئے، مولوی صاحبان نے عرض کیا کہ حضور فرمائیں کہ تصوف کے کیا معنی ہیں؟ حضور نے

---

1 ..... احیاء العلوم، 4/223۔
2 ..... کیمیائے سعادت، 2/892۔
3 ..... احیاء العلوم، 4/231۔

www.dawateislami.net

فرمایا کہ بھائی، ہم تو اس بات کو جانتے ہیں کہ مرتے وقت بندے کے منہ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه نکلے اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر راضی ہو اور بندہ اپنے مولا پر راضی ہو، پھر تصوف کے جو معنی کرو سب ٹھیک ہو جاتے ہیں اور جو یہ بات رہ گئی تو پھر کچھ بھی نہیں اور جب تک خاتمہ ٹھیک اس طرح پر نہ ہو لے، تب تک چاہے کوئی ہزار کرامات دکھائے، چاہے تمام شجر حجر، زمین آسمان اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور چاہے آسمان پر اڑتا پھرے کوئی اعتبار نہیں۔ وہ دونوں مقام جو ہم نے بتائے ہیں خیریت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ گزر جائیں، تو سمجھو کہ فقیر پورا ہو گیا، ورنہ اس سے پہلے تو کوئی بات قابلِ اِعتبار نہیں۔ [1]

اِن واقعات کے بعد اپنی اوقات اور حرکات پر نظر ڈالتے ہوئے یہ آیات پڑھیں اور دل میں خوفِ خدا پیدا کریں۔ فرمایا:

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍۙ(۱۶) وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ(۱۷) (پ22، الفاطر:16-17)

ترجمہ: اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

اور فرمایا:

وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ(۳۸) (پ26، محمد:38)

ترجمہ: اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اور فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ (پ6، المائدۃ:54)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ محبت فرماتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں اپنی خفیہ تدبیر سے ڈرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اٰمین۔

خلاصہ کلام:

(1) اس آیت میں لوگوں کی محتاجی اور خدا کی شانِ بے نیازی کا ایمان افروز بیان ہے۔

---

1 ..... ذکر خیر، ص213۔

www.dawateislami.net

(2)اگرچہ کل کائنات ہی اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن اِس آیت میں بطورِ خاص اِنسانوں کو اس لئے مُخاطَب کیا گیا کہ انسان ہی بے نیازی اور مال داری کے دعوے کرتا اور اسے اپنا کمال سمجھتا ہے۔

(3)انسان پیدائش سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک ہر معاملے میں خدا کا محتاج ہے جس کی چند صورتیں بہت واضح ہیں، جیسے * اِنسان اپنے وجود میں آنے ہی میں خالقِ کل کا محتاج ہے * زندہ رہنے کے لیے رازقِ حقیقی کا محتاج ہے * بیمار ہو تو شفا کے لیے خدائے شافی کا محتاج ہے * رہائش اور اَسبابِ زندگی میں مالکِ اَرض و سما کا محتاج ہے * کھانے پینے میں معطیِ حقیقی کی طرف محتاج ہے * لباس میں منعمِ حقیقی کا محتاج ہے۔

(4)خدا کی بے نیازی پر نظر رکھتے ہوئے اس سے ڈرنا اِیمان کا تقاضا ہے اور اہلِ ایمان کی بنیادی نشانیوں میں سے ایک نشانی خدا کی بے نیازی سے خوف زدہ رہنا ہے۔

(5)اللہ تعالیٰ کا خوف دو طرح کا ہوتا ہے:(۱)اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا(۲)اُس ذوالجلال والاکرام کے جلال، عظمت اور بے نیازی سے ڈرنا۔ پہلی قسم کا خوف عام مسلمانوں اور عام پرہیز گاروں کو ہوتا ہے ،اور دوسری قسم کا خوف اَنبیاومرسلین، اَولیائے کاملین اور مقرب فرشتوں کو ہوتا ہے۔

(6)اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ایسا دل دہلانے والا معاملہ ہے کہ حقیقت میں راتوں کی نیند اڑا دے اور جینا مشکل کر دے، لیکن رحمتِ خداوندی کے سہارے نے بندے کو اُمید اور خوف کے درمیان رکھا ہوا ہے لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرنا اور اس کی خفیہ تدبیر سے لرزاں وترساں رہنا نہایت ضروری ہے۔

(7)اللہ عزوجل کے خوف کا دل سے نکل جانا سخت نقصان کا سبب ہے، اللہ کا کسی بندے کو گناہ پر نہ پکڑنا، اس کی طرف سے توبہ کی مہلت بھی ہو سکتی ہے اور اس کی خفیہ تدبیر بھی، لہٰذا مہلت سے فائدہ اٹھائیں اور اس کی خفیہ تدبیر سے ڈرتے رہیں۔

محاسبہ:

خدا غنی مطلق اور ہم ہر پہلو سے اُسی کے محتاج ہیں، لہٰذا خدا کی بے نیازی سے ڈرنا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، مگر سوچئے کہ

(1)کیا ہم خدا کی بے نیازی سے یوں خوف زدہ رہتے ہیں، جیسے خائف ہونے کا حق ہے؟

www.dawateislami.net

(2)خدا کے نیک بندے تو ساری زندگی کی عبادتوں کے بعد بھی خدا کے خوف سے لرزاں رہتے تھے، ہماری کیفیت کیا ہے؟

(3)کیا ہم رحمتِ الٰہی پر ایسی اُمید تو نہیں لگائے بیٹھے، کہ خفیہ تدبیر سے بالکل ہی بے خوف ہو جائیں؟

(4)کیا یہ سوچتے ہیں کہ ہمیں حاصل شدہ کثیر مال، اچھی صحت، خوشگوار حالات اور معاشی خوشحالی رب کی طرف سے مہلت تو نہیں کہ ہمیں ڈھیل دے کر آزمایا جارہا ہو؟

(5)جس طرح اَنبیا و مرسلین، صحابہ کرام اور اَولیاءِ عظام اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور خفیہ تدبیر سے ڈرتے تھے، کیا ہم اُن کی اس عمل میں پیروی کرتے ہیں؟

(6)جس ہنر پر میں نازاں ہوں کہ میں اس میں بڑا ماہر ہوں، کیا یہ ہنر دائمی ہے؟ کیا وہ بے نیاز ذات ایک لمحے میں مجھے بے ہنر نہیں کر سکتی؟

اللہ تعالیٰ ہمیں برے انجام سے محفوظ فرمائے، آمین۔



www.dawateislami.net

آیت نمبر:19 اِنسان کی قوموں قبیلوں میں تقسیم کی حکمت اور عزت و فضیلت کا حقیقی معیار

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ(۱۳) (پ26، الحجرات:13)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

اجمالی تفسیر:

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اور حضرت حوا رضی اللہُ عنہا) سے پیدا کیا اور جب نسب کے اِس اِنتہائی درجہ پر جا کر تم سب کے سب مل جاتے ہو تو بطورِ انسان تم سب برابر اور ایک جدِّ اعلیٰ کی اولاد ہو، البتہ ہم نے تمہیں مختلف قومیں، قبیلے اور خاندان بنایا تاکہ آپس کی پہچان میں آسانی ہو۔ اِس قومی اور قبائلی تفریق کا مقصد یہ نہیں کہ تم اپنے نسب پر فخر کرو اور دوسروں کی تحقیر کرو، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی سب سے بڑھ کر عزت و شرف والا ہے، جو سب سے بڑھ کر پرہیز گار اور خدا سے ڈرنے والا ہے، لہٰذا فضیلت و برتری کے لئے دلوں میں خدا کا زیادہ سے زیادہ ڈر پیدا کرو اور دلوں کے ڈر کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا اور خبر دار ہے، لہٰذا اپنے نسب اور قومیت پر فخر نہ کرو۔

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کا پہلا حصہ: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ﴾ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اور ایک عورت حضرت حوا رضی اللہُ عنہا سے پیدا کیا اور جب نسب کے اس اِنتہائی درجہ پر جا کر تم سب کے سب مل جاتے ہو تو نسب میں ایک دوسرے پر فخر اور بڑائی کا اِظہار کرنے کی کوئی وجہ نہیں، سب برابر ہو اور ایک جدِّ اعلیٰ کی اولاد ہو (اس لئے نسب کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کا اِظہار نہ کرو) اور ہم نے تمہیں مختلف قومیں، قبیلے اور خاندان بنایا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو اور ایک شخص

www.dawateislami.net

دوسرے کا نسب جان لے اور اس طرح کوئی اپنے باپ دادا کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے، نہ یہ کہ اپنے نسب پر فخر کرنے لگ جائے اور دوسروں کی تحقیر کرنا شروع کر دے۔ یاد رہے کہ دنیا میں وہ اُمور اگرچہ کثیر ہیں کہ جن کی وجہ سے فخر و تکبر کیا جاتا ہے لیکن نسب ان میں سب سے بڑا اَمر ہے کیونکہ مال، حسن اور بزرگی کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ ان چیزوں کے ختم ہونے پر تکبر بھی ختم ہو جاتا ہے جبکہ نسب کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ختم نہیں ہوتا، اسی لئے یہاں بطورِ خاص اسے ذکر کیا گیا۔[1]

نسب کے ذریعے فخر و تکبر کرنے کی مذمت:

فخر و تکبُّر کے اَسباب میں سے ایک بڑا سبب، نسب کی وجہ سے تکبر ہے۔ امام محمد غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: جس آدمی کا نسب اچھا ہو وہ دوسرے نسب والوں کو حقیر جانتا ہے اور بعض لوگ حسب و نسب کے ذریعے اس طرح تکبر کرتے ہیں کہ گویا دوسرے لوگ ان کی مِلکیَّت میں ہیں اور ان کے غلام ہیں، وہ اِن سے میل جول کرنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ ان کی زبان پر یوں آتا ہے کہ تکبر کرتے ہوئے دوسروں کو گھٹیا قسم کے الفاظ سے پکارتے ہوئے کہتے ہیں: تم کون ہو؟ تمہارا باپ کون ہے؟ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تمہیں مجھ سے بات کرنے یا میری طرف دیکھنے کا کیا حق ہے؟ تو مجھ جیسے لوگوں سے بات کرتا ہے اور مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے؟ (وغیرہ)

یہ ایک ایسی پوشیدہ رگ ہے کہ کوئی بھی نسب والا اس سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ وہ نیک اور باعمل ہو، لیکن بعض اوقات حالتِ اِعتدال پر ہونے کی صورت میں یہ بات ظاہر نہیں ہوتی اور جب اس پر غصے کا غلبہ ہو تو وہ اس کے نورِ بصیرت کو بجھا دیتا ہے اور اس قسم کی گفتگو اس کی زبان پر آجاتی ہے۔

نسب پر فخر کی مذمت کے متعلق یہ اَحادیث ملاحظہ کریں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کا اِظہار کیا، ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تم کون ہو؟ تمہاری تو ماں ہی نہیں۔ اس پر حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے سامنے دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا، ان میں سے ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، اس طرح وہ نو پشتیں شمار کر گیا اور کہا: تیری تو ماں ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی طرف وحی بھیجی کہ جس نے فخر کا اظہار کیا ہے اس سے

---

1 ..... تفسیر کبیر، پ26، الحجرات، تحت الآیۃ: 13، 10/112-113 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

فرمادیجئے: وہ نو کی نو پشتیں جہنم میں جائیں گی اور تم ان کے ساتھ دسویں ہو گے۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو اپنے آباء واَجداد پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے وہ جہنم میں کوئلہ بن گئے یا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں، جو اپنے ناک سے گندگی کو دھکیلتے ہیں۔[2] اللہ تعالیٰ ہمیں اس باطنی بیماری سے محفوظ فرمائے، آمین۔

تکبر ختم کرنے کا ایک علاج:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص سے میری تکرار ہو گئی تو میں نے کہا: اے کالی عورت کے بیٹے! تو نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا: اٹھو اور میرے رخسار کو پامال کر دو۔[3]

تو دیکھئے کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں تنبیہ فرمائی جب انہوں نے سفید خاتون کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو افضل سمجھا اور یہ خطا تھی، اور دیکھئے کہ انہوں نے کس طرح توبہ کی اور اپنے آپ سے تکبر کے درخت کو اس شخص کے تلوے کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ پھینکا، کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ تکبر کو صرف عاجزی کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔[4]

نسب کی نسبت پر دو اہم باتیں:

یہاں دو باتیں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، ایک بات عالی نسب حضرات کے لئے ہے اور دوسری عوام کے لئے۔

نسب کی نسبت پر صاحبِ نسبِ عالی کے لئے اہم بات:

نسب کا عالی ہونا ایک شرف اور خدا تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنے اعمال و کردار میں نسب کی عمدگی کا لحاظ کرنا چاہیے کہ کردار عمدہ اور پاکیزہ ہو، لیکن یہ بات لازمی طور پر ذہن میں رہے کہ نسب کتنا ہی

---

1 ..... مسند امام احمد، 8/34، حدیث: 21236۔
2 ..... ابو داؤد، 4/427، حدیث: 5116 بتغیرٍ قلیلٍ۔
3 ..... ارشاد الساری، 1/197 بتغیر قلیل۔
4 ..... احیاء العلوم، 3/431۔

www.dawateislami.net

بلند کیوں نہ ہو، اس پر فخر و تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا حرام ہے جیسا کہ احادیثِ طیبہ میں بہت وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔ اسی لئے عالی نسب ہستیوں کا عمل یہی رہا کہ وہ نسب پر فخر کے بجائے اپنے عمل پر توجہ رکھتے تھے۔ نسب کی بنا پر تکبر کرنے والے عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جو دِینی علم سے جاہل ہوں یا خوفِ خدا سے عاری ہوں۔ ورنہ علم و عمل اور خوفِ خدا کے پیکر حضرات کا عمل نہایت ایمان افروز اور عاجزی سے معمور ہوتا ہے۔ چنانچہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے لختِ جگر، نورِ نظر، سیِّدُنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہُ عنہ جب خلافت سے دستبردار ہو گئے (اور خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہُ عنہ کے حوالے کر دی) تو بعض لوگ آپ (حضرت امام حسن رضی اللہُ عنہ) کو یَا عَارَ الْمُؤْمِنِین (یعنی اے مسلمانوں کے لیے باعثِ شرم) کہہ کر پکارتے، اس پر آپ رضی اللہُ عنہ فرماتے: عار، نار سے (یعنی دنیا کی یہ شرم عذابِ آخرت سے) بہتر ہے۔[1]

ساداتِ کرام ہی کے عظیم بزرگ، ائمہ اہلِ بیت کی جلیل القدر ہستی، امام المسلمین، سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہُ عنہ کی عاجزی دیکھیں۔ ایک مرتبہ عظیم صوفی بزرگ حضرت داؤد طائی رحمۃُ اللہِ علیہ نے آپ سے عرض کی کہ اہلِ بیت میں سے ہونے کی حیثیت سے مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، لیکن امام جعفر صادق رضی اللہُ عنہ خاموش رہے۔ حضرت داؤد طائی رحمۃُ اللہِ علیہ نے دوبارہ درخواست کی کہ اہلِ بیت سے ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو فضیلت بخشی ہے اس لحاظ سے آپ پر نصیحت کرنا ضروری ہے۔ یہ سن کر امام جعفر صادق رضی اللہُ عنہ نے فرمایا: میں تو خود خوف زدہ ہوں کہ کہیں قیامت کے دن میرے جَدِّ اعلیٰ (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم) میرا ہاتھ پکڑ کر یہ نہ پوچھ لیں کہ تو نے خود میری پیروی کا حق ادا کیوں نہ کیا؟ کیونکہ نجات کا تعلق نسب سے نہیں، اَعمالِ صالحہ (نیک کاموں) سے ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمۃُ اللہِ علیہ رو پڑے کہ وہ ہستی جن کے جد امجد، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہیں، جب ان کا یہ عالم ہے تو میں کس گنتی میں ہوں۔[2]

نسب کی نسبت پر دِیگر لوگوں کے لئے اَہم بات:

دِیگر لوگوں کے لئے نہایت اَہم بات یہ ہے کہ نسب پر فخر و غرور یقیناً منع ہے جیسا کہ احادیثِ طیبہ میں بہت وضاحت سے بیان کر دیا گیا، لیکن ہمیں یہی حکم ہے کہ ہر شخص کے مرتبے کو پہچانیں اور اسی کے مطابق اس سے سلوک

1 ..... الاستیعاب، 1/438۔
2 ..... تذکرۃ الاولیاء، 1/21۔

www.dawateislami.net

کریں جیسے نسب کے اعتبار سے سب سے عالی نسب ساداتِ کرام کا ہے۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم نبی کریم، رَءُوفٌ رَّحیم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاکیزہ نسب کی نسبت کا لحاظ کریں اور ساداتِ کرام کی تعظیم کریں اور یہی بزرگانِ دین، ائمہ مسلمین کا ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ دو واقعات ملاحظہ ہوں۔

ایک دن امام حسین رضی اللہُ عنہ، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کے گھر گئے تو وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہُ عنہ سے محوِ گفتگو تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما دروازے پر کھڑے تھے (گویا انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت نہ تھی) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما واپس ہونے لگے، تو امام حسین رضی اللہُ عنہ بھی ان کے ساتھ ساتھ لوٹ گئے۔ بعد میں کسی وقت امام حسین رضی اللہُ عنہ کی حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ نے فرمایا: آپ (کئی دنوں سے) تشریف نہیں لائے، اس پر امام حسین رضی اللہُ عنہ نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! میں آیا تھا، لیکن اس وقت آپ حضرت معاویہ رضی اللہُ عنہ کے ساتھ تنہائی میں تھے، (آپ کے بیٹے) عبد اللہ واپس جانے لگے تو میں بھی لوٹ گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ نے فرمایا: عبد اللہ بن عمر سے زیادہ اجازت ملنے کے حقدار آپ ہیں، یہ بات ہمارے دل و دماغ میں راسخ ہو چکی ہے کہ اللہ کی جانب سے ہدایت ہے اور آپ اہلِ بیت کی راہ نمائی ہے۔ پھر آپ نے (شفقت سے) اپنا ہاتھ امام حسین رضی اللہُ عنہ کے سر پر پھیرا۔[1]

ائمہ مسلمین، بزرگانِ دین کے ایسے واقعات بہت کثرت سے ہیں جن میں ساداتِ کرام کی تعظیم اور ان کی نسبت کا لحاظ کرنے کا بیان ہے۔ چودھویں صدی کے مجدد، امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی حاجت مند سیّد زادے نے صدا لگائی کہ ”دلواؤ سیّد کو“۔ اعلیٰ حضرت رحمۃُ اللہِ علیہ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو آپ نے اُنہیں بلوایا اور اُس وقت موجود تمام رقم سید صاحب کی خدمت میں پیش کر دی۔ جب سیّد زادے نے اُس میں سے تھوڑی رقم لی تو اُسی وقت آپ نے فرمایا: حُضور! یہ سب حاضر ہیں۔ سیّد زادے نے فرمایا: مجھے اتنا ہی کافی ہے۔ پھر جب وہ جانے لگے تو اعلیٰ حضرت بھی اُن کو رُخصت کرنے تشریف لے گئے، رُخصت کرنے کے بعد خادم کو یہ تاکید کی: دیکھو! سیّد صاحب کو آئندہ سے آواز دینے، صَدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جس وقت سیّد صاحب پر نظر پڑے فوراً (رقم) حاضر کر کے سیّد صاحب کو رخصت کر دیا کرو۔[2]

---

1 ..... الاصابہ، 2/69۔

2 ..... حیاتِ اعلیٰ حضرت، 1/189۔

www.dawateislami.net

آیت کا دوسرا حصہ: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

شرافت وفضیلت کا سبب:

آیت کے اس حصے میں وہ چیز بیان فرمائی جارہی ہے جو انسان کے لئے شرافت وفضیلت کا سب سے مرکزی، بنیادی اور اہم ترین سبب ہے اور جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں جاننے والا اور تمہارے باطن سے خبردار ہے۔

عزت اور فضیلت کا اصل مدار پرہیز گاری ہے:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت وفضیلت کا اصل مدار نسب نہیں، بلکہ پرہیز گاری ہے۔ یہی حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کئی مقامات پر بیان فرمائی۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہُ عنہما فرماتے ہیں: فتحِ مکہ کے دن حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر دور کر دیا ہے اور اب صرف دو قسم کے لوگ ہیں: (1) نیک اور متقی شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے (2) گناہگار اور بدبخت آدمی جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل وخوار ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (پ26، الحجرات:13)[1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

دوسری روایت میں حضرت عداء بن خالد رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: میں حجۃ الوداع کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے منبرِ اقدس کے نیچے بیٹھا ہوا تھا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

1 ..... ترمذی، 5/179، حدیث: 3281۔

www.dawateislami.net

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (پ26، الحجرات:13)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

تو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے، کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے، بلکہ فضیلت صرف تقویٰ و پرہیز گاری سے ہے (تو جو مُتَّقی اور پرہیز گار ہے وہ افضل ہے)۔[1]

اور حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہُ الْکَرِیم سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا تو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اس حال میں کہ وہ غیر مختون ہوں گے اور ان کی رنگت سیاہ ہو گی، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندو! میں نے تمہیں حکم دیا اور تم نے میرے حکم کو ضائع کر دیا اور تم نے اپنے نسبوں کو بلند کیا اور انہی کے سبب ایک دوسرے پر فخر کرتے رہے، آج کے دن میں تمہارے نسبوں کو حقیر و ذلیل قرار دے رہا ہوں، میں ہی غالب حکمران ہوں، کہاں ہیں مُتَّقی لوگ؟ کہاں ہیں متقی لوگ؟ بیشک اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔[2]

رنگ و نسل کے فرق میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے رویوں میں فرق:

رنگ و نسل کے فرق ختم کرنے پر عالمی قوانین تو اب جا کر بنے ہیں ورنہ کچھ عرصہ پہلے تک دنیا میں خود کو انسانیت پسند، انسانیت کے علمبردار کہنے والوں کا عمل رنگ و نسل کے معاملے میں اس قدر ظالمانہ تھا کہ ظلم کی ان سفاکانہ داستانوں کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں رنگ و نسل کا تفاخر پر مبنی فرق روزِ اول ہی سے ختم کر دیا گیا حتی کہ جن دینی معاملات میں قبیلہ قریش کے لوگ خود کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس تفریق کو ختم کر دیا اور سب کو برابر کے احکام دیئے۔ دینِ اسلام کے رنگ و نسل کے فرق کو ختم کرنے کی چند خوبصورت مثالیں ملاحظہ ہوں۔

---

1 ..... معجم کبیر، 18/12، حدیث:16۔

2 ..... تاریخ بغداد، 11/337، حدیث:6172۔

www.dawateislami.net

نسلی تفریق کے خاتمے کی پہلی مثال:

قبیلہ قریش کے لوگ خود کو دوسرے قبیلوں سے برتر سمجھتے تھے اور اس فرق کے اِظہار کے لئے حج کے موقع پر میدانِ عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہرے رہتے جبکہ بقیہ آگے عرفات تک جاتے، پھر جب لوگ عرفات سے منیٰ و مکہ کی طرف واپس لوٹتے تو قریش مزدلفہ سے واپس لوٹتے اور اس امتیاز کو اپنی بڑائی سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کے معاملے میں ان کے اس نسلی امتیاز کو ختم کرتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ وہ بھی سب کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں اور ایک ساتھ واپس لوٹیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۹۹﴾ (پ2، البقرۃ:199)

ترجمہ: پھر (اے قریشیو!) تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے دوسرے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نسلی تفریق کے خاتمے کی دوسری مثال:

اسلامی اَحکام برادریوں کے اِعتبار سے نہیں بدلتے اور نہ ہی کسی کے رُتبے اور مقام کی وجہ سے ان میں تبدیلی ہوتی ہے بلکہ امیر و غریب، گورے کالے اور عربی عَجمی سب کے لئے اسلام کے اَحکام برابر ہیں۔ اسی لئے شرعی حدود کے نفاذ میں ایسا کوئی فرق نہیں کہ فلاں رنگ و نسل کا فرد جرم کرے تو سزا مختلف ہو اور دوسری رنگ و نسل کا آدمی جرم کرے تو سزا مختلف ہو اور اس حکم کو واضح کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس قدر بلند مثال بیان فرمائی کہ اس سے بلند تر مثال شاید ہو ہی نہ سکے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں: چوری کی مرتکب ایک مخزومی عورت کے بارے میں قریش کے لوگ بہت پریشان تھے (کہ اسے سزا سے کیسے بچائیں؟ بالآخر انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہُ عنہ کو اس معاملے میں اپنا سفارشی بنا کر بارگاہِ نبوی میں بھیجا۔ ان کی گفتگو سن کر) حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: بے شک تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے تھے کہ جب کوئی معزز و برتر کہلانے والا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی عام، کم تر آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ خدا کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔[1]

---

1 ..... بخاری، 2/468، حدیث: 3475۔

www.dawateislami.net

نسلی تفریق کے خاتمے کی تیسری مثال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رِضوانُ اللہِ علیہم اجمعین کے قلوب کو ایسا پاکیزہ بنا دیا تھا کہ نسلی تفاخر کا نام و نشان بھی بالآخر ان کے دلوں سے نکل گیا، جس کی عظیم مثال یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہُ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی، حبشہ سے تعلق رکھنے والے، غلامانہ زندگی گزار کر آزاد ہونے والے، خادمِ رسول، حضرت بلال رضی اللہُ عنہ کو ”سیدنا یعنی ہمارے سردار، ہمارے آقا“ کے الفاظ سے یاد فرماتے۔ چنانچہ حضرت محمد بن منکدر رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: اَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ عُمَرُ یَقُوْلُ اَبُوْ بَكْرٍ سَیِّدُنَا وَ اَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِیْ بِلَالًا ترجمہ: ہمیں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہُ عنہما نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہُ عنہ کہا کرتے تھے کہ ابو بکر رضی اللہُ عنہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کو انہوں نے آزاد کیا ہے، ان کی مراد حضرت بلال حبشی رضی اللہُ عنہ تھے۔[1]

رنگ و نسل کے فرق کے خاتمے کی چوتھی مثال:

اسلامی اَحکام و عبادات میں سب کو برابر کا مرتبہ حاصل ہے چنانچہ نماز، روزہ اور حج میں امیر و غریب، گورے کالے وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔ مسجدوں کی صفوں میں سب برابر کھڑے ہوں گے، روزے سب رکھیں گے، حج میں خانہ کعبہ کے طواف، صفا مروہ کی سعی، منیٰ و مزدلفہ و عرفات میں قیام میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہوگی۔ حصولِ علم، تبلیغِ دین و اشاعتِ اسلام سب میں ہر مسلمان کو برابر درجہ حاصل ہے۔ کسی دینی محفل مجلس میں بیٹھنے، کسی سواری پر سوار ہونے میں کوئی قانونی تفریق نہیں۔ اسی اسلامی عدل کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بہت سے ایسے ائمہ دین، بادشاہانِ اسلام اور اصحابِ منصب گزرے ہیں جو یا تو دنیا میں کم تر سمجھے والی ذاتوں یا پیشوں سے تعلق رکھتے تھے یا انہوں نے وہ ظاہری کمی والے کام کیے، لیکن اس سے ان کے مقام مرتبہ میں کوئی فرق نہ ہوا اور مسلمانوں کے نزدیک انہیں علم و فضل وغیرہا کی وجہ سے ہمیشہ بلند تر ہی سمجھا گیا۔

نسب کے معتدل رویے کے متعلق شرعی احکام:

مذکورہ بالا کلام میں ہم نے نسب پر تفاخر کی ممانعت اور نسب کا لحاظ کرنے کے متعلق کلام لکھا ہے لیکن اس معاملے میں بہت سے لوگ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض تو نسب ہی کو سب سے بڑا سببِ فضیلت اور وجہِ ترجیح سمجھ

---

1 ..... بخاری، 2/547، حدیث: 3754۔

www.dawateislami.net

بیٹھتے ہیں یا رنگ وصورت پر متکبر بنے بیٹھے ہیں، جیسے گوری چمڑی والے لوگ دیگر انسانوں کو خود سے کم تر سمجھتے ہیں اور یہ بات پچھلی کئی صدیوں سے سب کے سامنے ہے۔ دوسری طرف بعض لوگ نسل ونسب کی اہمیت کا ایسے انکار کرتے ہیں کہ گویا اس میں ذرہ برابر بھی کوئی خوبی نہیں، جبکہ حقیقت اس کے درمیان درمیان ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں قرب ومرتبے کا مدار بلاشبہ تقویٰ پر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہر نسب کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، جن کا اُمورِ دنیا بلکہ کئی اُمورِ دین میں لحاظ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام اہلِ سنت، امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب ”اراءۃ الادب لفاضل النسب“ تصنیف فرمائی جس میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا اِحاطہ کر کے معتدل اور حقیقی اسلامی تعلیم کو واضح کر کے بیان فرمایا۔ یہاں ذیل میں اس کتاب کی روشنی میں آسان الفاظ میں چند چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں: (1) نسب پر فخر جائز نہیں (2) نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا جائز نہیں (3) دوسروں کے نسب پر طعن جائز نہیں (4) انہیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں (5) نسب کو کسی کے حق میں عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں (6) اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں۔

تفاخر وتکبر کی ممانعت کے ساتھ دوسری طرف یہ بات بھی مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کچھ قومیں بحیثیت مجموعی دیگر اقوام سے حیا، حمیّت، تہذیب، مروت، سخاوت، شجاعت، سخاوت، حوصلہ اور ہمت وغیرہا بہت سے اوصاف واخلاق میں دوسروں سے بڑھ کر ہوتی ہیں، مثلاً قریش کی جرأت، شجاعت، سماحت اور قوت، اسلام وجاہلیت دونوں میں شہرہ آفاق رہی ہے۔

نسب اور تقویٰ کی افادیت میں فرق:

نسب کے متعلق روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ مدارِ نجات تقویٰ پر ہے۔ جس کا تقویٰ جیسا ہے اس کا مرتبہ بھی ویسا ہے۔ صرف نسب پر فضیلت کا دارومدار نہیں۔ لہٰذا نسب جیسا بھی ہو اگر تقویٰ حاصل ہے تو نجات کے لئے کافی ہے، جبکہ نسب اچھا ہو اور تقوے کا نام ونشان نہ ہو تو یہ کافی نہیں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا: مَنْ اَبْطَاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ ترجمہ: جسے اس کے عمل نے پیچھے رکھا اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔[1] لہٰذا مدارِ نجات تقویٰ ہے اور صرف نسب کو کافی سمجھنا درست نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نسب کی بالکل ہی کوئی فضیلت نہیں اور یہ معاذاللہ بالکل ایک فضول اور مہمل سی چیز ہے اور معاذاللہ اس سے کسی شرف وشرافت، عزت وسیادت کا تعلق نہیں اور

1 ..... ابوداؤد، 3/445، حدیث: 3643۔

www.dawateislami.net

معاذاللہ یہ کہ اس کا نہ دنیوی احکام میں اِعتبار اور نہ آخرت میں نفع۔ ہر گز ہر گز ایسا نہیں بلکہ شرع مطہر نے متعدد اَحکام میں نسب کے فرق کو معتبر رکھا ہے، مثلاً دنیوی اَحکام میں دیکھیں تو لڑکے لڑکی کے نکاح میں کفو یعنی ہم پلہ ہونے کا بہت زیادہ اِعتبار کیا گیا ہے اور آخرت کے اِعتبار سے دیکھیں تو سید دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے نسب پاک یعنی سید خاندان کا فرد ہونا ضرور آخرت میں بھی نفع دینے والا ہے اور نسب کی فضیلت بہت اوپر سے چلتی آرہی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ خَلْقَہٗ فَجَعَلَھُمْ فَرِیْقَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ الْفَرِیْقَیْنِ ثُمَّ جَعَلَھُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِ قَبِیْلَۃٍ ثُمَّ جَعَلَھُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُکُمْ قَبِیْلَۃً وَخَیْرُکُمْ بَیْتًا ترجمہ: اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا، پھر انہیں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے بہترین گروہ میں رکھا، پھر ان گروہوں کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں رکھا، پھر قبیلوں میں خاندان بنائے، مجھے سب سے بہتر خاندان میں رکھا، پس میں تم سے قبیلہ کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں اور خاندان کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں۔[1] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفَا مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے اولادِ اسمٰعیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھ کو چن لیا۔[2] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی کُنْتُ فِی الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ ترجمہ: میں ہر قرن وطبقہ میں بنی آدم کے بہترین طبقات میں بھیجا گیا یہاں تک کہ اس طبقے میں آیا جس میں پیدا ہوا۔[3]

نسب ونسبت کا دنیا میں نفع:

نسب ونسبت کا مختلف انداز میں نفع دینا بھی قرآن وحدیث میں مذکور ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں حضرت خضر علیہ السّلام کے واقعات میں اور مزید تفصیل تفاسیر میں مذکور ہے کہ حضرت خضر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جو ایک دیوار گرتے دیکھی اور ہاتھ لگا کر اسے قائم کر دیا حالانکہ وہاں کے لوگوں نے ان کو اور موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مہمانی دینے سے انکار کر دیا تھا، جبکہ اِن معزز حضرات کو کھانے کی حاجت تھی، اس پر موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کہا کہ ”آپ چاہتے تو اس پر

1 ..... کنزالعمال، جز11، 6/187، حدیث:31946۔
2 ..... مسلم، ص962، حدیث:5938۔
3 ..... بخاری، 2/489، حدیث:3557۔

www.dawateislami.net

اجرت لیتے۔" حضرت خضر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کا یہ جواب دیا کہ "یہ دیوار دو یتیموں کی ہے جو ایک مردِ صالح کی اولاد میں ہیں اور اس کے نیچے ان کا خزانہ ہے، دیوار گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا، لوگ لے جاتے، لہٰذا تمہارے رب عزوجل نے اپنی رحمت سے چاہا کہ دیوار قائم اور خزانہ محفوظ رہے تاکہ وہ جوان ہو کر نکالیں، ان کے صالح باپ کے صدقہ میں ان پر رحمت ہوئی۔" علما فرماتے ہیں وہ ان بچوں کا آٹھواں یا دسواں باپ تھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہُ عنہما فرماتے ہیں: حُفِظَ الصَّلَاحُ لِاَبِیْھِمَا وَمَاذُکِرَ عَنْھُمَا صَلَاحًا ترجمہ: ان یتیم بچوں کے باپ کی نیکی کا لحاظ فرمایا گیا۔ ان کی اپنی نیکی کا کوئی ذکر نہ فرمایا۔[1] قرآنِ مجید کے الفاظِ مبارکہ ملاحظہ ہوں، حضرت خضر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو جواب دیا:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (پ16، الکہف:82)

ترجمہ: اور بہر حال دیوار (کا جہاں تک تعلق ہے) تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں (یہ سب) آپ کے رب کی رحمت سے ہے۔

نسب و نسبت کا آخرت میں نفع:

آخرت میں نسب کے نفع پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ﴿۲۱﴾ (پ27، الطور:21)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی (جس) اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیا اور اُن (والدین) کے عمل میں کچھ کمی نہ کی، ہر آدمی اپنے اعمال میں گروی ہے۔

آیت کا معنیٰ و مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے، اُن کی مسلمان اولاد کو ہم اپنے فضل و کرم سے جنت میں والدین کے ساتھ ملا دیں گے کہ اگرچہ باپ دادا کے درجے بلند ہوں تو بھی ان کی خوشی کے لئے اُن کی اولاد اُن کے ساتھ ملا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمائے گا اور ان والدین کے عمل کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو گی بلکہ انہیں ان کے اعمال کا پورا ثواب دیا جائے گا اور اولاد کے درجے اپنے فضل و کرم سے

1 ..... تفسیر ابنِ ابی حاتم، پ16، الکہف، تحت الآیۃ:82، 7/2375، الرقم:12882۔

www.dawateislami.net

بلند کئے جائیں گے۔[1]

خلاصۂ احکامِ نسب:

جب اَحادیثِ متواترہ سے نسب کے فضائل ثابت ہیں اور مسئلہ نکاح میں کفو کے اِعتبار سے فرق تمام فقہی کتابوں میں مذکور ہے اور آخرت میں نسب کا فائدہ پہنچانا قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو جن اَحادیث میں نسب کی وجہ سے باہمی امتیاز کا اِنکار ہے ان سب کا معنیٰ یہ ہے کہ کلی فضیلت کا مدار نسب پر نہیں یعنی یہ کہ نسب ہی سب کچھ ہو، بلکہ تقویٰ اور اعمالِ صالحہ، اصل مدارِ نجات اور اصل سببِ فضیلت ہیں، ہاں ان کے ساتھ نسب کے اپنے فوائد ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ ہمیں نسبی فخر و تکبر سے بچائے، تقویٰ و پرہیز گاری اِختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور صالحین و متقین، علمائے دین اور ساداتِ کرام کی تعظیم کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

خلاصۂ کلام:

(1) اس آیت میں اِنسان کی قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کی حکمت اور عزت و فضیلت کا حقیقی معیار بیان کیا گیا ہے۔

(2) اِنسان کو مختلف قوموں، قبیلوں میں تقسیم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی پہچان رکھیں۔ یہ مقصد ہر گز نہیں کہ اپنے نسب پر فخر اور دوسروں کی تحقیر کرنا شروع کر دیں۔

(3) دنیا میں وہ اُمور اگرچہ کثیر ہیں جن کی وجہ سے فخر و تکبر کیا جاتا ہے، لیکن نسب ان میں سب سے بڑا اَمر ہے کیونکہ مال، حسن اور بزرگی کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ ان چیزوں کے ختم ہونے پر تکبر بھی ختم ہو جاتا ہے جبکہ نسب کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ختم نہیں ہوتا، اسی لئے یہاں بطورِ خاص اسے ذکر کیا گیا۔

(4) نسب کا عالی ہونا ایک شرف اور خدا تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنے اعمال و کردار میں نسب کی عمدگی کا لحاظ کرنا چاہیے کہ کردار عمدہ اور پاکیزہ ہو، لیکن یہ بات لازمی طور پر ذہن میں رہے کہ کتنا ہی بلند نسب کیوں نہ ہو، اس پر تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا حرام ہے۔

(5) نسب پر فخر و غرور یقیناً منع ہے، لیکن ہمیں یہی حکم ہے کہ ہر شخص کے مرتبے کو پہچانیں اور اسی کے مطابق اس سے سلوک کریں جیسے نسب کے اِعتبار سے سب سے عالی نسب ساداتِ کرام کا ہے۔ ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم نبی کریم،

---

1 ..... تفسیر خازن، پ27، الطور، تحت الآیۃ: 21، 4/187 ملخصاً۔

2 ..... فتاویٰ رضویہ، 23/201-255 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

رَءُوفٌ رَّحیم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاکیزہ نسب کی نسبت کا لحاظ کریں اور ساداتِ کرام کی تعظیم کریں۔

(6) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و فضیلت کا اصل مدار نسب نہیں، بلکہ پرہیز گاری ہے۔

(7) اسلام میں رنگ و نسل کے فخریہ قسم کے فرق کو شروع ہی سے ختم کر دیا گیا حتی کہ جن دینی معاملات میں قبیلہ قریش کے لوگ خود کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس تفریق کو ختم کر دیا اور سب کو برابر کے احکام دیئے۔

(8) مدارِ نجات تقویٰ ہے اور صرف نسب کو کافی سمجھنا درست نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی شرف و شرافت، عزت و سیادت کا تعلق نہیں اور یہ کہ اس کا نہ دنیوی احکام میں اعتبار اور نہ آخرت میں نفع۔ بلکہ شرع مطہر نے متعدد اَحکام میں نسب کے فرق کو معتبر رکھا ہے۔

(9) جن احادیث میں نسب کی وجہ سے باہمی امتیاز کا انکار ہے ان سب کا معنیٰ یہ ہے کہ کلی فضیلت کا مدار نسب پر نہیں، یعنی یہ کہ نسب ہی سب کچھ ہو، بلکہ تقویٰ اور اعمالِ صالحہ اصلِ مدارِ نجات اور اصل سببِ فضیلت ہیں، ہاں ان کے ساتھ نسب کے اپنے فوائد ہیں، جن کا انکار ممکن نہیں۔

محاسبہ:

برادری اور نسب کی تقسیم کاری کا مقصد معاشرتی اور سماجی پہچان ہے۔ مدارِ نجات اور قربِ الٰہی کا بنیادی پیمانہ "تقویٰ" یعنی اللہ کا خوف ہے۔ آیئے اس حوالے سے اپنے عمل پر نظر ڈالیں:

(1) ہم نسبی تفاخر اور برادری کی بنیاد پر دوسروں کی تحقیر و تذلیل تو نہیں کرتے؟

(2) ہم برادری کو بنیاد بنا کر اپنی گفتگو اور رویے میں بڑائی کے اِحساس میں مبتلا تو نہیں رہتے؟

(3) ہم برادری اور قومیت دیکھے بغیر، ہر مسلمان سے حُسنِ اخلاق کا کم از کم مطلوبہ رویہ برقرار رکھتے ہیں یا نہیں؟

(4) کیا ہم نے برادریوں پر ڈینگیں مارنے کی بجائے قربِ الٰہی کے حقیقی معیار یعنی تقویٰ کے حصول کی جانب بھی توجہ کی؟

(5) نسب کے باب میں ساداتِ کرام یقیناً فائق اور اعلیٰ ہیں، کیا ہم اُن کے اکرام و اعزاز کے تقاضے پورے کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ کی دولت نصیب فرمائے، آمین۔

آیت نمبر:20 دھوکے میں مبتلا اِنسان کو دھوکے سے نکالنا

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِۙ(۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَۙ(۷) فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَؕ(۸) كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِۙ(۹) وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَۙ(۱۰) كِرَامًا كَاتِبِیْنَۙ(۱۱) یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ(۱۲) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍۚ(۱۳) وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍۚ(۱۴) یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِؕ(۱۵) وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىٕبِیْنَؕ(۱۶) وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِؕ(۱۷) ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِؕ(۱۸) یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْــٴًـاؕ وَ الْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ۠(۱۹) (پ30، الانفطار:6-19)

ترجمہ: اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر اعتدال والا کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ ہر گز نہیں، بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو اور بیشک تم پر ضرور کچھ نگہبان مقرر ہیں، معزز لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ بیشک نیک لوگ ضرور چین میں (جانے والے) ہیں اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔ انصاف کے دن اس میں جائیں گے اور اس سے کہیں چھپ نہ سکیں گے اور تجھے کیا معلوم کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ پھر تجھے کیا معلوم کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کوئی جان کسی جان کے لئے کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہو گا۔

اجمالی تفسیر:

اے اِنسان! کس چیز نے تجھے تیرے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈالا کہ جس رب نے تجھے عدم سے وجود بخشتے ہوئے پیدا کیا، پھر تمہیں مناسب اور معتدل طریقے پر بنایا کہ سارے جسمانی اَعضاء بہترین تناسب اور اِعتدال پر رکھے۔ اُن کی وضع اِنتہائی دَقیق اور اعلیٰ حکمتوں و مصلحتوں پر رکھی اور مِزاج و اَخلاط میں خاص تناسب رکھا، پھر جس صورت میں خدا نے چاہا، اُسی صورت پر تخلیق کیا۔ اِن اِنعامات کا تقاضا تھا کہ تم اپنے خالق کی فرمانبرداری کرتے، مگر تم قیامت کے قائم ہونے اور انصاف کو جھٹلاتے ہو اور کہتے ہو کہ اِنسان کی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، آخرت کچھ نہیں، حالانکہ تمہاری سب باتوں پر کراماً کاتبین فرشتے مقرر ہیں یعنی معزز لکھنے والے نگہبان فرشتے مقرر ہیں، جو تمہارے جملہ اَفعال و اَقوال کو جانتے اور لکھتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سب اَعمال پیش ہوں گے، جن میں تمہاری تکذیب اور کفر سب شامل ہے اور اِس پر تمہیں سزا بھی ملے گی اور اِس جزا و سزا کی تفصیل یہ ہے کہ نیک لوگ جنت کی عظیم نعمتوں میں ہوں

www.dawateislami.net

گے اور بدکار دوزخ میں ہوں گے، جس میں وہ انصاف کے دن داخل کیے جائیں گے۔ کفار وفُجّار اُس جہنم سے دور ہونے والے نہ ہوں گے اور نہ ہی بھاگ کر دور ہو سکیں گے۔ اے مخاطب! تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ جزا و سزا کا دن کیسا ہو گا؟ ہم پھر کہتے اور پوچھتے ہیں کہ کیا تمہیں معلوم بھی ہے کہ جزا و سزا کا دن کیسا ہو گا؟ ہم بتاتے ہیں کہ وہ دن ایسا ہو گا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا، سب رشتے، ناطے، تعلقات اور روابط ختم ہو جائیں گے۔ اُس دن ہر فیصلہ صرف اللہ کا ہی ہو گا۔

آیت پر تفصیلی کلام:

شروع کی چار آیات کی تفسیر: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِۙ(۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَۙ(۷) فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَؕ(۸) كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِۙ(۹)﴾ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر اِعتدال والا کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ ہر گز نہیں، بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو۔

یہ سمجھانے کا بہت ہی خوبصورت، رحیمانہ اور کریمانہ انداز ہے کہ خدا کی شانِ ربوبیت اور رَحمت و کرم بیان کر کے بندے پر جو خدا کا بہت بنیادی اِحسان یعنی عدم سے وجود میں لانے اور خوبصورت و معتدل انداز میں اِنسان کو بنانے کا اِحسان ہے، اسے ذکر کیا، پھر اس رب کریم جل جلالہ کی بندگی کے راستے سے ہٹنے پر فرمایا کہ صراطِ مستقیم سے فرار و خروج ایک دھوکا ہے۔ اے بندے، دھوکا دینے والے شیطان اور نفس کے فریب میں مت آ، بلکہ اسی رحیم و کریم، پروردگار کی طرف رجوع کر جس کے بے شمار اِحسانات ہر آن، ہر لمحہ تمہارے وجود میں جاری و ساری ہیں۔

آیات کے نصیحت آمیز الفاظ سمجھا رہے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے لیکن اس کی رحمت و کرم کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی نافرمانی کی جرأت نہیں کرنی چاہئے۔ اس فرمان میں خدا تعالیٰ کے متعلق ہر طرح کے دھوکے میں مبتلا آدمی کے لئے نصیحت ہے، بشمول ان مسلمانوں کے جو گناہ کر کے توبہ کے بجائے یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے، وہ معاف کر دے گا، کوئی بات نہیں۔ یہ جملے خدا کی رحمت پر اُمید کے نہیں، بلکہ خود کو دھوکے میں ڈالنے کے ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: سمجھ دار شخص وہ ہے جو (دنیا میں ہی) اپنا محاسبہ کر لے اور آخرت کی بہتری کے لئے نیک اَعمال کرے اور وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ

www.dawateislami.net

سے آخرت کے اِنعام کی اُمید رکھے۔[1] اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے حِلم اور بُردباری سے دھوکے میں نہ پڑ جائے، بیشک جنت اور دوزخ تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہے۔[2]

امید و خوف میں صحیح راستہ کیا ہے؟

صحیح راستہ یہی ہے کہ رحمتِ خدا کی اُمید اور عذابِ الٰہی کے ڈر کی کیفیات کے درمیان رہیں۔ اس لئے زندگی میں خوف اور اُمید کو جمع کرنا ضروری ہے، البتہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجائے تو اس کے حق میں اللہ عزوجل کے بارے میں حُسنِ ظن اور اُمید کا غلبہ بہتر ہے جبکہ عام زندگی میں خوف کا غلبہ زیادہ بہتر ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ غلبۂ خوف، رحمتِ الٰہی سے مایوسی، عمل ترک کر دینے اور مغفرت کی اُمید ختم ہونے تک نہ لے جائے۔ اگر خوف کا غلبہ ان چیزوں تک لے جائے تو پھر وہ عمل کے معاملے میں سستی کا سبب اور گناہوں میں مشغولیت کا داعی بن جاتا ہے اور یہ درحقیقت خوف نہیں، بلکہ رحمتِ خداوندی سے نااُمیدی و مایوسی ہے جو کہ کفر (یا حرام) ہے۔ خوف تو ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو عمل پر اُبھارتی، تمام نفسانی خواہشات کو بے مزہ بنا دیتی، دل کو دنیا کی جانب مائل ہونے سے روکتی اور اسے دھوکے والے گھر (یعنی دنیا) سے کنارہ کشی کی دعوت دیتی ہے اور ایسا ہی خوف شرعاً قابلِ تعریف ہے، اس کے برعکس محض دل میں پیدا ہونے والا خیال جو نہ تو ممنوعہ کاموں سے باز رکھنے کا فائدہ دے اور نہ ہی عبادات کی بجا آوری میں معاون ثابت ہو نیز ایسی مایوسی جو رحمتِ خداوندی سے نااُمیدی کا سبب بنے ان دونوں کی کوئی فضیلت نہیں۔[3]

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لائے جو نزع کی حالت میں تھا آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس سے پوچھا: خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟ اس نے عرض کی: میں اپنے آپ کو اس طرح پاتا ہوں کہ گناہوں پر خوفزدہ ہوں اور اپنے رب کی رحمت کا اُمیدوار ہوں، ارشاد فرمایا: ایسے وقت میں جب کسی بندے کے دل میں یہ دونوں چیزیں (اُمید اور خوف) جمع ہو جائیں تو اللہ عزوجل اس کی اُمید اسے عطا فرماتا ہے۔ اور جس چیز سے وہ خوف زدہ ہوتا ہے، اُس

---

1 ..... ترمذی، 4/207، حدیث: 2467۔
2 ..... الترغیب والترھیب، 4/48، حدیث: 18۔
3 ..... احیاء العلوم، 4/204۔

www.dawateislami.net

سے اُسے امن عطا فرماتا ہے۔[1]

اُمید و خوف کے حوالے سے مزید کلام:

تفسیر صراط الجنان میں اس حوالے سے کافی تفصیلی کلام کئی مقامات پر موجود ہے۔ یہاں ایک جگہ سے کچھ اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُۙ(۴۹) وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ(۵۰) (پ14، الحجر:49-50)

ترجمہ: میرے بندوں کو خبر دو کہ بیشک میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور بیشک میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو گناہ کرنے سے ڈرایا گیا اور جو گناہ ہو چکے ان سے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، میرے بندوں کو بتا دیں کہ جب وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں تو میں ہی ان کے گناہوں پر پردہ ڈال کر ان گناہوں کے سبب ہونے والی رُسوائی اور عذاب سے انہیں بچاتا ہوں اور گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد انہیں عذاب نہ دے کر ان پر رحم فرماتا ہوں اور میرے بندوں کو یہ بھی بتا دیں کہ میرا عذاب ان کے لئے ہے جو اپنے گناہوں پر قائم رہیں اور ان سے توبہ نہ کریں۔ میرا عذاب اتنا دردناک ہے کہ اس جیسا دردناک کوئی عذاب ہو ہی نہیں سکتا۔[2] معلوم ہوا کہ بندوں کو اُمید اور خوف کے درمیان رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رَحمت کی وسعت دیکھ کر گناہوں پر بے باک ہوں، نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت دیکھ کر اس کی رحمت سے مایوس ہوں۔ اسی سے متعلق صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس روز اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا فرمایا تو اس کے سو حصے کئے اور 99 حصے اپنے پاس رکھ کر ایک حصہ مخلوق کے لئے بھیج دیا۔ اگر کافر بھی یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی رحمت ہے تو وہ بھی جنت سے مایوس نہ ہو اور اگر مومن یہ جان جائے کہ اس کے پاس کتنا عذاب ہے تو جہنم سے وہ بھی بے خوف نہ ہو۔[3] اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مومن جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی

---

1 ..... ترمذی، 2/296، حدیث: 985۔

2 ..... تفسیر طبری، پ14، الحجر، 49-50، 7/521 تا 522۔

3 ..... بخاری، 4/239، الحدیث: 6469۔

www.dawateislami.net

جنت کی اُمید نہ رکھتا اور اگر کافر جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی رحمت ہے تو اس کی جنت سے کوئی نااُمید نہ ہوتا۔[1]

یہاں اُمید اور خوف کی ایمان افروز کیفیت ملاحظہ کریں، سیدنا عمر فاروق رضی اللہُ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر آسمان سے کوئی اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے کہ ”اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ گے لیکن ایک شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا،“ تو میں اس بات سے ضرور ڈروں گا کہ کہیں وہ شخص میں ہی نہ ہوں، اور اگر اعلان کرنے والا یہ کہے کہ اے لوگو! تم سب جہنم میں جاؤ گے البتہ ایک شخص جہنم میں نہیں جائے گا، تو میں ضرور یہ امید رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔[2]

خداوند قدوس کی تمام صفات پر ایمان رکھنے کے ساتھ، ہم خدا سے رحمت کی دعا کرتے ہیں، کیونکہ بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرما چکا تو لوحِ محفوظ میں جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے، لکھ لیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔[3] اور صحیح مسلم میں ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔[4] اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب سے محفوظ فرمائے اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے، آمین۔ ہاں یہ یاد رہے کہ جو کفر کی حالت میں مرا وہ تو جہنم کے دردناک عذاب میں ہمیشہ کے لئے مبتلا ہو گا، البتہ جو گناہگار مسلمان اپنے گناہوں سے توبہ کئے بغیر اِنتقال کر گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مَشِیَّت پر موقوف ہے کہ وہ چاہے تو اُسے گناہوں کی سزا دے یا چاہے تو اپنی رحمت سے اس کے تمام گناہ بخش دے اور اسے جنت عطا فرما دے۔

پانچویں، چھٹی اور ساتویں آیت کی تفسیر: ﴿وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ۠ ۱۰ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ۠ ۱۱ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۱۲﴾ اور بیشک تم پر کچھ ضرور نگہبان مقرر ہیں، معزز لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

اے لوگو! بیشک ہماری جانب سے تم پر کچھ فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے اَعمال اور اَقوال کے نگہبان ہیں، وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہیں اور تمہارے اَقوال اور اَعمال لکھ رہے ہیں تاکہ تمہیں ان کی جزا دی جائے، وہ تمہارے

---

1 ..... مسلم، ص1130، حدیث:6979۔
2 ..... حلیۃ الاولیا، 1/89، الرقم:142۔
3 ..... بخاری، 2/375، حدیث:3194۔
4 ..... مسلم، ص1129، حدیث:6970۔

www.dawateislami.net

ساتھ رہنے کی وجہ سے تمہارا ہر نیک اور برا عمل جانتے ہیں اور ان سے تمہارا کوئی عمل چھپا نہیں۔[1]

ان فرشتوں کے بارے میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ (پ26، ق:17-18)

ترجمہ: جب اس سے لینے والے دو فرشتے لیتے ہیں، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے۔ وہ (بندہ) زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک محافظ فرشتہ اس کے پاس تیار بیٹھا ہوتا ہے۔

اِن آیات میں ہر اس انسان کے لئے نصیحت ہے جو نیک اعمال میں غفلت کا شکار ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃُ اللہِ علیہ جب اِس آیت: ﴿یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ کی تلاوت فرماتے تو کہتے: غافل لوگوں پر اس سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں۔[2]

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ اِنسان کی حفاظت اور اس کے اَعمال کی نگرانی کے لئے فرشتے مقرر ہیں، لہٰذا اِنسان کو گناہ کی جگہ نہیں جانا چاہیے تاکہ ہماری وجہ سے ان فرشتوں کو وہاں نہ جانا پڑے، کیونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کریم یعنی عزت والے ہیں۔ اِسی طرح ایسی بات نہ کہی جائے جو کسی معزز آدمی کے سامنے نہیں کہہ سکتے کہ معزز فرشتے ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں تو ان کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ مزید یہ بھی واضح ہوا کہ کراماً کاتبین فرشتوں پر ہمارے چھپے اور ظاہر کوئی عمل پوشیدہ نہیں، تب ہی تو وہ ہر عمل کو لکھ لیتے ہیں۔

روزِ قیامت اَعمال کی پیشی کے مختلف اَنداز:

کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے اَعمال قیامت کے دن پیش ہوں گے۔ بروزِ قیامت اَعمال کی پیشی کے مختلف اَنداز ہیں۔ بندے کے نامۂ اعمال میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہو گا اور وہ اپنے اعمال نامے سے ڈرے گا اور ہر عمل کے لکھے ہونے پر افسوس و حسرت و ندامت کا اِظہار کرے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ

ترجمہ: اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس میں جو (لکھا ہوا) ہو گا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے

---

1 ..... تفسیر روح البیان، پ30، الانفطار، تحت الآیۃ:10 تا12، 10/360 ملخصاً۔

2 ..... مدارک، پ30، الانفطار، تحت الآیۃ:12، ص1328۔

www.dawateislami.net

لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ (پ15، الکھف:49)

ہماری خرابی! اس نامہ اعمال کو کیا ہے کہ اس نے ہر چھوٹے اور بڑے گناہ کو گھیرا ہوا ہے اور لوگ اپنے تمام اعمال کو اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

اور یہی نامۂ اعمال پڑھنے کا کہا جائے گا، چنانچہ فرمایا: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾﴾ (پ15، بنی اسرائیل:14) ترجمہ: ”(فرمایا جائے گا کہ) اپنا نامۂ اعمال پڑھ، آج اپنے متعلق حساب کرنے کیلئے تو خود ہی کافی ہے۔“

بلکہ قیامت میں صرف نامۂ اعمال ہی سامنے نہیں آئے گا، بلکہ انسان کے اَعضاء بھی اَعمال کی گواہی دیں گے، چنانچہ فرمایا:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ (پ 23، یٰس: 65)

ترجمہ: آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

آیت نمبر تیرہ میں فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾﴾ بیشک نیک لوگ ضرور چین میں ہیں۔

اَبرار یعنی نیک لوگوں کا اِیمان افروز صِلہ یہاں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ضرور نعمتوں سے بھرپور جنت میں جانے والے ہیں اور جنت میں تختوں پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِعزاز و اِکرام اور عطا کردہ نعمتیں دیکھ رہے ہوں گے۔ جنتی اس قدر راحت و چین میں ہوں گے کہ تم انہیں دیکھو گے تو ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی پہچان لو گے کہ وہ خوشی سے چمکتے دَمکتے ہوں گے اور دِل کی خوشی کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے، مزید یہ کہ جنت میں انہیں صاف ستھری خالص شراب پلائی جائے گی، جس کے برتنوں پر مشک کی بنی ہوئی مُہر لگی ہو گی۔ اس شراب میں تسنیم ملی ہو گی جو جنت کی شرابوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ تسنیم شراب کا وہ چشمہ ہے جس سے صرف اللہ تعالیٰ کے مُقرّب بندے پئیں گے اور باقی جنتیوں کی شرابوں میں شرابِ تسنیم کے چند قطرے ملائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس تفصیل کو یوں بیان فرماتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآىٕكِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ﴿۲۴﴾ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: بیشک نیک لوگ ضرور چین میں ہوں گے، تختوں پر نظارے کر رہے ہوں گے۔ تم ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی پہچان لو گے۔ انہیں صاف ستھری خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگائی ہوئی ہو گی۔ اس کی مہر مشک (کی) ہے اور

www.dawateislami.net

عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ۝۲۸ (پ30، المطففین:22تا28)

للچانے والوں کو تو اسی پر للچانا چاہئے اور اس کی ملاوٹ تسنیم سے ہے (جو) ایک چشمہ (ہے) جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

سورۂ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں کے تین گروہوں کا ذِکر فرمایا، جن میں ایک گروہ جہنمی ہے اور دو گروہ جنتی۔ جنتیوں میں سے ایک اَصحابِ یمین اور دوسرے سابقین ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ۝۸ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ۝۹ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ۝۱۰ (پ27، الواقعۃ:7تا10)

ترجمہ: اور (اے لوگو!) تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔ تو دائیں جانب والے (جنّتی) کیا ہی دائیں جانب والے ہیں اور بائیں جانب والے (یعنی جہنمی) کیا ہی بائیں جانب والے ہیں اور آگے بڑھ جانے والے تو آگے ہی بڑھ جانے والے ہیں۔

پھر سابقین پر جو اِنعامات بیان فرمائے ہیں، سبحان اللہ۔ فرمایا:

اُولٰٓىٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ۝۱۱ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۝۱۲ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ۝۱۳ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ؕ۝۱۴ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ۝۱۵ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ۝۱۶ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ۝۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِیْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ۝۱۸ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا یُنْزِفُوْنَ ۙ۝۱۹ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۙ۝۲۰ وَ لَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ؕ۝۲۱ (پ27، الواقعۃ:11تا21)

ترجمہ: وہی قرب والے ہیں۔ نعمتوں کے باغوں میں ہیں۔ وہ پہلے لوگوں میں سے ایک بڑا گروہ ہو گا اور بعد والوں میں سے تھوڑے ہوں گے۔ (جواہرات سے) جڑے ہوئے تختوں پر ہوں گے، ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے۔ ان کے اِرد گرد ہمیشہ رہنے والے لڑکے پھریں گے، کوزوں اور صراحیوں اور آنکھوں کے سامنے بہنے والی شراب کے جام کے ساتھ۔ اس سے نہ انہیں سر درد ہو گا اور نہ ان کے ہوش میں فرق آئے گا اور پھل میوے جو جنتی پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے۔

دوسرا جنتی گروہ اَصحابِ یمین کا ہو گا۔ ان کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ؕ۝۲۷ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ۝۲۸ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ۝۲۹ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ۝۳۰ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ۝۳۱ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ۙ۝۳۲ لَّا مَقْطُوْعَةٍ

ترجمہ: اور دائیں جانب والے کیا دائیں جانب والے ہیں۔ بغیر کانٹے والی بیریوں کے درختوں میں ہوں گے اور کیلے کے گچھوں میں اور دراز سائے میں اور جاری پانی (کے قرب) میں اور بہت

www.dawateislami.net

وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍۙ(۳۳) وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍؕ(۳۴) سے پھلوں (والی جگہ) میں جو (پھل) نہ ختم ہوں گے اور نہ (جنتی لوگ اس سے) روکے جائیں گے اور بلند بچھونوں میں ہوں گے۔ (پ27، الواقعۃ:27تا34)

الغرض نیک، پرہیز گار لوگ جنت کے باغوں میں، چشموں کی سرزمین پر ہوں گے۔ جنت میں داخلے کے وقت جب یہ لوگ جنت کے دَروازوں پر پہنچیں گے تو ان سے کہا جائے گا: ”تم سلامتی اور امن و امان کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ یہاں سے نکالے جاؤ گے نہ تمہیں یہاں موت آئے گی نہ تم پر کوئی آفت رونما ہو گی، نہ یہاں کوئی خوف اور پریشانی ہو گی۔“ وہاں سب کے دِل کینے سے پاک ہوں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی ہوں گے، آمنے سامنے تختوں پر بیٹھ کر محوِ گفتگو، مصروفِ راحت اور نعمتوں سے متمتع ہوں گے۔ وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہی انہیں وہاں سے کبھی نکالا جائے گا۔

آیت نمبر 14 میں فرمایا: ﴿وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍۚ(۱۴)﴾ اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔

یعنی بیشک کافر لوگ ضرور جلا دینے والی دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ انصاف کے دن اُس جہنم میں جائیں گے جسے وہ دنیا میں جھٹلاتے رہے، اور اس جہنم سے کہیں چھپ نہ سکیں گے اور اے بندے! تجھے کیا معلوم کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ پھر تجھے کیا معلوم کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ انصاف کا دن وہ ہے جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کچھ اِختیار نہ رکھے گی اور اس دن سارا حکم اللہ تعالیٰ کا ہو گا اور وہی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ ان ہی جہنمیوں کو سورۂ واقعہ میں اَصحابِ شمال قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِؕ(۴۱) (پ27، الواقعۃ:41) ترجمہ: اور بائیں جانب والے کیا بائیں جانب والے ہیں؟

پھر ان کے عذاب کا ذِکر یوں کیا:

فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍۙ(۴۲) وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍۙ(۴۳) لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍؕ(۴۴) (پ27، الواقعۃ:42-44) ترجمہ: شدید گرم ہوا اور کھولتے پانی میں ہوں گے اور شدید سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے جو (سایہ) نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ آرام بخش۔

یعنی بائیں جانب والے (جہنمی لوگ) جہنم میں ایسی شدید گرم ہوا میں ہوں گے جو مَساموں میں گھس جائے گی اور جہنمی وہاں کھولتے اُبلتے گرم پانی میں ہوں گے اور وہ وہاں شدید سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے جو عام سایوں کی طرح نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ ہی خوش منظر اور آرام بخش۔ الامان والحفیظ

www.dawateislami.net

آخری آیت کی تفسیر: ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْــٴًـا﴾ جس دن کوئی جان کسی جان کے لئے کچھ اِختیار نہ رکھے گی۔ یعنی قیامت کے دن کوئی شخص کسی کو نفع پہنچانے کا اِختیار نہ رکھے گا، یعنی کافر کسی کافر کو کچھ نفع پہنچانے کا اِختیار نہ رکھے گا اور نہ ہی کوئی مسلمان کسی کافر کو فائدہ پہنچا سکے گا، بلکہ مسلمان بھی مسلمان کو نفع پہنچانے کا مالک نہیں ہو گا بلکہ صرف اللہ کے اِذن اور اجازت سے سفارش کر سکے گا، جیسا کہ قرآنِ مجید میں فرمایا:

یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ (پ16، طٰہٰ:109)

ترجمہ: اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس کی بات پسند فرمائی ہو۔

قیامت کے دن سے ہر ایک کو ڈرنا چاہئے:

یاد رہے کہ اس آیت میں اگرچہ کفار کا حال بیان ہوا ہے کہ انہیں قیامت کے دن کوئی دوسرا کافر یا مسلمان نفع نہیں پہنچا سکے گا، البتہ اس دن کی سختیوں، ہَولناکیوں اور شدّتوں کو یاد رکھنا سب پر لازم ہے اور مسلمانوں کو بھی آخرت سے ڈرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (پ1، البقرۃ:48)

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے بدلہ نہ دے گی اور نہ کوئی سفارش مانی جائے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

امام محمد غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: قیامت کا دن وہ دن ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔ اس میں چھپی باتوں (جیسے عقائد، اعمال اور نیتوں) کو جانچا جائے گا۔ اس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے بدلہ نہ دے گی۔ اس دن (کی ہولناکی اور شدت سے) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا۔ لوگوں کو جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ کفار آگ میں اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے۔ ان کے چہرے آگ میں بار بار اُلٹے جائیں گے۔ اس دن کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آ سکے گا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی، ماں اور باپ سے بھاگتا پھرے گا۔ اس دن لوگ (دہشت غالب ہونے کی وجہ سے) بات نہیں کر سکیں گے اور نہ انہیں اس بات کی اجازت دی جائے گی کہ وہ کوئی عذر پیش کریں۔ یہ وہ دن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن لوگ بالکل ظاہر ہو جائیں گے۔ اس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے کام آئیں گے۔ اس دن ظالموں کو ان کے

www.dawateislami.net

بہانے کچھ کام نہ دیں گے اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔ اس دن تمام عذر رَد کر دیئے جائیں گے اور چھپی باتوں کو جانچا جائے گا۔ اس دن پوشیدہ باتیں ظاہر ہوں گی اور پردے اٹھ جائیں گے۔ اس دن آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور آوازیں بند ہوں گی۔ اس دن (دائیں بائیں) توجہ کم ہو گی، پوشیدہ باتیں ظاہر ہوں گی اور گناہ بھی سامنے آجائیں گے۔ اس دن لوگوں کو ان کے گواہوں سمیت (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کے لئے) چلایا جائے گا۔ اس دن (ہیبت کے مارے) بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور بڑے نشے میں ہوں گے۔ اس دن (اعمال کا وزن کرنے کے لئے) ترازو رکھے جائیں گے، اعمال نامے کھولے جائیں گے، جہنم ظاہر کر دی جائے گی، کھَولتا ہوا پانی جوش مارے گا، جہنم سانس لے گی، کفار مایوس ہو جائیں گے، جہنم کو بھڑکایا جائے گا، رنگ بدل جائیں گے، زبان گونگی ہو جائے گی اور انسان کے اَعضاء گفتگو کریں گے۔ تو اے انسان! تجھے اپنے کریم رب عزوجل کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ تو دروازے بند کر کے، پردے لٹکا کر اور لوگوں سے چھپ کر فسق و فجور اور گناہوں میں مبتلا ہو گیا! (تو لوگوں کے خبر دار ہونے سے ڈرتا ہے حالانکہ تجھے پیدا کرنے والے سے تیرا کوئی حال چھپا ہوا نہیں،) جب تیرے اَعضاء تیرے خلاف گواہی دیں گے (اور جو کچھ تو لوگوں سے چھپ کر کرتا رہا وہ سب ظاہر کر دیں گے) تو اس وقت تو کیا کرے گا؟[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور شیطان کے دھوکے سے محفوظ فرمائے اور اپنی آخرت کے بارے میں سچی فکر اور قیامت کے دن کا حقیقی خوف نصیب کرے، آمین۔

خلاصہ کلام:

(1) اِن آیات میں رب کریم سے متعلق دھوکے میں مبتلا ہونے پر اِنسان کو تنبیہ کی گئی ہے۔

(2) مذکورہ آیات میں خدا تعالیٰ کے متعلق ہر طرح کے دھوکے میں مبتلا آدمی کے لئے نصیحت ہے، بشمول ان مسلمانوں کے، جو گناہ کر کے توبہ کے بجائے یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے، وہ معاف کر دے گا۔ یہ جملے خدا کی رحمت پر اُمید کے نہیں، بلکہ خود کو دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔

(3) آیات کے نصیحت آمیز الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کرم فرمانے والا ہے لیکن اس کے کرم کو

---

1 ..... احیاء العلوم، 5/276۔

www.dawateislami.net

پیشِ نظر رکھ کر اس کی نافرمانی کی جرأت نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کی پکڑ اور غضب کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی نافرمانی سے ہر دَم بچتے رہنا چاہئے۔

(4) صحیح راستہ یہی ہے کہ رحمتِ خدا کی اُمید اور عذابِ الٰہی کے ڈر دونوں کیفیات کے درمیان رہیں اور بہتر یہ ہے کہ موت کا وقت آنے سے پہلے تک خوف کا غلبہ رہے کہ یہ گناہوں سے بچاتا ہے اور موت کا وقت قریب ہو تو اُمیدِ رحمت کا غلبہ ہو کہ اب معاملہ رحمت ہی کا سہارا کام دے گا۔

(5) خوف ایک ایسی کیفیت ہے جو اِنسان کو اچھے عمل پر اُبھارتی، نفسانی خواہشات کو بے مزہ بناتی اور اِنسان کو دھوکے کے گھر یعنی دنیا کی محبت سے دور کرتی ہے اور ایسا ہی خوف شرعاً قابلِ تعریف ہے۔ اس کے برعکس محض دِل میں پیدا ہونے والے ڈر کا وہ خیال جو نہ تو گناہوں سے باز رکھے اور نہ ہی عبادت کی طرف مائل کرے، اس کے بارے میں ڈر ہے کہ یہ خوفِ خدا نہ ہو، بلکہ محض دھوکا ہو۔ نیز ایسا ڈر جو رحمتِ خداوندی سے نااُمیدی کا سبب بنے، ان دونوں کی کوئی فضیلت نہیں۔

(6) اِنسان کی جان اور اس کے اَعمال کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہیں، لہٰذا اِنسان کو گناہ کی جگہ نہیں جانا چاہیے تاکہ ہماری وجہ سے ان فرشتوں کو وہاں نہ جانا پڑے، کیونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کریم یعنی عزت والے ہیں۔ اسی طرح ایسی بات نہ کہی جائے جو کسی معزز آدمی کے سامنے نہیں کہہ سکتے کہ معزز فرشتے ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں تو ان کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔

(7) قیامت میں صرف نامہ اعمال ہی سامنے نہیں آئے گا، بلکہ اِنسان کے اَعضاء بھی اَعمال کی گواہی دیں گے۔

(8) قرآنِ مجید میں بکثرت مقامات پر قیامت کے اَحوال کافروں کے متعلق بیان کئے گئے ہیں لیکن اس دن کی سختیوں، ہَولناکیوں اور شدّتوں کے پیشِ نظر مسلمانوں کو بھی اس سے ڈرنا چاہئے اور یہی بزرگانِ دین کا طریقہ رہا ہے۔

محاسبہ:

ہر آن، ہر لمحہ ہم خدا کی نعمتوں کی بارش میں بھیگے ہوئے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر وقت خدا کی طرف متوجہ رہیں اور شکر ادا کریں لیکن افسوس کہ ہماری حالت ایسی نہیں ہے۔ آیئے! اپنا اِحتساب کریں۔

(1) خدا کی رحمتوں پر غور کر کے اس پر ایمان، یقین اور توکل بڑھ جانا چاہیے۔ کیا ہم ایمان میں اِضافے کے لئے خدا

www.dawateislami.net

کی رحمتوں اور قدرتوں پر غور کرتے ہیں؟

(2) کہیں خدا کی عظمتوں اور شانوں کی طرف متوجہ ہونے سے غافل ہو کر ہم دھوکے میں تو نہیں پڑے ہوئے؟

(3) کیا شیطان کے ورغلانے سے ہم اللہ کی رحمت پر ایسی اُمید تو نہیں لگا بیٹھے کہ خدا کے اَحکام سے غافل ہو گئے ہوں؟

(4) کیا گناہ کرتے ہوئے دِل کو یہ کہہ کر تسلی تو نہیں دیتے کہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ معاف کر دے گا؟

(5) کیا ہمارے دِلوں میں خدا کے غضب اور آخرت کے عذاب کا ڈر ہے؟

(6) کیا ہم گناہ کرتے یا گناہ کی جگہ جاتے ہوئے اپنے ساتھ موجود معزز فرشتوں کا لحاظ کرتے ہیں؟

(7) ہم اپنے کام اور کلام میں فرشتوں سے حیا کرتے ہیں؟ کہ انہیں ہر بات لکھنی ہوتی ہے؟

(8) قیامت میں اَعمال نامے کے علاوہ ہمارے جسمانی اَعضاء بھی گواہی دیں گے، کیا ہم اس خوف کو محسوس کرتے ہوئے گناہ چھوڑنے والے ہیں؟

(9) جنتیوں کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اَعمال دیا جائے گا۔ کیا ہم نے کبھی باقاعدہ یہ خواہش کی اور سوچا کہ ہمیں نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں عطا کیا جائے؟

(10) شیطان دھوکے باز اور ہمارا دشمن ہے۔ کیا ہم نے عملی طور پر اسے "دشمن" سمجھ کر گناہوں کو چھوڑا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں خوفِ آخرت عطا فرمائے اور شیطانی چالوں سے محفوظ فرمائے، آمین۔

❁❁❁

www.dawateislami.net

آیت نمبر:21 قیامت کا منظر اور انسان کو تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِۚ(۶) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖۙ(۷) فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًاۙ(۸) وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًاؕ(۹) وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖۙ(۱۰) فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًاۙ(۱۱) وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًاؕ(۱۲) اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًاۚ(۱۳) اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ(۱۴) بَلٰىۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًاۘ(۱۵) (پ30، الانشقاق:6تا15)

ترجمہ: اے انسان! بیشک تو اپنے رب کی طرف دوڑنے والا ہے پھر اس سے ملنے والا ہے۔ تو بہر حال جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی خوشی پلٹے گا اور رہا وہ جسے اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ عنقریب موت مانگے گا اور وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہو گا۔ بیشک وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا، بیشک اس نے سمجھا کہ وہ ہر گز واپس نہیں لوٹے گا۔ ہاں، کیوں نہیں! بیشک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔

اجمالی تفسیر:

اے اِنسان! تو یہ حقیقت سمجھ لے کہ ہر اِنسان زندگی کا سفر مسلسل طے کر رہا ہے اور اُس کی زندگی کا ہر لمحہ اُسے موت کے قریب کر رہا ہے۔ مہلتِ حیات مکمل ہونے کے بعد تجھے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری دینی ہے۔ نیک و بد سب ہی کو بالآخر اَعمال کے نتائج کا سامنا کرنا ہو گا، لہٰذا جس کا ایمان سے منور اور نیکیوں سے معمور "نامۂ اعمال" دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو یہ وہ شخص ہو گا جس سے بڑا آسان حساب لیا جائے گا اور یہ نجات و انعام پاکر خوشی خوشی اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائے گا، جبکہ جس بدنصیب کا نامۂ اعمال اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اسے عذاب دینے کا حکم ہو گا تو وہ موت کو پکارے گا کہ مجھے موت آجائے اور عذاب سے بچ جاؤں لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو گی اور بالآخر وہ بھڑکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ اِس سزا کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے اہلِ خانہ میں مست و غافل زندگی گزارتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ موت کے بعد خدا سے کوئی ملنا ملانا نہیں ہے، لیکن خدا سے ملنا کیوں نہیں؟ یقیناً مرنے کے بعد خدا کے ہاں پیش ہونا ہے اور وہ پاک پروردگار اپنے بندے کو خوب دیکھنے والا ہے، بندے کا کوئی بھی حال و خیال خدا سے مخفی نہیں۔

www.dawateislami.net

آیت پر تفصیلی کلام:

آیت کی تفسیر: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ۪ۚ﴾ اے اِنسان! بیشک تو اپنے رب کی طرف دوڑنے والا ہے پھر اس سے ملنے والا ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے اِنسان! تو اپنی موت آنے تک اچھے یا برے عمل کرنے میں محنت و مشقت کرتا رہتا ہے، پھر مرنے کے بعد تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے) ضرور حاضر ہونا ہے اور تو نے دنیا میں جیسے عمل کئے ہوں گے انہی کے مطابق تمہیں اس کی بارگاہ سے جزا ملے گی۔

اختلافِ اعمال پر قرآن کا خوبصورت بیان:

اِنسانی اَعمال میں تنوع، نیکی و بدی کا مقابلہ، تقویٰ و فسق کا آمنا سامنا، تصدیق و تکذیب کی صورتیں، سخاوت و بخل کے نظارے، جنت کی طرف دوڑ یا جہنم میں چھلانگ، یہ سب اِنسانی زندگی کی دُنیاوی حقیقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑے اَحسن انداز میں بیان فرمایا:

اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰى ؕ(۴) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ(۵) وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ(۶) فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ؕ(۷) وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ(۸) وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ(۹) فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ(۱۰) (پ30، اللیل:4 تا 10)

ترجمہ: بیشک تمہاری کوشش ضرور مختلف قسم کی ہے۔ تو بہر حال وہ جس نے دیا اور پرہیز گار بنا اور سب سے اچھی راہ کو سچا مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے اور رہا وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور سب سے اچھی راہ کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے۔

اِن آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک تمہارے اَعمال جداگانہ ہیں کہ کوئی اطاعت کر کے جنت کے لئے عمل کرتا ہے اور کوئی نافرمانی کر کے جہنم کی راہ چلتا ہے۔ وہ شخص جس نے اپنا مال راہِ خدا میں دیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور ممنوع و حرام چیزوں سے بچ کر پرہیز گار بنا اور سب سے اچھی راہ یعنی اسلام کی راہ کو سچا مانا تو بہت جلد ہم اسے جنت کے لئے آسانی مہیا کر دیں گے اور اسے ایسی خصلت کی توفیق دیں گے جو اس کے لئے آسانی اور راحت کا سبب ہو اور وہ ایسے عمل کرے جن سے اس کا رب عزوجل راضی ہو، اور وہ شخص جس نے بخل کیا اور اپنا مال نیک کاموں میں خرچ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حق ادا نہ کئے اور ثواب اور آخرت کی نعمت سے بے پروا بنا اور سب سے اچھی راہ یعنی اسلام کی راہ کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم

www.dawateislami.net

اسے ایسی کرتوتوں کا شکار کریں گے جو اس کے لئے دشواری اور شدت کا سبب ہوں اور اسے جہنم میں پہنچادیں۔[1]

آیت کی تفسیر: ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖۙ﴾ تو بہر حال جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

قیامت کے دن ایمان والوں کے حساب کی صورتیں:

قیامت کے دن بعض اہلِ ایمان ایسے ہوں گے جنہیں اَعمال نامہ دیا ہی نہیں جائے گا، وہ بغیر حساب کے سیدھے جنت میں چلے جائیں گے جبکہ بعض اہلِ ایمان ایسے ہوں گے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو ان سے تحقیق اور جَرح والا حساب نہیں ہو گا بلکہ صرف ان کے اعمال ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے، وہ اپنی نیکیوں اور گناہوں کو پہچانیں گے، پھر انہیں نیکیوں پر ثواب دیا جائے گا اور ان کے گناہوں سے دَرگزر کیا جائے گا۔ یہ وہ آسان حساب ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے کہ نہ شدید اِعتراضات کرکے اَعمال کی تنقیح ہو، نہ یہ کہا جائے کہ ایسا کیوں کیا۔ نہ عذر طلب کیا جائے گا اور نہ اس پر حجت قائم کی جائے گی، کیونکہ جس سے مطالبہ کیا گیا تو اسے کوئی عذر ہاتھ نہ آئے گا اور نہ وہ کوئی حجت پائے گا اس طرح وہ رُسوا ہو جائے گا۔ اہلِ ایمان کی تیسری قسم وہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ان کے ہر عمل کی پوچھ گچھ ہو گی، ان کا کوئی گناہ نظر اَنداز نہیں کیا جائے گا اور انہیں برے اعمال کی سزا کاٹنے کے لئے ایک مخصوص مدت تک جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

آسان حساب کی دعا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ایک مرتبہ نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: ”اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لے۔“ جب نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم واپس ہوئے تو میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم، آسان حساب سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ بس بندے کے اعمال نامے کو دیکھا جائے اور اس کے گناہوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اے عائشہ! رضی اللہُ عنہا، قیامت کے دن جس سے اعمال کے حساب کے معاملے میں جَرح کی گئی تو وہ ہلاک (یعنی

---

1 ..... تفسیر خازن، پ30، اللیل، تحت الآیۃ: 4-10، 4/383۔

www.dawateislami.net

عذاب میں گرفتار) ہو جائے گا۔[1]

آیت کی تفسیر: ﴿وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖۙ(۱۰)﴾ اور رہا وہ جسے اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنے والوں کا حال:

جن لوگوں کو بائیں ہاتھ میں اَعمال نامہ دیا جائے گا، یہ جہنمی ہوں گے۔ ان کا حال بیان کرتے ہوئے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْۚ(۲۵) وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْۚ(۲۶) یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَۚ(۲۷) مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْۚ(۲۸) هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْۚ(۲۹) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُۙ(۳۰) ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُۙ(۳۱) ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُؕ(۳۲)

(پ29، الحاقۃ:25 تا 32)

ترجمہ: اور رہا وہ جسے اس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: اے کاش کہ مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش کہ دنیا کی موت ہی (میرا کام) تمام کر دینے والی ہو جاتی، میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا سب زور جاتا رہا۔ (فرشتوں کو حکم ہو گا) اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو، پھر اسے بھڑکتی آگ میں داخل کرو، پھر ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔

آیت کی تفسیر: ﴿فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًاۙ(۱۱)﴾ تو وہ عنقریب موت مانگے گا۔

فرمایا: جس بدنصیب کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ موت کو پکارے گا، جیسا کہ عادتِ انسانی ہے کہ مصیبت میں موت اور ہلاکت کی تمنا کرتا ہے، لیکن اُس کی یہ آرزو ہر گز پوری نہ ہو گی۔ یہ تمنائیں، آرزوئیں اور حسرتیں بہت سخت ہوں گی۔ ان ہی کی وجہ سے قیامت کا ایک نام "یوم الحسرۃ" ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُۘ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ(۳۹) (پ16، مریم:39)

ترجمہ: اور انہیں پچھتاوے کے دن سے ڈراؤ جب فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور نہیں مانتے۔

قیامت کا دن حسرت کا ہے، نیکوں کو نیکیوں میں کمی پر حسرت ہو گی لیکن کفار کی حسرت بہت شدید ہو گی کیونکہ

---

1 ..... مسند امام احمد، 9/303، حدیث: 24270۔

www.dawateislami.net

موت کو ذبح کر دیا جائے گا جس سے کفار اس بات سے بھی مایوس ہو جائیں گے کہ مر کر ہی عذابِ جہنم سے چھوٹ جاتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں رہ جائیں گے تو) موت کو ایک سُرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا: اے اہلِ جنت! پس وہ گردن اٹھا کر دیکھیں گے تو ان سے کہا جائے گا: کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں! جانتے ہیں، یہ تو موت ہے (کیونکہ سب اسے مرتے وقت دیکھ چکے ہوں گے) پھر کہا جائے گا: اے دوزخیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ جھانک کر دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر موت (کے مینڈھے) کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا (اور اسے ذبح کر کے) کہا جائے گا: اے اہلِ جنت! تمہیں ہمیشہ جنت میں رہنا ہے اور (اس میں کسی کے لئے) موت نہیں ہو گی۔ اے اہلِ جہنم! تم نے دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے اور اب تمہیں موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ (پ16، مریم:39)

ترجمہ: اور انہیں پچھتاوے کے دن سے ڈراؤ جب فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور نہیں مانتے۔

اور ہاتھ سے دنیا کی طرف اِشارہ فرمایا (کہ دنیا کا شیدائی غفلت میں ہے)۔[1]

کفار کی اسی حسرت کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا کہ کافر تمنا کرے گا: کاش وہ مٹی ہو کر ختم ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۖۗ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَ یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ (پ30، النبا:40)

ترجمہ: بیشک ہم تمہیں ایک قریب آئے ہوئے عذاب سے ڈرا چکے جس دن آدمی وہ دیکھے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا: اے کاش کہ میں کسی طرح مٹی ہو جاتا۔

ایک جگہ فرمایا کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں زمین میں دبا کر ملیامیٹ کر دیا جائے اور وہ بالکل نیست و نابود ہو جائیں تاکہ عذاب اور رُسوائی سے چھوٹ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَوْمَىٕذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

ترجمہ: اس دن کفار اور رسول کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور وہ

[1] ..... مسلم، ص1169، حدیث: 7181۔

www.dawateislami.net

حَدِیْثًا۠ (پ5، النساء:42) کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔

ان ہی محرومیوں کی وجہ سے قیامت میں اہلِ ایمان سے درخواست کریں گے کہ اپنے نور میں سے کچھ روشنی ہمیں بھی دے دو مگر یہ درخواست قبول نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ (پ27، الحدید:13)

ترجمہ: جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کر دو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ تو وہاں نور ڈھونڈو۔

بلکہ میدانِ قیامت کے بعد جب کفار جہنم میں جائیں گے وہاں بھی موت کی دعا مانگیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ (پ18، الفرقان:13-14)

ترجمہ: اور جب انہیں اس آگ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑ کر ڈالا جائے گا تو وہاں موت مانگیں گے۔ (فرمایا جائے گا) آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو۔

قیامت کے دن حساب اور جزا:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ، وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں پاؤں نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا، اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا۔[1]

آیت کی تفسیر: ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ﴿۱۵﴾﴾

ترجمہ: بیشک وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔ بیشک اس نے سمجھا کہ وہ ہر گز واپس نہیں لوٹے گا۔ ہاں، کیوں نہیں! بیشک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔

---

1 ..... ترمذی، 4/188، حدیث: 2425۔

www.dawateislami.net

جن لوگوں کو نامۂ اعمال پیٹھ پیچھے سے اور بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان کا سب سے بڑا جرم بیان کیا جارہا ہے کہ وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں میں خوش، اپنی زندگی میں مگن، اپنی غفلت میں ڈوبے، اپنی دنیا میں مست اور آخرت کو فراموش کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ دنیا کی راحتوں سے مالا مال لیکن ایمان کی دولت سے محروم تھے اور یہی محرومی قیامت میں بربادی کا سب سے بڑا سبب ہو گی۔ آخرت کی نجات کی پہلی شرط ایمان ہے اور یہ لوگ اسی سے محروم تھے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

خلاصہ کلام:

(1) اِن آیات میں اِنسان کے مرنے کے بعد اس کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اَعمال کا حساب دینے کے لئے حاضر ہونے کا بیان ہے۔ نیز سیدھے ہاتھ اور اُلٹے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جانے والے لوگوں کے اَحوال کا بیان موجود ہے۔

(2) قیامت کے دن بعض اہلِ ایمان ایسے ہوں گے کہ جنہیں اَعمال نامہ دیا ہی نہیں جائے گا اور وہ بغیر حساب کتاب کے سیدھے جنت میں چلے جائیں گے اور بعض اہلِ ایمان ایسے ہوں گے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو صرف ان کے اَعمال ان پر پیش کئے جائیں گے، پھر انہیں نیکیوں پر ثواب دیا جائے گا اور خدا کی مشیت و حکمت و رحمت سے گناہوں سے درگزر کر دیا جائے گا، جبکہ بعض اہلِ ایمان ایسے ہوں گے کہ ان کے ہر عمل کی پوچھ گچھ ہو گی، اور انہیں برے اعمال کی سزا کاٹنے کے لئے ایک مخصوص مدت تک جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(3) حدیثِ پاک کے مطابق آسان حساب سے مراد یہ ہے کہ بس بندے کے اعمال نامے کو دیکھا جائے اور اس کے گناہوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

(4) جس بدنصیب کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ موت کو پکارے گا، جیسا کہ عادتِ انسانی ہے کہ مصیبت میں موت اور ہلاکت کی تمنا کرتا ہے، لیکن اُس کی یہ آرزو ہرگز پوری نہ ہو گی۔

(5) قیامت کا ایک نام "یوم الحسرۃ" یعنی حسرت کا دن ہے۔ اس دن نیکوں کو نیکیوں میں کمی پر حسرت ہو گی لیکن کفار کی حسرت بہت شدید ہو گی کیونکہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا جس سے کفار اس بات سے بھی مایوس ہو جائیں گے کہ مر کر ہی عذابِ جہنم سے چھوٹ جاتے۔

محاسبہ:

بروزِ قیامت حساب کتاب کے بعد لوگ جنت کی طرف چلے جائیں گے یا جہنم کی طرف۔ جنتی اچھے اَعمال پر رب کی رحمت واِنعام سے مسرور جبکہ جہنمی سخت اذیت ومصیبت میں ہوں گے۔ آیئے ذرا اپنے حال پر غور کرلیں

(1) کیا قیامت کے حساب اور نامۂ اعمال کی وصولی کی کیفیت کے متعلق ہم فکر مند ہیں؟

(2) کیا ہمیں قیامت، حساب، عذاب اور آخرت کا ویسا ڈر ہے جیسا ڈرنے کا حق ہے؟

(3) کیا ہمارے عمل نیک ہیں کہ ہم اللہ کی رحمت سے اُمید رکھیں کہ ہمیں نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا؟

(4) جب قیامت میں نیکوں کو نیکیوں کی کمی پر حسرت ہو گی، تو کیا آج ہم اُس حسرت سے بچنے کے لیے نیکیوں کی کثرت کی کوشش کرتے ہیں؟

(5) کیا ہم اللہ تعالیٰ سے آسان حساب کی دعا کرتے ہیں؟

(6) کیا یہ خوف کبھی ہماری آنکھوں میں آنسو لاتا ہے کہ کہیں مجھے میرا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں نہ پکڑا دیا جائے؟

(7) کیا ہم اپنے نامۂ اعمال کو ماں باپ کی خدمت واِطاعت، رشتے داروں سے صلہ رحمی، پڑوسیوں سے حُسنِ تعلق اور ہر مسلمان سے خوش اَخلاقی والی نیکیوں سے بھرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(8) کیا ہمارے اَعمال نامے ظاہری یا باطنی گناہوں سے بھرے ہوئے تو نہیں ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمارا حساب آسان اور آخرت اچھی فرمائے، آمین۔

❁❁❁

www.dawateislami.net

مصادر و مراجع

قرآنِ مجید	کلامِ الٰہی	****
کتاب کا نام	مصنف / مؤلف	مطبوعہ
کنز العرفان	مفتی محمد قاسم قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیر طبری	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
تفسیر ابن ابی حاتم	امام الحافظ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی، متوفی ۳۲۷ھ	المکتبۃ العصریۃ
تفسیر بغوی	امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی، متوفی ۵۱۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۴ھ
التیسیر فی التفسیر	نجم الدین عمر بن محمد بن احمد نسفی، متوفی ۵۳۷ھ	دار اللباب ترکی ۱۴۴۰ھ
تفسیر کبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفی ۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ
تفسیر بیضاوی	ناصر الدین عبد اللہ بن ابو عمر بن محمد شیرازی، متوفی ۶۸۵ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
تفسیر مدارک	امام عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، متوفی ۷۱۰ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد بغدادی، متوفی ۷۴۱ھ	دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر
تفسیر جلالین	امام جلال الدین محلی، متوفی ۸۶۳ھ وامام جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان
تفسیر در منثور	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
تفسیر ابو سعود	علامہ ابو سعود محمد بن مصطفی عمادی، متوفی ۹۸۲ھ	دار الفکر بیروت
تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی بروسی، متوفی ۱۱۳۷ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ
تفسیر جمل	علامہ شیخ سلیمان جمل، متوفی ۱۲۰۴ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان
تفسیر صاوی	احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی، متوفی ۱۲۴۱ھ	لاہور پاکستان
تفسیر خزائن العرفان	صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیر نعیمی	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ	مکتبہ اسلامیہ لاہور پاکستان
تفسیر نور العرفان	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ	نعیمی کتب خانہ گجرات
تفسیر صراط الجنان	مفتی محمد قاسم قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
حاشیۃ العلوی	علامہ شیخ وجیہ الدین علوی، متوفی ۹۹۸ھ	امام احمد رضا اکیڈمی ہند
مفردات الفاظ القرآن	علامہ راغب اصفہانی، متوفی ۴۲۵ھ	دار القلم دمشق
بخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۷ھ

www.dawateislami.net

ابن ماجہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
ابو داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
نسائی	امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۶ھ
دارمی	امام حافظ عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، متوفی ۲۵۵ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان
مؤطا امام مالک	ابو عبد اللہ امام مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی، متوفی ۲۳۵ھ	دار قرطبہ بیروت ۱۴۲۷ھ
مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
تہذیب الآثار للطبری	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ	مطبعۃ المدنی قاہرہ
معجم کبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ
معجم اوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
حلیۃ الاولیاء	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شافعی، متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
سنن الکبریٰ للبیہقی	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی، متوفی ۸۰۷ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
جمع الجوامع	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
کنز العمال	علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
صحیح ابن حبان	علامہ امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی، متوفی ۷۳۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
صحیح ابن خزیمہ	امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ	المکتب الاسلامی بیروت
موسوعۃ لابن ابی الدنیا	حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا، متوفی ۲۸۱ھ	مکتبۃ العصریہ بیروت ۱۴۲۶ھ
الزھد لابن مبارک	شیخ الاسلام عبد اللہ بن مبارک المروزی، متوفی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
المتجر الرابح	محمد شرف الدین بن عبد المؤمن بن خلف الدمیاطی، متوفی ۷۰۵ھ	دار خضر بیروت ۱۴۲۲ھ
الترغیب والترھیب	امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، متوفی ۹۲۳ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ
شرح السنہ	امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ

www.dawateislami.net

مراٰۃ المناجیح	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان
شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد ہروی قاری حنفی، متوفی ۱۰۱۴ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، متوفی ۱۳۴۰ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان
فتاویٰ حدیثیہ	شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی، متوفی ۹۷۴ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
بہار شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی، متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
احیاء العلوم	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	دار صادر بیروت ۲۰۰۰ء
رسالہ قشیریہ	امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، متوفی ۴۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
الروض الفائق	علامہ شعیب بن سعد عبد الکافی، متوفی ۸۱۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۶ھ
منہاج العابدین	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	مؤسسۃ السیروان بیروت ۱۴۱۶ھ
کیمیائے سعادت	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	انتشارات گنجینہ تہران
مکاشفۃ القلوب	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
قرۃ العیون مع روض الفائق	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۳ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۶ھ
تذکرۃ الاولیاء	شیخ فرید الدین عطار، متوفی ۶۰۶/۶۱۶ھ	انتشارات گنجینہ تہران
دلائل النبوۃ للبیہقی	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۳ھ
سبل الہدیٰ والرشاد	امام محمد بن یوسف صالحی شامی، متوفی ۹۴۲ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح	رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان، متوفی ۱۲۹۷ھ	ضیاء الدین پبلی کیشنز لاہور پاکستان
سیرتِ نبویہ لابن ہشام	ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری معافری، متوفی ۲۱۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
سیرتِ مصطفیٰ	شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
تاریخ بغداد	حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
اسد الغابہ	ابو الحسن علی بن محمد جزری، متوفی ۶۳۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ
الاصابہ	امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۵ھ
الاستیعاب	ابو عمر یوسف عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ للموفق	الموفق بن احمد المکی، متوفی ۵۶۸ھ	مکتبہ نبویہ لاہور پاکستان
ذکر خیر	خواجہ محبوب عالم سیدوی، متوفی ۱۳۳۵ھ	لاہور پاکستان
حیاتِ اعلیٰ حضرت	ملک العلماء ظفر الدین بہاری، متوفی ۱۳۸۲ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
المنجد	لویس معلوف	لاہور پاکستان



اے لوگو! اپنے نفس کا محاسبہ کرو

امیرالمؤمنین حضرت سیّدُنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہُ عنہ نے اِرشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب کتاب لیا جائے، بڑے دِن کی حاضری کے لیے تیاری کرو اور قیامت کے روز اس شخص کا حساب بھی کم ہو گا جو دُنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے گا۔

(ترمذی، 4/208، حدیث: 2467)

978-969-722-668-9
01013436

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net